بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اسرار السلوک

تصنیف

شیخ الحدیث والتفسیر

پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

دامت برکاتہم العالیہ

ناشر

رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز مین بازار بشیر کالونی سرگودھا

0301-6002250 -- 048-3215205

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضابطہ

نام کتاب	اسرارالسلوک
مصنف	شیخ الحدیث والتفسیر پیرسائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی
کمپوزنگ	طارق سعید قادری، کاشف سلیم قادری
صفحات	240
بارِاول جولائی2009	تعداد1100
بارِدوم نومبر 2013	تعداد1100
بارِسوم مارچ 2016	تعداد1100
ناشر	رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز مین بازار بشیر کالونی سرگودھا
پرنٹر	
قیمت:	-/300روپے

☆ فہرستِ مضامین ☆

جھلک

فقیر غلام رسول قاسمی عرض گزار ہے کہ فقیر خود کو تصوف کے موضوع پر قلم اٹھانے کے قابل نہیں سمجھتا۔ ہوا اس طرح کہ چند سال قبل فقیر کو ایک اللہ کے پیارے نے نہایت تاکیدی حکم فرمایا کہ تصوف کے موضوع پر کتاب لکھو۔

فقیر کی کوشش رہی ہے کہ اپنی کتب کی تصنیف سے پہلے استخارہ کرے۔ لیکن بزرگوں کے فرمان کے بعد استخارہ کرنے کو دل نہیں مانتا تھا اور آپ کا فرمان استخارے کی اجازت کے قائم مقام نظر آتا تھا۔ پھر بھی فقیر نے تقریباً بیس صفحات کا ایک مضمون دستور السالکین کے نام سے شائع کر کے خانہ پری مکمل کر دی۔ لیکن جب آں بزرگ علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا تو حکم کی تکمیل نہ کرنے کا احساس دامن گیر ہوا۔ جس کے نتیجے میں ''اسرار السلوک'' نامی مبسوط کتاب لکھنے کی ٹھانی واللہ الموافق۔

اے اللہ! تیرا یہ عاجز مسکین پر تقصیر بندہ اپنے کیے پر بھی پشیمان ہے اور جو کچھ نہ کر سکا اس پر بھی پشیمان ہے۔ تجھ سے تیری ہی پناہ میں آتا ہے اور تیرے سامنے تیرے محبوب نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ ہی پیش کرتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ شَرِّ مَا عَمِلۡتُ وَمِنۡ شَرِّ مَا لَمۡ اَعۡمَلۡ.

☆......☆......☆

حصہ اول

تعریفات

(نظریاتی بحث)

پہلا باب

علم کی تعریف اور تفصیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ

وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

علم کا معنی ہے اِدْرَاکُ الشَّیْئِ بِحَقِیْقَتِہٖ یعنی کسی چیز کی حقیقت کو سمجھ لینا (مفرداتِ راغب صفحہ ۳۵۵)۔

علم کی بے شمار اقسام وانواع ہیں مثلاً طب، سائنس، ریاضی، جغرافیہ، معاشیات، سیاسیات، ادیان وغیرہ۔

ان علوم میں سے بعض کو علوم تو کہا جاتا ہے کہ مگر وہ دراصل علوم نہیں بلکہ فنون ہوتے ہیں۔ مثلاً خطابت کا فن اور مختلف زبانیں سیکھ لینا اور شاعری وغیرہ۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ کُلُّ فَنٍّ لَا یُفِیْدُ عِلْماً لَا یُعَوَّلُ عَلَیْہِ یعنی ہر وہ فن جو علم کا فائدہ نہیں دیتا اس کی کوئی اہمیت نہیں (رسائل ابن عربی صفحہ ۱۹۹)۔

حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمہ نے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کے نام خط لکھا۔ آپ نے فرمایا: عقل مند کو چاہیے کہ علم صرف ایسا حاصل کرے جس سے اس کی ذات مکمل ہو اور وہ جہاں بھی جائے علم اس کے ساتھ منتقل ہوتا چلا جائے۔ ایسا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص عطا اور مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً طب کا علم صرف اس علاقے میں فائدہ مند ہے جہاں مریض پائے جاتے ہوں اور اگر آپ کسی ایسے علاقے میں چلے جائیں جہاں کوئی مریض نہ ہو تو اس علاقے میں یہ علم بے فائدہ ہے (رسائلِ ابن عربی صفحہ ۱۹۲ رسالۃ الی الامام الرازی)۔

حضرت امام غزالی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: قیل لبعض الحکماء ای الاشیاء تقتنی؟ قال الاشیاء التی اذا غرقت سفینتک سبحت معک یعنی العلم یعنی کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ مجھے کون سی چیز تجویز فرماتے ہیں؟ فرمایا وہ چیزیں کہ جب تیری کشتی

ڈوب جائے تو پھر بھی وہ تیرے ساتھ تیرتی رہیں یعنی علم (احیاء العلوم صفحہ ۱۷)۔

علم یا جہالت؟

بعض علوم ایسے بھی ہیں جو مذموم یا نقصان دہ ہونے کی وجہ سے عین جہالت ہوتے ہیں۔ مثلاً جادو اور رقص۔ انہی کے بارے میں حدیث پاک میں ہے کہ **اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا** یعنی بعض علوم بھی جہالت ہوتے ہیں (ابوداؤد حدیث: ۵۰۱۲)۔ انہی کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے: **إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ** یعنی بے شک اللہ ان لوگوں کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے جو جہالت کی وجہ سے برا عمل کر بیٹھتے ہیں (النساء: ۱۷)۔

اسکی تفسیر میں حضرت قتادہ تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ **اَجْمَعَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى اَنَّ كُلَّ مَا عُصِيَ بِهِ اللّٰهُ فَهُوَ جَهَالَةٌ** یعنی ہر وہ علم جس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو وہ جہالت ہے (تفسیر بغوی جلد ۱ صفحہ ۴۹۶)۔

بعض علوم غیر ضروری ہوتے ہیں اور ان سے محض وقت ضائع ہوتا ہے اور انسان اہم اور ضروری علوم سے رہ جاتا ہے۔ مثلاً علم النجوم اور علم الاوائل۔ حدیث پاک میں انہی کے بارے میں فرمایا کہ: **مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرءِ تَرْكُ مَالَا يَعْنِيْهِ** یعنی کسی آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو ترک کر دے جن سے اس کا تعلق نہیں (ترمذی حدیث: ۲۳۱۷)۔

اس کے علاوہ علم پر عمل کے ترک کرنے کو بھی جہالت کہا گیا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے: **مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا** (الجمعہ: ۵)۔

بے فائدہ علم ایسی مصیبت ہے کہ اس کو علم کہنے کے باوجود نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: **اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ** یعنی میں ایسے علم سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو (مسند احمد حدیث: ۶۵۶۹، ابوداؤد حدیث: ۱۵۴۸، ابن ماجہ حدیث: ۳۸۳۷)۔

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: **عملت فی المجاهدة ثلاثين سنة فما وجدت شيا اشد على من العلم ومتابعته** یعنی میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا

اور مجھے علم اور اس پر عمل کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز مشکل نظر نہیں آئی (کشف المحجوب صفحہ ۱۸، منہاج العابدین صفحہ ۱۷، رسالہ قشیریہ صفحہ ۴۷)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا: مجھے کوئی وصیت کریں۔ انہوں نے فرمایا: لَاتَطْلُبِ الْعِلْمَ لِتُحَدِّثَ بِهٖ وَاطْلُبْهُ لِتَعْمَلَ بِهٖ یعنی علم اس لیے حاصل نہ کر کہ تو تقریر کرے گا بلکہ تو اس لیے حاصل کر کہ اس پر عمل کرے گا (بغوی جلد ۳ صفحہ ۵۵)۔

حضرت عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کیا وجہ ہے کہ لوگ اپنے عیب جاننے کے باوجود صحیح بات کی طرف رجوع نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ یہ لوگ علم پر عمل کرنے کی بجائے علم پر فخر کرنے لگ جاتے ہیں، ظاہری باتوں میں مشغول رہتے ہیں اور باطنی آداب میں مشغول نہیں ہوتے، اللہ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے، اور ان کے اعضاء کو عبادات سے ہٹا دیا ہے (رسالہ قشیریہ صفحہ ۸۱)۔

حضرت شیخ المشائخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس :العلماء الغافلين والفقراء المداهنين والمتصوفة الجاهلين یعنی تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔ غافل علماء، چاپلوسی پسند فقراء اور جاہل صوفیا۔

غافل علماء وہ ہیں جو دنیا کمانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، حکمرانوں کے در کا طواف کرتے ہیں، لوگوں میں جاہ و جلال حاصل کر لینے کو اپنی معراج سمجھتے ہیں، غرور کرتے ہیں اور اپنی ذہانت پر خود ہی فریفتہ ہیں، اپنے کلام میں رقت اور سوز پیدا کرنے کے چکر میں رہتے ہیں، اگلے بزرگوں پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں دونوں جہان کی نعمتیں بھی رکھ دو تو یہ لوگ اپنی بری حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔

مداہنت پسند فقراء وہ ہیں جو اپنی چاپلوسی کو پسند کرتے ہیں۔ اپنی خواہش کے خلاف ہر بات کو ناپسند کرتے ہیں خواہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو۔ مداہنت کا لفظ دُھن سے بنا ہے۔ دُھن کا معنی ہے تیل۔ مداہنت سے مراد ہے مکھن لگانا یعنی چاپلوسی کرنا۔

جاہل صوفیاء وہ ہیں جن کا کوئی پیرو مرشد نہ ہو اور کسی بزرگ کی صحبت میں رہ کر انہوں

نے باقاعدہ روحانی تربیت حاصل نہ کی ہو۔ پیر کا بیٹا یا بھتیجا وغیرہ ہونے کی وجہ سے خود بخود بن بلائے مہمان کی طرح مخلوقِ خدا کے درمیان کود پڑا ہو۔ ایسا شخص اگر کسی کو خلافت بخش دے تو وہ خلیفہ دنیا کا کیا حشر کرے گا، اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

شیخ کامل پر لازم ہے کہ ان تینوں گروہوں کو اچھی طرح یاد رکھے اور اپنے مریدوں کو ان کی صحبت سے بچ کر رہنے کی تلقین کرے (کشف المحجوب صفحہ ۱۸۔۱۷)۔

علم نہ ہونے کے باوجود خود کو عالم سمجھنا جہالت کی سب سے بڑی ڈگری ہے۔ آج کے دور میں جو اچھا قاری ہو، جو اچھی طرز لگا لیتا ہو، جس کی آواز سریلی ہو اور جو اچھا نعت خوان ہو وہ بڑے آرام سے ایک بہت بڑی مسجد سنبھال کر بیٹھ سکتا ہے۔ کئی کئی سلسلوں سے خلافت حاصل کر لینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

ان لوگوں کا مقصد محض روزگار چلانا اور روٹی کمانا ہے۔ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے (طبقاتِ صوفیہ صفحہ ۱۳۳)۔

گویا اب اصل علم کی تعریف یہ رہ گئی کہ :اَلْعِلْمُ نُوْرٌ فِی قَلْبِ الْمُؤْمِنِ مُقْتَبَسٌ مِنْ مَصَابِیْحِ مِشْکَاۃِ النُّبُوَّۃِ مِنَ الْاَقْوَالِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَالْاَفْعَالِ الْاَحْمَدِیَّۃِ وَالْاَحْوَالِ الْمَحْمُوْدِیَّۃِ یُھْتَدیٰ بِہٖ اِلَی اللّٰہِ وَصِفَاتِہٖ وَ اَفْعَالِہٖ وَ اَحْکَامِہٖ یعنی علم ایک نور ہے جو مومن کے قلب میں موجود ہوتا ہے، فانوسِ نبوت کے طاق سے پھوٹنے والے اقوالِ محمدیہ اور افعالِ احمدیہ سے حاصل کیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، افعال اور احکام کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے (مرقاۃ جلد ا صفحہ ۴۰۵)۔

حصولِ علم کے ذرائع

علم حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔

۱۔ حواسِ خمسہ ۲۔ مخبر صادق ۳۔ وحی۔ حواس اور مخبر صادق کی بات تو ہر کوئی تسلیم کر لیتا ہے، لیکن وحی کا ذریعہ علم ہونا بعض لوگوں کو کھٹکتا ہے۔ ہم ایسے لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کبھی سچا خواب تو دیکھا ہوگا۔ یا کسی کو بیان کرتے سنا ہوگا کہ اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا

دوسرے دن بعینہٖ حقیقت میں دیکھا۔ آخر یہ سچا خواب کیا چیز ہے اور کون یہ خواب دکھاتا ہے؟ ایک عام آدمی سچا خواب دیکھ سکتا ہے تو کسی پیغمبر پر وحی کا آنا اور خدا کی طرف سے زندگی گزارنے کے آداب اور ہدایات فراہم ہونا سمجھ سے بالاتر نہیں رہنا چاہیے۔

علمِ دین کی اقسام

علمِ دین کی دو قسمیں ہیں۔ علمِ ظاہر اور علمِ باطن۔

علمِ ظاہر : علمِ ظاہر سے مراد شریعت کا علم ہے۔ شریعت کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔

علمِ باطن : حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **حَفِظْتُ مِن رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ وِعَاءَینِ فَاَمَّا الْاَوَّلُ فَبَثَثْتُہٗ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَو بَثَثْتُہٗ قُطِعَ ھٰذَا الْبَلعُومُ** یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو علم سیکھے ہیں، ایک علم وہ ہے جو میں بیان کرتا ہوں اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں بیان کروں تو میری گردن کاٹ دی جائے (بخاری:۱۲۰)۔

تمام انبیاء و رسل علمِ ظاہر و باطن دونوں کے جامع تھے۔ انہی کے توسط سے اولیاءِ کاملین کو بھی یہ دونوں علوم عطا ہوئے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ: **اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ ، لِکُلِّ آیَةٍ مِّنْھَا ظَھْرٌ وَ بَطْنٌ وَ لِکُلِّ حَدٍّ مُّطَّلِعٌ رَوَاہُ فِی شَرحِ السُّنَّةِ** قرآن سات لہجوں پر نازل ہوا ہے۔ ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر حد کیلئے ایک مطلع ہے (المعجم الاوسط حدیث :۷۷۳، مشکوٰۃ حدیث:۲۳۸)۔ اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: **وَفَوْقَ کُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلِیمٌ** یعنی ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے (یوسف:۷۶)۔ محبوب کریم ﷺ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ علم رکھنے کے باوجود فرماتے تھے: **رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً** اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔

اوراد اور وظائف کی ایک حد ہے، انہیں اہلِ حق اور گمراہ سب پڑھ سکتے ہیں۔ لطائف کی بھی ایک حد ہے، یہ تنکوں کی آگ کی طرح ہے جو فوراً بھڑک جاتی ہے اور فوراً بجھ جاتی

ہے۔لا الہ الا اللہ کو سمجھنا ایک حد ہے، محمد رسول اللہ کو سمجھنا ایک حد ہے۔ لِکُلِّ حَدٍّ مُطَّلِعٌ ہر حد کی اطلاع پانے والے لوگ جدا جدا ہیں۔

ایک ذکر وہ ہے جو زبان سے ہوتا ہے، ایک ذکر وہ ہے جو دل سے ہوتا ہے، ایک ذکر وہ ہے جو پورے بدن اور اعضاء سے ہوتا ہے، فقیر پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ محبوب کے مشاہدے میں مستغرق ہوتا ہے اور اس وقت زبانی ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ مشائخ علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ لَا ذِکْرَ بَعْدَ الْمُشَاهَدَةِ یعنی مشاہدے کے بعد ذکر نہیں ہے۔

عام آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر زبانی ادا کرتا ہے لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے پوچھا مَا حَقُّ الشُّکْرِ ؟ تیرے شکر کا حق کیسے ادا ہوسکتا ہے؟ اللہ کریم نے فرمایا: اِذَا رَأَیْتَ النِّعْمَةَ مِنِّی فَذٰلِکَ حَقُّ الشُّکْرِ یعنی جب تم نعمت کو میری طرف سے دیکھو تو یہ شکر کا حق ہے (رسائل ابن عربی، الوصیہ صفحہ ۴۰۸)۔

حیرت والا فقیر بھی خاموش ہوجاتا ہے، مشاہدے والا بھی خاموش ہوجاتا ہے اور مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ کَلَّ لِسَانُهٗ یعنی جو شخص اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اسکی زبان گنگ ہوجاتی ہے۔

ہم نے بعض محافل میں جا کر دیکھا ہے کہ سٹیج سیکرٹری یا مقرر تمام حاضرین سے اونچی آواز میں سبحان اللہ کہلواتا ہے، بعض دفعہ ایک یا دونوں ہاتھ کھڑے کرواتا ہے، بعض نعت خوان بھی ہاتھ کھڑے کراتے ہیں، بعض ہاتھ لہرانے کا کہتے ہیں، بعض کھڑے ہوجانے کا کہتے ہیں، ان میں سے بعض اسٹیج پر بیٹھے ہوئے عمر رسیدہ علماء ومشائخ کو بھی یہی کچھ کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور زبانی بول بول کر کہتے ہیں کہ اسٹیج سے آواز نہیں آرہی۔ ان احمقوں کو کچھ معلوم نہیں کہ کون سے شخص کی کونسی حد ہے۔ کوئی دل جلا ان کی ایسی باتوں کا کیا جواب دے گا۔ یہاں تو جو چیز پہلے دن منزل ہوتی ہے دوسرے دن وہی چیز حجاب ہوتی ہے۔

علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں اس قدر گہرے سمندر ہیں کہ ہر غوطہ زن اپنی پہنچ اور نصیب کے مطابق ان میں سے موتی ڈھونڈ کر لاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ کَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ، خِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا یعنی لوگ سونے اور چاندی کی کان کی طرح الگ الگ استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں، ان میں سے جو

جاہلیت میں بہترین تھے جب اسلام لانے کے بعد دین کی فقہ حاصل کی تو ایسے لوگ اسلام میں بھی سب سے آگے نکل گئے (مسلم حدیث:۶۷۰۹)۔ یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ بعض صلاحیت والے چور ڈاکو اور بدمعاش لوگ جب توبہ کر کے راہِ طریقت پر چل پڑتے ہیں تو بہت عروج پر پہنچتے ہیں۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَاکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَ عِلْمٌ عَلَی اللِّسَانِ فَذَاکَ حُجَّةُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَی ابْنِ آدَمَ** یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم وہ ہے جو دل میں ہوتا ہے، یہ علم نافع ہے۔ اور ایک علم وہ ہے جو زبان پر ہوتا ہے، یہ اللہ عزوجل کی بنی آدم پر حجت ہے (سنن الدارمی حدیث:۳۶۸)۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جس نے فقہ حاصل کی اور تصوف نہیں سیکھا وہ منافق ہے، جس نے تصوف سیکھا مگر فقہ حاصل نہیں کی وہ زندیق ہے اور جس نے ان دونوں چیزوں کو جمع کر لیا وہ محقق ہے۔

سیدنا قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اول جن کے پاس نہ زبان ہے نہ دل، غافل محض۔ ایسوں کو دعوت دو۔ دوم جن کے پاس زبان ہے دل نہیں، بے عمل علماء۔ ایسے منافقوں سے اللہ کی پناہ۔ سوم جن کے پاس دل ہے زبان نہیں، عزلت نشین، خاموش، اپنے عیوب پر نظر رکھنے والے۔ ایسوں کی ہم نشینی فائدہ دیتی ہے۔ چہارم جنہیں عالم ملکوت میں عزت اور بزرگی حاصل ہے، خدائی اسرار و علوم کے امین، اصلاح خلق پر مامور، انبیاء علیہم السلام کے جانشین، انسانیت کے جوہر خاص اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے مرتبے پر فائز۔ ان کی مخالفت مت کرو (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳۳ کا حاصل)۔

ایک دن آپ کے اجتماع میں کسی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی، آپ نے اس کی ایک تفسیر بیان کی، پھر دوسری، پھر تیسری، حتیٰ کہ حاضرین کے علم کے مطابق اس کی گیارہ تفسیریں بیان کیں، پھر دوسری تفاسیر کو شروع فرمایا حتیٰ کہ چالیس تفسیریں بیان فرمائیں اور ہر تفسیر کی سند متصل اور دلیل بیان کی اور ہر دلیل کی ایسی تفصیل بیان فرمائی کہ اہل اجتماع حیرت و تعجب میں غرق ہو گئے، اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ کر حال میں آتے ہیں، پھر آپ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، اس کلمۂ توحید کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاضرین کے دل میں شورش

واضطراب موجزن ہوا اور کپڑے پھاڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے (اخبار الاخیار صفحہ ۱۱)۔

حدیث پاک میں ہے کہ: اَلْبَاطِنُ سِرٌّ مِنْ اَسْرَارِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَ حُکْمٌ مِنْ حُکْمِ اللّٰہِ یَقْذِفُہٗ فِی قُلُوبِ مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ یعنی باطن اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۶۹)۔ موضوع عند المحدثین

حکمت کیا ہے؟

حکمت سے مراد مصلحت ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ یعنی حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ فرشتوں نے سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حکمت کو نہ سمجھا تو یہی کہا کہ: قَالُوا سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ یعنی تو پاک ہے، ہمارے پاس کچھ علم نہیں سوائے اسکے جو تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو علم والا حکمت والا ہے (البقرۃ:۳۲)۔ اسی لیے اللہ کریم جل مجدہ کا ایک نام حکیم بھی ہے۔

انسان جب اپنی خداداد صلاحیت اور استعداد سے کام لیکر کسی حتمی اور فیصلہ کن بات تک پہنچتا ہے تو اسے بھی حکمت کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے حَکَمْتُ السَّفِیْنَۃَ میں نے کشتی کو صحیح سمت پر چلایا۔ کشتی لحہ بہ لحہ پھسلتی اور مضطرب رہتی ہے مگر اسے صحیح رخ پر لیکر جانا حکمت ہے۔ اس اعتبار سے امت کی صحیح سمت میں راہنمائی کرنے والے عالم یا صوفی کو حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی سیاسی طور پر اصلاح کرے تو اسے حکیم نہیں کہا جاتا بلکہ حاکم کہا جاتا ہے۔ حاکم کا فیصلہ حکم ہوتا ہے اور حکیم کا فیصلہ حکمت ہوتا ہے۔ حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے اور حکمت کا تعلق باطن سے ہوتا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا یعنی جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی (البقرۃ:۲۶۹)۔ حدیث شریف میں ہے کہ: جب تم دیکھو کہ ایک شخص دنیا سے بے رغبت ہے اور خاموش خاموش رہتا ہے تو اسکے قریب ہو جاؤ، اسے حکمت عطاء کی گئی ہے (ابن ماجہ حدیث:۴۱۰۱، شعب الایمان حدیث:۴۹۸۵)۔

بعض علماء نے حکمت سے مراد فقہ لی ہے (بغوی جلد ۱ صفحہ ۱۰۸)۔ حضرت مجاہد تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن کا فہم ہے قَالَ مُجَاھِدٌ: فَھْمُ الْقُرْآنِ

(بغوی جلد ا صفحہ ۱۰۷)۔

بعض علماء نے حکمت سے مراد سنت لی ہے۔ حدیث محض قول کو کہتے ہیں جبکہ سنت ایک حتمی اور قابلِ عمل چیز کا نام ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ حکمت سے مراد کسی بات کے پسِ منظر میں چھپی ہوئی مصلحت ہو یا اس سے مراد فقہ ہو یا اس سے مراد سنت ہو، تینوں باتوں میں ایک ہی روح موجود ہے۔

بیضاوی میں سورۃ بقرۃ آیت ۱۲۹ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: اَلْحِكْمَةُ مَا تُكْمَلُ بِهٖ نُفُوْسُهُمْ مِنَ الْمَعَارِفِ وَالْاَحْكَامِ یعنی حکمت وہ چیز ہے جس سے لوگوں کے نفوس، معارف اور احکام سے لبریز ہو جائیں (بیضاوی جلد ا صفحہ ۸۷)۔ دوسری جگہ پر سورۃ آلِ عمران آیت ۱۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اَیْ اَلْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ یعنی حکمت سے مراد سنت ہے (بیضاوی جلد ا صفحہ ۱۸۸)۔ تیسری جگہ پر سورۃ جمعہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ: اَیْ اَلْقُرْآنُ وَالشَّرِيْعَةُ اَوْ مَعَالِمُ الدِّيْنِ مِنَ الْمَنْقُوْلِ وَالْمَعْقُوْلِ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ سِوَاهُ مُعْجِزَةٌ لَكَفَاهُ یعنی حکمت سے مراد شریعت اور دین کے منقول اور معقول اسرار و رموز ہیں کہ اگر معجزات نہ بھی دکھائے جاتے تو یہ کافی ہوتے (بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۴۹۲)۔

معرفت کیا ہے؟

علمِ باطن کی باریکیوں کو سمجھ لینا معرفت ہے۔ اَلْمَعْرِفَةُ وَالْعِرْفَانُ اِدْرَاكُ الشَّيْءِ بِتَفَكُّرٍ وَ تَدَبُّرٍ لِاَ ثَرِهٖ وَهُوَ اَخَصُّ مِنَ الْعِلْمِ وَيُضَادُّهُ الْاِنْكَارُ یعنی کسی چیز کے نتیجے پر پہنچنے کیلئے اس میں غور و خوض کر کے اسکا ادراک حاصل کرنا معرفت اور عرفان ہے اور یہ علم سے اخص ہے (یعنی ہر معرفت علم ہے اور ہر علم معرفت نہیں ہے) اور اسکی ضد انکار ہے (مفردات صفحہ ۳۴۳)۔

امام ابو القاسم قشیری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کی زبان میں معرفت علم کو کہتے ہیں لہٰذا ہر علم معرفت ہے اور ہر معرفت علم، اور ہر شخص جو عالم باللہ ہے وہ عارف باللہ بھی ہے۔ ہر عارف عالم بھی ہے، مگر صوفیاء کے نزدیک معرفت ایک ایسے شخص کی صفت ہے جو حق تعالیٰ کو اسکے اسماء اور صفات کے ساتھ پہچانے۔ اسکے بعد اللہ کے ساتھ تمام معاملات میں سچا اور اخلاص والا

ہو۔ پھر اپنے ردی اخلاق اور آفاتِ نفس سے پاک ہو۔ اسکے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر ایک طویل عرصہ کے لیے ٹھہرا رہے۔ اور وہ اپنے دل سے (اسی دروازے) پر معتکف رہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اسے یہ خوش بختی حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف اپنی توجہ دے گا۔ اور وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے خلوص وصدقِ دل سے عمل پیرا ہوگا۔ اور اس سے خواطرِ نفس (نفسانی خیالات) پیش آنے بند ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنے دل کے کسی ایسے خاطر (خیال) کی طرف توجہ نہ دے گا جو غیر اللہ کی طرف دعوت دے۔ چنانچہ جب بندہ مخلوق سے اجنبی ہو جائے اور آفاتِ نفس سے بری اور ساکنات اور ملاحظات سے پاک ہو جائے اور راز میں وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں رہتا ہو اور ہر لحظہ اللہ کی طرف اس کا رجوع کرنا ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ باتیں کرے، اس طرح کہ ان تمام تقدیروں کے ردوبدل کا راز جو اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، وہ اسے بتا دے، تب جا کر بندہ عارف کہلاتا ہے اور اسکی حالت معرفت کہلاتی ہے۔ مختصر یہ کہ جس قدر انسان اپنے نفس سے بیگانہ بنے گا۔ اسی قدر اسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگی **اَلْمَعْرِفَةُ عَلىٰ لِسَانِ الْعُلَمَاءِ هُوَ الْعِلْمُ** الخ (رسالہ قشیریہ صفحہ ۳۴۲)۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب مجھ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں، اس لیے کہ میں اس کا اثر اپنے گدھے اور خادم میں محسوس کرتا ہوں (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۶)۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ شخص جو کسی چیز کا معنی اور اس کی حقیقت کا عالم ہو اس کا نام عارف رکھا گیا اور وہ شخص جو صرف عبارت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے ناآشنا ہو اس کا نام عالم رکھا گیا ہے (کشف المحجوب صفحہ ۴۳۲)۔

حضرت جنید بغدادی رحمت اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا عارفین اللہ کے سامنے اپنی کیا حاجت پیش کرتے ہیں؟ فرمایا، اللہ کے پاس ان کی صرف یہ حاجت ہوتی ہے کہ اللہ ان کی نگہبانی کرے اور ان کا خیال رکھے۔ حضرت محمد بن فضل رحمت اللہ علیہ نے فرمایا عارفین کو صرف استقامت کی احتیاج ہوتی ہے (کتاب اللمع صفحہ ۴۷)۔

فقہ کیا ہے؟

علمِ ظاہر کی باریکیوں کو سمجھ لینا فقہ ہے۔ فقہ کی تعریف یہ ہے کہ **هُوَ التَّوَصُّلُ اِلٰی عِلْمٍ غَائِبٍ بِعِلْمٍ شَاهِدٍ وَهُوَ اَخَصُّ مِنَ الْعِلْمِ** یعنی یہ دستیاب علم کے ذریعے غائب علم تک پہنچنے کا نام ہے اور یہ علم کی ایک مخصوص شاخ ہے (مفردات راغب صفحہ ۳۹۸)۔

لیکن امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: **هُوَ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَ مَا عَلَيْهَا** یعنی فقہ نفس کی معرفت کا نام ہے کہ اس کے کیا حقوق ہیں اور کیا فرائض۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی جو تعریف بیان فرمائی ہے اس کی روشنی میں فقہ اور تصوف میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کی روحانی فراست کے مالک تھے۔ محقق اسی کو کہا جاتا ہے جو تصوف اور فقہ کو باہم جمع کر کے دکھادے۔ **وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ**۔

ایک مرتبہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہر پر وضو فرما رہے تھے۔ اوپر کی طرف ایک آدمی وضو کر رہا تھا۔ اس کے وضو کا پانی جب آپ کے سامنے سے گزرا تو آپ نے فرمایا: اے شخص تجھے شرم نہیں آتی، تم فلاں قسم کا گناہ کرتے ہو؟ اس نے پوچھا آپ کو میرے گناہ کا کیسے علم ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ وضو کے پانی میں بہہ جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمہارے وضو کا پانی تمہارے اس گناہ کو بہا کر میرے سامنے سے گزر رہا تھا۔ (حدیث شریف میں ہے: **اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ** یعنی مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)۔ اسکے بعد امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ یہ کرامت مجھ سے واپس لے لے۔ میں لوگوں کے گناہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ: اندر اصولِ ایں طریقت شانِ عظیم داشت یعنی امامِ اعظم اس طریقت کے اصولوں میں عظیم شان کے مالک تھے (کشف المحجوب صفحہ ۹۸)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہ العزیز نے خواب میں محبوب کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: **عِنْدَ عِلْمِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ** یعنی ابوحنیفہ کے علم کے پاس (کشف المحجوب صفحہ ۱۰۱)۔

شیخ اکبر قدس سرہ العزیز لِیَتَفَقَّهُوا فِی الدِّیْنِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اگر سب لوگوں کے لیے علم حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم استعداد رکھنے والے افراد پر واجب ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ ظاہری علم دنیاوی ضروریات اور مصلحتوں کے پیش نظر ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا اور باطنی علم حاصل کرنے کی استعداد ہر شخص میں نہیں ہوتی۔ دین کی فقہ کا تعلق قلبی علوم سے ہے نہ کہ کسبی علوم سے۔ علم حاصل کرنے والا ہر شخص فقیہ نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ یعنی ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں وہ فقہ نہیں رکھتے (الانعام: ۲۵)۔ لہٰذا جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہوا سے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑا ہو اور تزکیہ وصفائی کی راہ پر چل پڑے حتیٰ کہ علم اس کے قلب سے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر پر وحی نازل فرمائی کہ: ''اے بنی اسرائیل یہ مت کہو کہ علم آسمان میں ہے اسے وہاں سے کون اتارے گا، یا علم زمین کی تہہ میں ہے اسے کون اوپر لائے گا، یا علم سمندر کے پار ہے اسے کون منگوائے گا، بلکہ علم تمہارے دلوں میں ڈالی جانے والی چیز ہے، میرے سامنے بیٹھ کر روحانیت کے آداب سیکھو، اور صدیقین کے اخلاق اپناؤ، میں تمہارے دلوں میں علم ظاہر کر دوں گا حتیٰ کہ وہ تمہیں ڈھانپ لے گا اور تم پر چھا جائے گا''۔

لہٰذا تفقہ سے مراد وہ علم ہے جو قلب میں رچ بس جائے، اس کی رگوں کے ذریعے نفس میں اتر جائے، اس کا اثر انسانی اعضاء اور جوارح پر ایسا ظاہر ہو کہ انسان اپنے اس علم کے خلاف کسی چیز کا ارتکاب نہ کر سکے، ورنہ وہ عالم نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو فقیہ نہیں کہا جس پر اللہ کا خوف نہیں بلکہ انسانوں کا خوف غالب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ یعنی ان کے دلوں میں اللہ کی بجائے غیر کا خوف غالب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقہ نہیں رکھتے (الحشر: ۱۳)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اسی لیے ارشاد فرمایا ہے کہ عالم کے لیے اللہ کا خوف لازم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ یعنی اللہ کے بندوں میں سے صرف وہی لوگ اس سے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں (فاطر: ۲۸)۔ (تفسیر ابن عربی جلد ۱ صفحہ ۲۹۷)۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ علمِ ظاہر کی باریکیاں اور علمِ باطن کی باریکیاں آپس میں ایک ہو چکی ہیں، اس لیے کہا جاتا ہے کہ طریقت، شریعت سے جدا نہیں۔ لیکن یہ بات مبتدی طالبوں کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ یہیں پہنچ کر رَبِّ زِدْنِی عِلْماً پڑھا جائے تو مزہ ہے۔ یہاں پہنچنے والا شخص صاحبِ تمکین ہوتا ہے ورنہ اس سے پہلے پہلے متلون ہی رہتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام صاحبِ تمکین ہوتے ہیں۔

کونسا علم فرض ہے؟

اپنی ضرورت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔ مثلاً نماز، روزہ کا علم اور مسائل اور اپنے نفس کی واضح حد تک ریا کاری، تکبر اور حسد جیسی روحانی بیماریوں کی اصلاح کو جاننا اور اپنے اندر اخلاص پیدا کرنا۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: **طَلَبُ الْعِلمِ فَرِيضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ** یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (ابن ماجہ حدیث: ۲۲۴، مسندِ امام اعظم صفحہ ۲۰)۔

نیز فرمایا کہ: **ذَنْبُ الْعَالِمِ وَاحِدٌ وَ ذَنْبُ الْجَاهِلِ ذَنْبَانِ** یعنی عالم اگر گناہ کرے تو یہ ایک ہی گناہ ہے لیکن اگر جاہل گناہ کرے تو یہ دو گناہ ہیں، ایک خود گناہ اور دوسرا علم حاصل نہ کرنے کا گناہ (کنز العمال حدیث: ۲۸۹۰۷)۔

حضرت امام زہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **اَلْعِلْمُ ذَكَرٌ وَلَا يُحِبُّهُ اِلَّا ذُكْرَانُ الرِّجَالِ** یعنی علم مذکر ہے اور اسے مرد ہی پسند کرتے ہیں (احیاء العلوم صفحہ ۱۷)۔

اسلام کے اہم احکام اور اچھے برے کی تمیز ہر دور میں سینہ بہ سینہ آگے منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہی دین کا تواتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَائِزِ** یعنی بوڑھی عورتوں کے دین پر کاربند رہو (الیواقیت والجواہر صفحہ ۸۰)۔ موضوع عند المحدثین

حضرت علامہ ابو المعالی الجوینی علیہ الرحمۃ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا کہ: میں عقائد اور نظریات کی لمبی بحث سے تنگ آ کر اپنی ماں کے عقیدے پر مرنے لگا ہوں، یا شاید فرمایا کہ نیشاپور کی بوڑھی عورتوں کے عقیدے پر مرنے لگا ہوں ھا انا ذا اموت علی عقیدۃ امی ،

او قال علی عقیدة عجائز اهل نیسا بور (مقدمہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۷)۔

کونسا علم حجاب بن سکتا ہے؟

یہی علوم جو یا تو جہالت ہیں یا لایعنی ہیں، یا وہ فنون ہیں، یا پھر ان پر عمل نہیں، یہ سب محض حجاب ہیں۔ منطق کی تنگ بندیاں بھی حجاب کے سواء کچھ نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صغریٰ اور کبریٰ کو ملا کر جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ بالکل خلافِ واقعہ ہوتا ہے اور امت میں انتشار کا سبب بنتا ہے۔ علم مناظرہ اگرچہ فرض کفایہ ہے مگر یہ بھی بعض اوقات چڑ اور عناد کا سبب بنتا ہے اور اللہ و بندے کے درمیان حجاب بنا رہتا ہے۔ بعض لوگ اپنے علم کی بناء پر اپنے شیخ کی کسی بات پر اعتراض کر دیتے ہیں اور ان کیلئے ان کا علم حجاب بن جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے جاہل کا عالم پر اعتراض کرنا۔

عالم کی تعریف

صحیح عالم وہ ہے جو عارف ہو۔ جتنا کوئی اللہ کو پہچانتا چلا جاتا ہے اتنا ہی اللہ سے ڈرنے لگتا ہے۔ اسی لیے محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمَکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا یعنی میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (بخاری حدیث نمبر ۲۰)۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے اوپر ترجمۃ الباب میں لکھا ہے کہ **المعرفة فعل القلب** یعنی معرفت دل کا فعل ہے۔

اللہ کریم کا ارشاد ہے: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ یعنی اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علماء ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَنْ خَشِیَ اللّٰہَ فَھُوَ عَالِمٌ یعنی جو اللہ سے ڈر گیا وہ عالم ہے (دارمی حدیث: ۳۳۸)۔ اللہ کریم فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہٖ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا یعنی بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں (اسراء: ۱۰۷)۔ حضرت مجاہد تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا الْفَقِیْہُ مَن یَّخَافُ اللّٰہَ یعنی فقیہ وہ ہے جو اللہ سے خائف رہتا ہو (دارمی حدیث: ۳۰۱)۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لَا یَکُوْنُ الرَّجُلُ عَالِماً حَتّٰی لَا یَحْسُدَ مَنْ فَوْقَہٗ وَلَا یَحْقِرَ مَنْ دَوْنَہٗ وَلَا یَبْتَغِی بِعِلْمِہٖ ثَمَناً یعنی کوئی

شخص اس وقت تک عالم نہیں بن سکتا جب تک اپنے سے اوپر والے سے حسد نہ چھوڑ دے اور اپنے سے نیچے والے سے حقارت نہ چھوڑ دے اور اپنے علم کے ذریعے دولت کمانا نہ چھوڑ دے (دارمی حدیث:۲۹۷)۔ ایسے ہی علماء کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **وُزِنَ حِبْرُ الْعُلَمَاءِ بِدَمِ الشُّهَدَاءِ فَرَجَحَ عَلَيْهِ** یعنی علماء کی دوات کی سیاہی کو شہیدوں کے خون کے ساتھ تولا گیا تو علماء کی سیاہی غالب آ گئی (کنز العمال حدیث:۲۸۷۱۰، ۲۸۸۹۵)۔ نیز فرمایا: **مُجَالَسَةُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ** یعنی علماء کے پاس بیٹھنا عبادت ہے (کنز العمال حدیث:۲۸۷۵۲)۔

عالم اور جاہل خطیب میں فرق

حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى اِذْ لَمْ يَبْقَ عَالِمًا، اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَاَفْتَوا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَاَضَلُّوا** یعنی بے شک اللہ علم کو اچک کر قبض نہیں کرے گا کہ بندوں میں سے اسے کھینچ لے بلکہ علماء کو قبض کرنے سے علم کو قبض کرے گا۔ حتیٰ کہ ایک عالم بھی باقی نہ رہے گا۔ لوگ جاہلوں کو اپنا سربراہ بنالیں گے۔ پھر ان سے سوال پوچھے جائیں گے۔ وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے (مسلم حدیث:۶۷۹۶، بخاری حدیث:۱۰۰، ترمذی حدیث:۲۶۵۲، ابن ماجۃ حدیث:۵۲)۔

نیز فرمایا: **لَيَاتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ كَثِيرٌ اُمَرَائُهُ قَلِيلٌ فُقَهَائُهُ كَذَّابٌ خُطَبَائُهُ مُرَاءُونَ قُرَّائُهُ يَتَفَقَّهُونَ فِي غَيْرِ الدِّيْنِ يَاْكُلُونَ الدُّنْيَا كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، اَلَا وَاِنَّ النَّارَ مَثْوىً لَهُمْ وَبِئْسَ لِلظَّالِمِيْنَ مَنْزِلًا** یعنی لوگوں پر ایک وقت ضرور آئے گا جب لیڈر کثرت سے ہوں گے مگر فقہاء قلیل ہوں گے، خطیب حضرات جھوٹے ہوں گے، قاری حضرات ریاء کار ہوں گے، لوگ دین کے علاوہ دوسرے علوم میں مہارت حاصل کریں گے، دنیا کا مال اس طرح کھائیں گے جس طرح آگ ایندھن کو کھاتی ہے، خبردار! ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کی منزل بُری ہے (کنز العمال حدیث:۲۹۰۷۸)۔

ایک حدیث میں ہے کہ: **سَيَاْتِيْ عَلٰى اُمَّتِيْ زَمَانٌ يَكْثُرُ الْقُرَّاءُ، وَيَقِلُّ**

الْفُقَهَاءُ ، وَ يُقْبَضُ الْعِلْمَ وَ يَكْثُرُ الْهَرَجُ یعنی میری امت پر جلد ہی ایسا وقت آئے گا کہ اس زمانے میں قاری کثرت سے ہوں گے، دین کو سمجھنے والے کم ہوں گے، علم قبض کر لیا جائے گا اور فسادات پھیل جائیں گے (المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۰۴۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۲۷۷)۔

نیز فرمایا: اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کُلُّ مُنَافِقٍ عَلِیْمِ اللِّسَانِ یعنی مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ خوف ہر ایسے منافق کا ہے جو زبان چلانے میں ماہر ہوگا (مسند احمد حدیث: ۱۴۴)۔ اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ اُمَّتِیْ قُرَّاءُ ھَا یعنی میری امت کے اکثر منافق اس امت کے قاری ہوں گے (کنز العمال حدیث: ۲۸۹۶۸)۔

نیز فرمایا: مَا مِنْ عَبْدٍ يَّخْطُبُ خُطْبَةً اِلَّا اللّٰهُ سَائِلُهٗ عَنْهَا مَا اَرَادَ بِهَا یعنی ہر خطیب جب بھی تقریر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ضرور پوچھے گا کہ اس سے تمہاری نیت کیا تھی؟ (کنز العمال حدیث: ۲۹۰۰۸)۔ مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی علم اللہ کی رضا کیلئے حاصل کی جانے والی چیز ہے، مگر جس نے دنیا کمانے کیلئے علم سیکھا وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا (مسند احمد حدیث: ۸۴۷۸، ابوداؤد حدیث: ۳۶۶۴، ابن ماجہ حدیث: ۲۵۲)۔

ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کسی مسجد میں داخل ہوئے۔ آگے ایک آدمی تقریر کر رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آدمی وعظ فرما رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وعظ نہیں کر رہا بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں مجھے پہچان لو۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بلوایا اور فرمایا کیا تم ناسخ و منسوخ کا علم جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا فَاخْرُجْ مِنْ مَسْجِدِنَا وَلَا تُذَكِّرْ فِيْهِ ہماری مسجد سے نکل جا اور یہاں وعظ مت کر (کنز العمال حدیث: ۲۹۴۳۵)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب بصرہ میں وارد ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے واعظین کو وعظ گوئی سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ ان کے منبر توڑ کر پھینک دو۔ لیکن صرف حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ کا امتحان لینے کے بعد انہیں وعظ کرنے کی اجازت دی (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۷)۔

علماء فرماتے ہیں کہ: لا يجوز للرجل من العوام ان يأمر بالمعروف للقاضي

والمفتی والعالم الذی اشتھر لانہ اساءۃ فی الادب یعنی عوام میں سے کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی معروف قاضی، مفتی اور عالم کو تبلیغ کرے، یہ بے ادبی ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد۵صفحہ۳۵۳)۔یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مرید اپنے شیخ پر بھی اعتراض نہیں کرسکتا۔

عالم بن کر رہنے کے آداب

نبی کریمﷺ نے فرمایا:اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَالَمْ یُخَالِطُوا السُّلْطَانَ وَیُدَاخِلُوا الدُّنْیَاء فَاِذَا خَالَطُوا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوا الدُّنْیَا فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ فَاحْذُرُوھُم یعنی علماء رسلِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے امین ہوتے ہیں جب تک حکمرانوں سے میل جول نہ رکھیں اور دنیادار نہ ہوجائیں، لیکن جب علماء حکمرانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور دنیا میں داخل ہوجاتے ہیں تو وہ رسلِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے خیانت کرتے ہیں، ایسے علماء سے بچ کے رہو (کنز العمال حدیث:۲۸۹۴۸)۔اِذَا رَاَیْتُمُ العَالِمَ یُخَالِطُ السُّلْطَانَ مُخَالَطَۃً کَثِیْرَۃً فَاعْلَمُوا اَنَّہٗ لِصٌّ یعنی جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ حکمران کے ساتھ کثرت سے میل جول رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ چور ہے (کنز العمال حدیث:۲۸۹۶۹)۔اِنَّ اللہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی یُبْغِضُ عَالِمَ الدُّنْیَا وَ جَاھِلَ الآخِرَۃِ یعنی بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص سے بغض رکھتا ہے جو دنیا کا عالم ہو اور آخرت کا جاہل ہو (کنز العمال حدیث:۲۸۹۷۸)۔اِنَّ اَبْغَضَ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ الْعَالِمُ یَزُوْرُ الْعُمَّالَ یعنی اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ ناپسند وہ عالم ہے جو حکومتی کارندوں سے ملاقات کرنے جاتا ہو (کنز العمال حدیث:۲۸۹۸۱)۔ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی الْاَئِمَّۃُ الْمُضِلِّیْنَ یعنی میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ پیشواؤں سے خائف ہوں (ترمذی حدیث:۲۲۲۹، ابوداؤد حدیث:۴۲۵۲)۔اِنَّ اَبْغَضَ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ تَعَالیٰ عَالِمُ السُّلْطَانِ یعنی بے شک اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند سرکاری عالم ہے (کنز العمال حدیث:۲۹۰۸۹)۔

سیدنا عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ یَھْدِمُ الْاِسْلَامَ زَلَّۃُ عَالِمٍ وَجِدَالُ مُنَافِقٍ بِالْقُرآنِ وَاَئِمَّۃٌ مُضِلُّوْنَ یعنی اسلام کو گرادیتا ہے عالم کا پھسل جانا، منافق کا قرآن کے ذریعے جھگڑا کرنا اور گمراہ حکمران (دارمی حدیث:۲۵۳)۔

سلیمان بن عبد الملک نے ابو حازم علیہ الرحمۃ کے ساتھ طویل گفتگو کی۔ سلیمان نے پوچھا سب سے سمجھدار مومن کون سا ہے؟ ابو حازم نے کہا وہ آدمی جو اللہ کی اطاعت کرے اور لوگوں کو بھی اس پر لگائے۔ سلیمان نے پوچھا کون سا مومن احمق ہے؟ ابو حازم نے کہا جو دوستوں کی نفسانی خواہشات پوری کرتا رہے اور دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت تباہ کرلے۔ سلیمان نے کہا آپ ہماری صحبت میں رہیں تا کہ ہم تبادلہ خیال کرتے رہیں۔ ابو حازم نے فرمایا اعوذ باللہ۔ میں ایک بادشاہ کی صحبت میں رہ کر اس کی طرف مائل ہو گیا تو نہ زندہ رہوں گا نہ مردہ۔ سلیمان نے کہا کوئی حاجت ہو تو مجھے بتاؤ؟ ابو حازم نے فرمایا مجھے جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل کر دو۔ سلیمان نے کہا یہ میرے بس میں نہیں۔ فرمایا میری کوئی اور حاجت نہیں (دارمی حدیث: ۶۵۱)۔

حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: یَنبَغِی لِلْعَالِمِ اَن یَّکُونَ قَلِیْلَ الضِّحْکِ کَثِیْرَ الْبُکَاءِ لَا یُمَازِحُ وَلَا یُصَاخِبُ وَلَا یُمَارِی وَلَا یُجَادِلُ اِنْ تَکَلَّمَ تَکَلَّمَ بِحَقٍّ وَاِنْ صَمَتَ صَمَتَ عَنِ الْبَاطِلِ وَاِنْ دَخَلَ دَخَلَ بِرِفْقٍ وَاِنْ خَرَجَ خَرَجَ بِحِلْمٍ یعنی عالم کی شان یہ ہے کہ کم ہنسے، زیادہ روئے، مذاق نہ کرے، چیخ کر نہ بولے، بے وقوف نہ بنائے، جھگڑا نہ کرے، جب بولے تو حق کے ساتھ بولے، جب خاموش رہے تو غلط بات سے خاموش رہے، جب داخل ہو تو رفق و محبت کے ساتھ اور جب نکلے تو حلم اور بردباری کے ساتھ (کنز العمال حدیث: ۲۹۲۷۵)۔

استاد کا ادب اور اس سے علم حاصل کرنے کا طریقہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اِنَّ مِنْ حَقِّ الْعَالِمِ اَنْ لَا تُکْثِرَ عَلَیْهِ السُّوَالَ وَلَا تُعْنِتَهُ فِی الْجَوَابِ، وَاَنْ لَا تُلِحَّ عَلَیْهِ اِذَا اَعْرَضَ، وَلَا تَأْخُذَ بِثَوبِهٖ اِذَا کَسَلَ، وَلَا تُشِیْرَ اِلَیْهِ بِیَدِکَ، وَاَنْ لَا تَغْمِزَهُ بِعَیْنَیْکَ، وَاَنْ لَّا تَسْئَلَ فِی مَجْلِسِهٖ، وَاَن لَّا تَطْلُبَ زَلَّتَهُ، وَاِنْ زَلَّ تَأَنَّیْتَ اَوْبَتَهُ وَقَبِلْتَ فَیْئَتَهُ، وَاَن لَّا تَقُولَ قَالَ فُلَانٌ خِلَافَ قَوْلِکَ وَاَنْ لَّا تُفْشِیَ لَهُ سِرًّا، وَاَن لَّا تَغْتَابَ عِنْدَهُ اَحَداً، وَاَنْ تَحْفَظَهُ شَاهِداً وَغَائِباً، وَاَنْ تَعُمَّ الْقَوْمَ بِالسَّلَامِ وَاَنْ تَخُصَّهُ بِالتَّحِیَّةِ، وَاَنْ تَجْلِسَ بَیْنَ یَدَیْهِ وَاِنْ کَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ سَبَقْتَ الْقَوْمَ اِلٰی خِدْمَتِهٖ، وَاَنْ لَّا تَمَلَّ مِنْ طُولِ صُحْبَتِهٖ، اِنَّمَا هُوَ

كَـالـنَّـخْـلَةِ تُـنْـتَـظَـرُ مَتٰـى يَسْـقُـطُ عَـلَيْـکَ مِنْهَا مَنْفِعَةٌ ، وَأَنَّ الْعَالِمَ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الْـمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللهِ ، فَإِذَا مَاتَ الْعَالِمُ انْثَلَمَتْ فِي الْإِسْلَامِ ثَلْمَةٌ لَا تُسَدُّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَطَالِبُ الْعِلْمِ يُشَيِّعُهُ سَبْعُونَ أَلْفاً مِنْ مُقَرَّبِي السَّمَاءِ یعنی عالم کا ادب اس طرح کرو کہ اس پر زیادہ سوال نہ کرو اور اسے مت تھکاؤ، جب اس کی طبیعت مائل نہ ہو تو اس کے پاس مت بیٹھو، جب وہ تھک جائے تو اس کا کپڑا مت کھینچو، اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ مت کرو، اپنی آنکھوں سے اس کے ساتھ باتیں مت کرو، اس کے خطاب کے دوران اس پر سوال نہ کرو ،اس کی غلطیاں تلاش مت کرو، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو اس سے فوری درگزر کرو، اسے یہ مت کہو کہ فلاں آپ کے قول کے خلاف کہتا ہے، اس کا کوئی راز فاش نہ کرو، اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو، اس کے سامنے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کا تحفظ اور دفاع کرو، دوسرے لوگوں کو الگ سلام کہو اور اسے خصوصی سلام کہو، اس کے سامنے بیٹھو اور اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو سب لوگ اس کی خدمت کے لیے بھاگ پڑیں، اس کی صحبت میں زیادہ دیر بیٹھنے سے مت اکتاؤ اس لیے کہ وہ کھجور کے درخت کی طرح ہے خدا جانے کب اس سے پھل گرے، عالم روزہ دار مجاہد کی طرح ہے، جب عالم فوت ہو جاتا ہے تو اسلام میں ایک سوراخ ہو جاتا ہے جو قیامت تک بھر نہیں سکتا، ستر ہزار مقرب فرشتے طالب علم کے نام کو شہرت دیتے ہیں (کنز العمال حدیث: ۲۹۵۰۶)۔

عَـنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ سَلْمَانُ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا بَقِيَ الْأَوَّلُ حَتّٰـى يَتَـعَـلَّمَ الآخِرُ فَإِذَا هَلَکَ الْأَوَّلُ قَبْلَ أَنْ يَتَعَلَّمَ الآخِرُ هَلَکَ النَّاسُ یعنی حضرت عبداللہ بن ربیعہ ﷜ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان نے فرمایا: لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک پہلا عالم موجود ہے حتیٰ کہ وہ اپنے بعد کوئی دوسرا آدمی تیار کر جائے، جب پہلا شخص دوسرے کو تیار کیے بغیر مر گیا تو لوگ ہلاک ہونے لگیں گے (سنن الدارمی حدیث: ۲۵۵)۔

وَكَـانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَأْتِي بَابَ الْأَنْصَارِ لِطَلَبِ الْحَدِيْثِ فَيَقْعُدُ عَلَى الْبَابِ حَتّٰـى يَـخْـرُجَ وَلَا يَسْتَـأْذِنُ ، فَيَـخْـرُجُ الرَّجُلُ وَيَقُولُ :يَـا ابْـنَ عَـمِّ رَسُولِ اللهِ لَوْ أَخْبَـرْتَنِي ، فَيَقُولُ :هٰـكَـذَا أُمِـرْنَـا أَنْ نَـطْلُبَ الْعِلْمَ ، وَإِذَا وَقَفَ فَلَا يَنْظُرُ مِنْ شِقِّ الْبَــابِ إِذَا كَـانَ الْبَـابُ مَـرْدُودًا یعنی حضرت ابنِ عباس ﷠ انصار کے دروازوں پر حدیث

سیکھنے آتے تھے اور دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ آپ خود دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے جب تک صاحبِ خانہ خود گھر سے نہ نکلتا۔ جب صاحبِ خانہ باہر نکلتا تو کہتا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی، وہ فرماتے ہمیں اسی طرح علم سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جب آپ دروازے کے باہر کھڑے رہتے تو اگر دروازہ بند ہوتا تو دروازے کے سوراخ میں سے اندر نہیں دیکھتے تھے (بغوی جلد۳ صفحہ ۲۸۶)۔

اسی طرح کی ایک حدیث دارمی میں بھی موجود ہے۔ اس میں اضافی الفاظ یہ بھی موجود ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے دروازے پر چادر بچھا کر لیٹ جاتا تھا اور میرے منہ پر مٹی پڑتی رہتی تھی (دارمی حدیث: ۵۷۴)۔

عَنِ الشَّعْبِی: صَلّٰی زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ عَلٰی جَنَازَةٍ فَقُرِبَتْ اِلَیْهِ بَغْلَتُهٗ لِیَرْکَبَهَا فَجَاءَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاَخَذَ بِرَکَابِهٖ ، فَقَالَ زَیْدٌ : خَلِّ عَنْهُ یَابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : هٰکَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِالْعُلَمَاءِ وَ الْکُبَرَاءِ ، فَقَبَّلَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ یَدَهٗ وَ قَالَ: هٰکَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِاَهْلِ بَیْتِ نَبِیِّنَا ﷺ (طبرانی: ۴۷۴۶، مستدرک حاکم: ۵۸۸۱، ۵۸۸۵، احیاء العلوم صفحہ ۶۷)۔

ترجمہ: امام شعبی تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کسی کی نمازِ جنازہ پڑھی، اس کے بعد ان کا خچر ان کے قریب لایا گیا تا کہ اس پر سوار ہوں، اتنے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ان کی رکاب پکڑ لی، حضرت زید نے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے! رکاب چھوڑ دیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہمیں اسی طرح علماء اور بزرگوں کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت زید بن ثابت نے فرمایا: ہمیں اسی طرح اپنے نبی ﷺ کے اہل بیت کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سائنسی معلومات اور معاشی ترقی

انسانی جسم کی ساخت (Anotomy) سے متعلق تحقیقات، کائنات کے سائنسی اسرار و رموز سے آگاہی اور زمین کی جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کے بعد اگر اللہ کریم جل شانہ کی عظمت اور کاریگری کا اعتراف کیا جائے اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا زبان پر جاری ہو جائے تو ایسی معلومات صحیح علم کے زمرے میں آئیں گی، لیکن اگر یہی معلومات مادہ پرستی اور خدا

سے دوری کا سبب بن جائیں تو یہ عین جہالت، وقت کا ضیاع اور آخرت کا عذاب ہوں گی۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ صحیح معنی میں علم، دنیا میں کس کے پاس موجود ہے؟ یہیں سے آپ کو یہ اندازہ بھی ہو جانا چاہیے کہ جہاز، راکٹ، میزائل اور ایٹم بم بنا لینے کا نام ترقی نہیں اور نہ ہی کثرت سے دولت کما لینے کا نام ترقی ہے بلکہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کا نام ترقی ہے۔ اگر مہلک ہتھیار بنا لینا ہی ترقی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مخلوقات کو تباہ کرنے کا نام ترقی ہے۔ اگر یہ صحیح معنی میں ترقی ہوتی تو ہتھیار بنانے والے لوگ ایسے ہتھیاروں کے استعمال پر پابندی لگانے کا کبھی نہ سوچتے۔

کار کوٹھی، اے سی، فریج، ٹی وی اور بینک بیلنس سب کچھ موجود ہو مگر رات سونے کے لیے نیند کی گولیاں کھانا پڑیں اور انسان خدا سے غافل ہوتا چلا جائے تو ایسے بدبخت سے وہ شخص ہزار گنا بہتر ہے جو سارا دن محنت مشقت کے بعد رات کو اپنے معمولی سے گھر میں آ کر سکھ کی نیند سویا کرتا ہو اور کبھی کبھی اپنے رب کو بھی یاد کر لیا کرتا ہو۔

اور اگر سہولیات حاصل کرنے کا نام ترقی ہے تو یاد رکھیے کہ جب سے سہولیات زیادہ ہوئی ہیں، سستی اور کاہلی نے انسانوں کو دبوچ لیا ہے اور بیماریاں پھیلنے لگی ہیں۔

ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہمارے گھروں میں صرف صبح شام کھانا پکتا تھا۔ دوپہر کو اگر کسی کو بھوک ہوتی تو صبح کی بچی ہوئی روٹی میں سے ماں ایک ایک ٹکڑا سب بہن بھائیوں کو توڑ کر دے دیتی تھی۔ بچے اسے لسی سے کھا لیتے تھے۔ زیادہ تکلف کرتے تو پیاز کاٹ کر یا لال مرچ پانی میں گھول کر یا خربوزے وغیرہ کے ساتھ وہ روٹی کھائی جاتی تھی اور مجال ہے کہ کوئی شخص ایسی روٹی کو بھوک سے زیادہ کھا سکے۔ سالن صرف رات کو پکتا تھا۔ جس دن چاول یا ستو بنتے تھے اس دن روٹی نہیں پکائی جاتی تھی۔ اس غذا کو کھا کر دل لگا کر محنت اور مشقت بھی کی جاتی تھی۔ جبکہ لوگوں کی صحت آج کی نسبت بہت اچھی ہوا کرتی تھی اور کسی شخص کو غربت کا احساس نہیں تھا۔ آج بھی سندھ کے اندرونی علاقوں میں تقریباً یہی طریقہ جاری ہے۔ ہمارے مرشد خانہ درگاہ مشوری شریف میں آج بھی فقر کا یہی طریقہ رائج ہے۔

اس کے برعکس ماڈرن گھروں میں تینوں وقت کھانا پک رہا ہے، تقریباً تینوں ہی وقت

سالن استعمال ہو رہا ہے، اس کے علاوہ دن میں کئی کئی بار چائے سموسے بسکٹ وغیرہ اڑائے جا رہے ہیں۔ کھانا کھانے کا ٹائم مقرر کر دیا گیا ہے، یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ بھوک بھی لگی ہے کہ نہیں، پیٹ سے پوچھ کر نہیں بلکہ گھڑی کو دیکھ کر کھانا کھایا جاتا ہے۔ پھر لذیذ سالن بلکہ کئی کئی ڈِشوں (رنگ برنگے کھانوں) کے زور پر اپنی برداشت سے زیادہ کھانا کھا لیا جاتا ہے۔ دوسری طرف محنت اور مشقت کر کے اس انبار کو ہضم کرنے کی بجائے سہولیات کو ترقی کہا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں کئی موذی امراض آپ کے سامنے ہیں۔ جس گھر کے افراد کا چاہیں انٹرویو لے لیں، تقریباً ہر فرد بیمار ہے، چھوٹے چھوٹے بچے عجیب وغریب امراض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

میڈیا پر فحاشی اور بے حیائی سے خود غیر مسلم بھی تنگ آ چکے ہیں۔ اخبار کے مطابق چینی حکومت نے فحش فلموں پر پابندی لگا دی ہے اس لیے کہ ان سے نوجوان نسل تباہ ہونے لگی ہے۔

نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کے اندر اتر کر کوئی نہیں دیکھتا کہ ایسی ترقی کے باوجود ان کے ہاں کثرت سے خودکشی کا رواج کیسے پڑا، ایڈز جیسے امراض کیسے پھیلے، کالے اور گورے کی جاہلانہ تفریق آج تک ختم کیوں نہ ہو سکی، ابھی تک وہاں کے انسان ننگے کیوں رہتے ہیں، وہ لوگ کتیوں سے شادیاں کیوں کرتے ہیں اور ڈیول چرچ (Devil Church) نے کیسے جنم لیا ہے۔

میڈیا پر ترقی کی اس بیہودہ تعریف کو ایسا غلط رنگ دے کر پیش کیا جا رہا ہے اور اس طرح کے ڈرامے دکھائے جا رہے ہیں کہ انہیں دیکھ لینے والے بچے تو کجا بڑے لوگ بھی احساسِ کمتری کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہر شخص اپنے حقوق اور مطالبات کی ایک طویل فہرست اٹھائے پھرتا ہے۔ کسی ایک شخص کا بھی پیٹ بھوکا نہیں لیکن آنکھ اور نیت میں بھوک کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔

ہمارے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا: لَیْسَ الْغِنیٰ عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنیٰ غِنَی النَّفْسِ یعنی امیر آدمی وہ نہیں ہے جس کے پاس مال ومتاع زیادہ ہو بلکہ امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہے (بخاری حدیث: ۶۴۴۶، مسلم حدیث: ۲۴۲۰)۔

☆......☆......☆

دوسرا باب

تصوف کی تعریف اور تفصیل

تصوف کا موضوع توحید اور اللہ کریم جل شانہ کی معرفت ہے۔

تصوف باب تفعُّل سے مصدر ہے۔اس باب کی خاصیت کے پیش نظر اس کا لفظی معنی ہوا ''صاف ہونے کے لیے محنت اور مشقت کرنا''۔صاحبِ تصوف کو صوفی کہا جاتا ہے۔یہ لفظ یا توصوف سے بنا ہے، یا صفا سے، یا صفہ سے۔

چنانچہ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۵۵ پر ایک پورا باب موجود ہے جس کا نام ہے ''لُبْسُ الصُّوفِ '' اس باب میں متعدد احادیث ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَومٍ وَ عَلَيْهِ جُبَّةٌ رُوْمِيَّةٌ مِنْ صُوفٍ یعنی ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف لائے اور آپ نے صوف کا بنا ہوا رومی جبہ پہن رکھا تھا (ابن ماجہ حدیث: ۳۵۶۳)۔

اسی طرح صحیح بخاری میں بھی کتاب اللباس میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جسکا نام ہے لُبْسُ جُبَّةِ الصُّوفِ فِي الْغَزْوِ اس باب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محبوب کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور آپ نے صوف کا جبہ پہن رکھا تھا وَ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ (بخاری حدیث: ۵۷۹۹)۔اس مادہ کے اعتبار سے سادگی اور بے تکلفی کو اختیار کرنا صوفی کا خاصہ ہوگا۔

اگر یہ لفظ صفہ سے بنا ہو تو صفہ والے کو صفوی کہا گیا اور پھر یہ ثقالت کی وجہ سے صوفی بنا، جس طرح آج کل مدینہ شریف والے قبا کو قوبا کہہ رہے ہیں۔

اب اصحابِ صفہ علیہم الرضوان کے احوال اور گزر بسر پر ایک نظر کر کے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک صوفی کس طرح کی سیرت کا مالک ہوتا ہے۔اصحابِ صفہ وہ لوگ تھے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر روحانی تربیت کی خاطر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ان کی رہائش گاہ صفہ نامی چبوترہ تھا، جو کاشانۂ نبوی کے شمال میں تھا اور مسجد شریف کے ساتھ متصل تھا۔ان کا کھانا پینا لباس وغیرہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔

فقر کے عالم میں ان کا کھانا اور لباس وغیرہ نہایت مختصر اور سادہ تھا۔اور یہ لوگ ہمہ وقت مجاہدے میں مصروف رہتے تھے۔ان لوگوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔آج کل جس طرح صوفیائے کاملین کے آستانوں پر کچھ لوگ مستقل رہتے ہیں اور کچھ آتے جاتے رہتے ہیں۔تقریباً یہ اسی سنت کا انعکاس ہے۔قرآن مجید میں انہیں فقراء کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وہ فقراء جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں (البقرۃ: ۲۷۳)۔اس آیت کی تفسیر میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَهُمْ اَصْحَابُ الصُّفَّةِ اس آیت میں فقراء سے مراد اصحاب صفہ ہیں (معالم التنزیل جلد ا صفحہ ۲۹۶)۔قرطبی میں ہے کہ: وَهُمْ اَهْلُ الصُّفَّةِ وَ كَانُوا نَحواً مِنْ اَرْبَعِمائَةِ رَجُلٍ وَذٰلِکَ اَنَّهُمْ كَانُوا يَقْدَمُونَ فُقَرَاءُ عَلىٰ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَمَا لَهُمْ اَهلٌ وَلا مَالٌ فَبُنِيَتْ لَهُمْ صُفَّةٌ فِيْ مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقِيلَ لَهُمْ اَهْلُ الصُّفَّةِ یعنی یہ لوگ اہل صفہ تھے، جو چار سو کے قریب تھے،ان کے پاس نہ گھر تھا نہ مال تھا،ان کے لیے مسجدِ نبوی شریف میں چبوترہ تعمیر کیا گیا تھا،جس کی وجہ سے انہیں اہل صفہ کہا جاتا تھا (قرطبی جلد ۳ صفحہ ۳۲۲)۔

بیضاوی میں ہے: وَ قِيلَ هُمْ اَهلُ الصُّفَّةِ كَانُوا نَحواً مِنْ اَرْبَعِ مِائَةٍ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ يَسْكُنُونَ صُفَّةَ الْمَسْجِدِ يَسْتَغْرِقُونَ اَوْقَاتَهُمْ بِالتَّعَلُّمِ وَالْعِبَادَةِ ، وَ كَانُوا يَخْرُجُونَ فِيْ كُلِّ سَرِيَّةٍ بَعَثَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یعنی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اہل صفہ تھے جو چار سو کے قریب مہاجر فقراء تھے،مسجد کے چبوترے پر رہا کرتے تھے، ہر وقت علم حاصل کرنے اور عبادت کرنے میں غرق رہتے تھے،اور رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے ہر لشکر میں شامل ہو کر جہاد کرتے تھے (تفسیر بیضاوی جلد ا صفحہ ۱۴۱)۔

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ ، إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرىٰ عَوْرَتُهُ (بخاری حدیث: ۴۴۲)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر افراد کو دیکھا ہے،ان میں سے کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جس کے ساتھ مکمل لباس ہو، یا صرف تہبند ہوتا تھا

یا صرف اوڑھنی ہوتی تھی جسے انہوں نے اپنی گردن کے ساتھ گرہ دی ہوئی تھی، ان میں سے کچھ چادریں آدھی پنڈلی تک ہوتی تھیں اور ان میں سے کچھ چادریں ٹخنوں تک ہوتی تھیں۔ پھر وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر رکھتے تھے تاکہ کھل نہ جائیں اور بے پردگی نہ ہو۔

یہ لوگ کثرت سے ذکر کرتے تھے اور اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان لوگوں کو وقت دیا کریں اور انہیں اپنی نگاہِ رحمت میں رکھیں۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ .

ترجمہ: ۔ اے محبوب اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس روکیے جو اپنے رب کو صبح و شام یاد کرتے ہیں، اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اور ان سے اپنی نگاہیں مت ہٹایئے (الکہف: ۲۸)۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بغوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ قَالَ قَتَادَةُ نَزَلَتْ فِي اَصْحَابِ الصُّفَّةِ وَ كَانُوا سَبْعَمِائَةِ رَجُلٍ فُقَرَاءِ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، لَا يَرْجِعُونَ اِلٰى تِجَارَةٍ وَلَا اِلٰى زَرْعٍ وَلَا ضَرْعٍ يُصَلُّونَ صَلَاةً وَ يَنْتَظِرُونَ اُخْرٰى، فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اُصْبِرَ نَفْسِىْ مَعَهُمْ یعنی حضرت قتادہ تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اصحابِ صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو سات سو کے قریب افراد تھے، نہ ہی تجارت کی طرف لوٹتے تھے، نہ ہی زراعت کی طرف اور نہ ہی مویشیوں کی طرف، ایک نماز پڑھ لیتے تو دوسری کا انتظار کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کے پاس ٹھہرنے کا مجھے حکم ہوا (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۷)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے: و قال الطبرانی : حدثنا اسماعیل بن الحسن حدثنا احمد بن صالح ، حدثنا ابن وهب عن اسامة بن زيد عن ابى حازم عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ نَزَلَتْ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِى بَعْضِ اَبْيَاتِهٖ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ فَخَرَجَ يَلْتَمِسُهُم فَوَجَدَ قَوماً يَذْكُرُونَ اللّٰهَ تَعَالٰى مِنْهُمْ ثَائِرُ الرَّاسِ وَ جَافُ الْجِلدِ وَ ذُوالثَّوبِ الْوَاحِدِ فَلَمَّا رَاٰهُمْ جَلَسَ مَعَهُمْ وَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِى جَعَلَ فِى اُمَّتِى

مَنْ اَمَرَنِیَ اللّٰہُ اَن اُصْبِرَ نَفْسِی مَعَھُمْ یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہِ اقدس پر موجود تھے جب آیت وَاصْبِر نَفسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدعُونَ رَبَّھُم بِالْغدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُونَ وَجْھَہٗ نازل ہوئی تو آپ ﷺ ان لوگوں کی تلاش میں نکلے، آپ نے ایک قوم کو پایا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے، ان میں سے بعض کے بال بکھرے ہوئے تھے اور جلد خشک تھی اور صرف ایک ایک کپڑا لیا ہوا تھا، جب آپ نے انہیں دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جنکے پاس ٹھہرنے کا مجھے حکم دیا (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۵)۔

اہل تصوف نے اسی آیت سے اپنے لیے فقیر کا لفظ استعمال کرنا پسند فرمایا ہے اور ان کے آستان پر رہنے والے طالبوں کو بھی فقراء کہا جاتا ہے۔

اگر تصوف کا لفظ صفا سے بنا ہو تو اس کا معنی ہے صفائی۔ قرآن شریف میں اس کے مترادف لفظ تزکیہ استعمال ہوا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی یعنی فلاح پا گیا وہ شخص جس نے مجاہدہ کر کے پاکیزگی حاصل کی (الاعلیٰ: ۱۴)۔

نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی ذمہ داری یہ بتائی گئی ہے کہ: یَتْلُوا عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ یعنی رسول ان پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں صاف کرتا ہے (جمعہ: ۲)۔

پاکی اور صفائی سے مراد یہ ہے کہ روح کو تکبر اور حسد جیسی روحانی بیماریوں سے پاک کیا جائے۔ اس لحاظ سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تصوف اخلاق سکھاتا ہے۔ نیز روح کو ریاکاری، اغراض اور طمع جیسے امراض سے پاک کیا جائے اور اس لحاظ سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تصوف اخلاص سکھاتا ہے۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات کی ایسی معرفت حاصل کی جائے کہ اسے مظاہر سے جدا رکھ کر شناخت کر لیا جائے اور ظاہر و مظہر میں امتیاز کو سمجھ لیا جائے۔ جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محبوب کریم ﷺ کے وصال کے موقع پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی پریشانی کو دور کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّداً الی آخرہ۔ چنانچہ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ کے وصال کے موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا: ''اے لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ

اس جہان سے چلے گئے ہیں اور جو رب محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو یاد رکھو کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص فانی چیز کے ساتھ دل لگاتا ہے، وہ فنا ہو جاتا ہے اور دکھ اٹھاتا ہے اور جو شخص باقی کے ساتھ دل لگاتا ہے، وہ زندۂ جاوید ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کا جسم فنا کیوں نہ ہو جائے۔ پس جس کسی نے محمد علیہ السلام کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا آپ ﷺ کے اس جہان سے پردہ پوش ہونے کے بعد اس کے دل میں آپ کی منزلت کے بارے میں حیرت پیدا ہو گئی۔ اور جس نے آنحضرت ﷺ کو چشمِ حقیقت سے دیکھا اس کے لیے آپ کا اس جہان سے پردہ پوش ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ کیونکہ جس شخص کو مقامِ بقاء باللہ حاصل ہے اس نے آپ کو باقی باللہ دیکھا اور جو مقامِ فناء فی اللہ پر ہے اس نے آنحضرت ﷺ کو فنا فی اللہ دیکھا۔ بہر صورت اس نے تبدیل ہونے والے کی بجائے تبدیل کرنے والے کو دیکھا۔ نہ اس نے کسی غیر سے دل لگایا نہ خلق پر نگاہ کی۔ کسی نے خوب کہا۔ **من نظر الی الخلق هلک ومن نظر الی الحق ملک** یعنی ''جس نے خلق پر نظر کی ہلاک ہوا اور جس نے حق پر نظر کی وہ فرشتوں کے رنگ میں رنگا گیا'' (کشف المحجوب صفحہ ۳۲)۔

اسی لیے فرماتے ہیں کہ

اِنَّ الصَّفَا صَفَا الصِّدِّيْقِ
اِنْ اَرَدْتَ صُوفِياً عَلَى التَّحْقِيْقِ

یعنی اگر تم صحیح معنی میں کسی صوفی کو جاننا چاہتے ہو تو اصل صفا وہ ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔

صفائی اور پاکیزگی کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اپنے قلب میں سے غیر کو باہر نکال دیا جائے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقَلْبِ ذِكْرُ اللهِ** یعنی ہر چیز کو صاف کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے اور دل کو صاف کرنے کا آلہ اللہ کا ذکر ہے (مشکوٰۃ المصابیح حدیث: ۲۲۸۶)۔

اس کی انتہا یہ ہے کہ جلال اور جمال دونوں صورتوں میں عاشق اپنے محبوب کی طرف

ہی لپکتا ہے۔سید المرسلین ﷺ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنْکَ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں (مسلم حدیث:۱۰۹۰)۔مقصد یہ ہے کہ اگر تو مجھ پر اپنا جلال بھی فرمائے تو میں تجھ سے بھاگ کر کسی اور کی پناہ میں نہیں بلکہ تیری ہی پناہ میں آتا ہوں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ماں اپنے بچے کو مارے تو بچہ اسی ماں کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے۔

اس حدیث کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میرے اندر تیری الوہیت کا شائبہ بھی باقی رہے، میں خالص بندہ اور عبدِ محض بن کر رہنا پسند کرتا ہوں۔صفائی کا یہ مرتبہ تمام مراتب سے بلند و بالا ہے۔اسی لیے معراج کی رات جب اللہ کریم جل شانہ نے پوچھا کہ بِمَ اُشَرِّفُکَ یَا مُحَمَّدُ یعنی اے محمد میں آپ کو کون سا شرف بخشوں۔تو آپ ﷺ نے عرض کیا بِنِسْبَتِی اِلَیْکَ بِالعَبُودِیَّۃِ یعنی اپنی طرف بندے کی حیثیت سے مجھے منسوب فرما اور مجھے اپنا بندہ کہہ کر پکار۔فنائیت کی بے نیازیوں کے بعد عبدیت کو اختیار کرنے میں کاملین کو زیادہ لطف محسوس ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں تصوف کا مترادف لفظ احسان بھی استعمال ہوا ہے۔حدیثِ جبریل میں ہے کہ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ الحدیث یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (بخاری حدیث:۵۰،مسلم حدیث:۹۳)۔

اللہ کو دیکھنے کا تصور محبّ کا فعل ہے، جب کہ اللہ کا اپنے بندے کو دیکھنا بندے کی محبوبیت ہے گویا بندہ اپنے رب کا محبوب ہے۔اَلَّذِی یَرَاکَ حِینَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِینَ (الشعراء:۲۱۸،۲۱۹) میں نبی کریم ﷺ کی محبوبیت بیان کی گئی ہے۔

اللہ کو دیکھنے میں استہلاک، سکر اور فنا ہے جبکہ اللہ اگر بندے کو دیکھے تو اس میں صحو اور بقا ہے۔اس حدیث کی شرح میں شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اس میں جملہ اس طرح ہے فَاِن لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ اگر تم ہی نہ رہے تو تم اسے دیکھ سکو گے (رسائل ابن عربی کتاب الفناء فی المشاہدہ صفحہ۳۴)۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جلال الدین محلی کے حوالے سے فرماتے

ہیں: حقیقة الاحسان مراقبة الله تعالیٰ فی جمیع العبادات یعنی احسان کی حقیقت یہ ہے کہ تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کیا جائے (الیواقیت والجواہر صفحہ ۵۰۷)۔

دین کے تین مختلف شعبے

دین اسلام کے تین اہم شعبے ہیں، ان میں سے ہر شعبے کو سمجھنے اور عمل میں لانے سے ہی مکمل طور پر دین میں داخل ہوا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً یعنی اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (البقرۃ: ۲۰۸)۔ دین کے وہ تین شعبے مندرجہ ذیل ہیں: (۱)۔ سیاسی شعبہ (۲)۔ علمی شعبہ (۳)۔ روحانی شعبہ

ان تینوں شعبوں پر مفصل گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

سیاسی شعبہ

اللہ کریم جل شانہ کا ارشادِ گرامی ہے: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً یعنی نہیں! تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات میں آپکا ہر فیصلہ نہ مان لیں، پھر اپنے دلوں میں آپکے فیصلے پر معمولی شک بھی نہ رکھیں اور اس طرح مان لیں جس طرح ماننے کا حق ہے (النسآء: ۶۵)۔

دوسرے مقام پر اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: اِنَّ اللهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللهَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِهٖ اِنَّ اللهَ کَانَ سَمِیْعاً بَصِیْراً۔

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں امانت کے حقداروں کو ادا کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (النساء: ۵۸)۔

یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین آیات میں شمار ہوتی ہے اس میں اسلام کے سیاسی نظام کا مکمل ڈھانچہ اور خدوخال مذکور ہیں۔

اِنَّ حرفِ تاکید ہے، اسکا معنی ہے بے شک۔ تاکید کرتے ہوئے بات شروع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ بیان ہونے والے حکم کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں بٹھا دی جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَـامُرُکُمُ (بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے) یَأمُرُ کا لفظ امر سے بنا ہے۔ امر کا معنی ہے حکم دینا۔ اسی سے اِمَارَۃ بنا ہے یعنی حکمرانی۔ حدیث کی کتابوں میں سیاست کے ابواب کو اَبْـوَابُ الْاِمَارَۃِ کہا جاتا ہے۔ متحدہ عرب امارات میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں یَـامُـرُکُم سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی امر اور اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ہے۔ اور اس سے اگلی آیت کے الفاظ اَطِیۡـعُـوا الرَّسُولَ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلی اختیارات عطا کیے جانے کی وجہ سے اقتدارِ اعلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی ہے۔

گویا یوں کہنا چاہیے کہ اقتدارِ اعلیٰ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے۔ اسی یَـامُـرُکُم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امارت اور سیاست کے احکام اللہ تعالیٰ نے خود عطا فرمائے ہیں۔ اب جو شخص بھی ان احکام کی بجائے کوئی دوسرا نظام رائج کرے گا، وہ اللہ اور رسول کی امارت کے مقابلے پر اپنی ذاتی آمریت کا دعویدار ہوگا۔ خواہ وہ کسی جرنیل کی طرح شخصی طور پر آمر ہو یا جمہوریت کے نام سے متعدد اشخاص کو اپنی آمریت میں حصہ دار بنالے۔ امر کے لفظ میں یہ ساری باتیں پوشیدہ ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ امر کی جگہ کوئی دوسرا لفظ بھی استعمال فرما سکتا تھا۔ جیسا کہ دوسری عبادات اور احکام فرض کرنے کے لیے اسکا طریقہ ہے۔ مثلاً کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الـصِّیَامُ ،تم پر روزے فرض کردیے گئے۔ کُتِبَ عَـلَیۡـکُـمُ الۡقِتَالُ تم پر جہاد فرض کردیا وغیرہ۔ یہاں بھی فرما سکتا تھا کہ کُتِبَ عَـلَیۡـکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمَانَاتِ اِلیٰۤ اَهۡلِهَا لیکن یہاں اِنَّ اللّٰهَ یَامُرُکُمۡ فرما کر انسانی آمریت کی نفی کرنا مقصود تھا اور شرعی اِمارت کی تاکید منظور تھی۔

اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمَانَاتِ اِلیٰۤ اَهۡلِهَا (کہ امانتیں ان کے اہلوں کے سپرد کرو) ان الفاظ میں امانت سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا ضُیِّعَتِ الۡاَمَانَةُ فَانۡتَظِرِ السَّاعَةَ جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ صحابی کو امانت کے ضائع ہونے کی سمجھ نہ آئی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ امانت

کے ضائع ہونے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ یعنی جب امارت نااہلوں کے سپرد کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا (بخاری حدیث:۵۹)۔

عورت کی حکمرانی کے بارے میں فرمایا: وَاِذَا کَانَتْ اُمَرَآءُ کُمْ شِرَارَکُمْ وَاَغْنِیَآءُ کُمْ بُخَلَآءَ کُمْ وَاُمُورُکُمْ اِلٰی نِسَآءِ کُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَکُمْ مِنْ ظَھْرِھَا یعنی جب تمہارے امراء شرارتی ہوں اور تمہارے غنی لوگ بخیل ہوں اور عورتیں تمہاری حکمران ہوں تو تمہارے لیے زندہ رہنے کی بجائے مرجانا بہتر ہے (ترمذی حدیث:۲۲۶۶)۔

واضح ہوگیا کہ بہترین حکمران کا انتخاب اور ووٹ کا صحیح استعمال اہل اسلام پر لازم ہے اور یہ اس امانت کی پہلی شق ہے جسے اللہ کریم نے سورۃ النساء میں بیان فرمایا ہے۔ امانت کی ادائیگی کے دوسرے بے شمار پہلو ہیں مثلاً:

(۱)۔ حکمرانوں کا اپنی رعایا کے حقوق ادا کرنا، (۲)۔ رعایا کا اپنے حکمرانوں کے حقوق ادا کرنا، (۳)۔ عام امانتوں کی ادائیگی، (۴)۔ ہر شخص کی رعایا کا ہونا اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جانا، (۵)۔ صوفیا کا اپنی ذات کو خدا کی امانت سمجھتے ہوئے اسے اللہ کے سپرد کر کے اپنی نفی کرنا وغیرہ۔ لیکن یہ ساری تفصیلات اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

اسلامی سیاست سنتِ انبیاء ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیلَ تَسُوسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِی وَسَیَکُونُ خُلَفَآءُ یعنی بنی اسرائیل میں سیاست کا کام انبیاء کرتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آ جاتا تھا، مگر اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور اب خلفاء ہوں گے (مسلم حدیث: ۴۷۷۳، بخاری حدیث: ۳۴۵۵، ابن ماجۃ حدیث: ۲۸۷۱)۔

الغرض اسلامی حکومت کا قیام مندرجہ ذیل وجوہ سے ضروری ہے۔

۱۔ انسانی فلاح کے لیے انسان کا اپنا بنایا ہوا نظام نہیں بلکہ خدا کا دیا ہوا نظام ضروری ہے۔

۲۔ اسلامی حکومت کا قیام غیر مسلموں کو اسلام کی موثر تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

۳۔ ملک میں شرعی احکام اور قوانین کا نفاذ، اسلامی حکومت کے قیام پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰہُ فَأُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُونَ

جنہوں نے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو وہ لوگ کافر ہیں (المائدہ: ۴۴)، وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ جنہوں نے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو وہ لوگ ظالم ہیں (المائدہ: ۴۵)، وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ جنہوں نے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو وہ لوگ فاسق ہیں (المائدہ: ۴۷)۔

ملک کے اندر عوام کی فلاح و بہبود پر توجہ دینا، اسلامی نظام کا نفاذ، حدود و تعزیرات کا اجراء اور بین الاقوامی سطح پر سفارتی تعلقات، تجارت اور جہاد وغیرہ سب حکومت کی ذمہ داریاں ہیں۔ حکومت کو عوامی اصلاح کی خاطر ڈنڈا استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

علمی شعبہ

قرآن وسنت کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق اسلامی قانون کو مرتب کرنا اور جدید مسائل کا حل پیش کرنا، حکومت کو علمی راہنمائی فراہم کرنا، عوام الناس کو تعلیم دینا اور مزید ذمہ دار علماء تیار کرنا علماء کی ذمہ داری ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے تقریر، تدریس اور تحریر تینوں طریقوں سے اپنی امت کی تربیت فرمائی ہے۔

وعظ اور تقریر کے ذریعے تبلیغ:۔ اللہ کریم جل شانہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا: ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجیے، حکمت کے ذریعے اور اچھے وعظوں کے ذریعے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے (النحل: ۱۲۵)۔

نبوت کے ابتدائی ایام میں آپ ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اے حبیب اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے (الشعراء: ۲۱۴)۔ تو آپ ﷺ نے تمام قریش کو جمع کر کے خطاب فرمایا: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ

مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (بخاری حدیث:۲۷۵۳)۔

ترجمہ: اے قریش کے گروہ تم لوگ اپنے ذمہ دار خود ہو، اللہ کے سامنے میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، اے بنی عبد مناف اللہ کے سامنے میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، اے عباس بن عبدالمطلب اللہ کے سامنے میں آپ کا ذمہ دار نہیں ہوں، اور اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ اللہ کے سامنے میں آپ کا ذمہ دار نہیں ہوں، اور اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ مجھ سے میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو مگر اللہ کے سامنے میں آپ کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

ایک دن آپ ﷺ نے طویل ترین خطاب فرمایا جسکی طوالت دنیا میں ایک ریکارڈ ہے:

عَنْ عَمْرِو بنِ الاَخْطَبِ الاَنْصَارِی رضی اللہ عنہ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا ، حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّهْرُ ، فَنَزَلَ فَصَلّٰی ، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ ، فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا ، حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ ، فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ ، فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا (مسلم حدیث:۲۶۷ے).

ترجمہ: حضرت عمرو ابنِ اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز ادا فرمائی اور منبر پر تشریف لے گئے، ہمیں خطاب فرمایا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا، آپ منبر سے اترے اور نماز ادا فرمائی، پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے، پھر ہمیں خطاب فرمایا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا، پھر منبر سے اترے اور نماز ادا فرمائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، پس آپ نے ہمیں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے سب کچھ بتا دیا۔ ہم میں سب سے زیادہ علم والا وہ ہے جس نے وہ خطبہ زیادہ سے زیادہ یاد رکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار خطابات میں خطبہ حجۃ الوداع کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور اس خطبے کی عظمت کو غیر مسلم بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع ملاحظہ کیجیے!

اِنَّ دِمَآءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَومِكُمْ هٰذَا ، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا ، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا ، اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحتَ قَدَمَيَّ مَوضُوعٌ ، وَدِمَآءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوضُوعَةٌ ، وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ (كَانَ

مُسْتَرضِعًا فِی بَنِی سَعدٍ فَقَتَلَهُ هُذَیْلُ) ، وَ رِبَا الْجَاهِلِیَّةِ مَوضُوعٌ وَ اَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَاِنَّهُ مَوضُوعٌ کُلُّهُ ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَآءِ ، فَاِنَّکُم اَخَذْتُمُوهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِکَلِمَةِ اللّٰهِ ، وَلَکُمْ عَلَیْهِنَّ اَن لَّا یُوطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَهُونَهُ ، فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِکَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ ، وَلَهُنَّ عَلَیْکُمْ رِزْقُهُنَّ وَکِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ، وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَالَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ ، کِتَابَ اللّٰهِ ، وَاَنْتُمْ تُسْاَلُونَ عَنِّی ، فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُونَ ؟ قَالُوا نَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ ، فَقَالَ بِاُصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ یَرفَعُهَا اِلَی السَّمَآءِ وَیَنْکُتُهَا اِلَی النَّاسِ ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ، ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ، (وَفِی رِوَایَةِ اَبِی بَکْرَةَ قَالَ فَلَا تَرجِعُوا بَعْدِی ضَلَالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا هَل بَلَّغْتُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعیٰ مِنْ سَامِعٍ)

ترجمہ : تمہارے خون اور تمہارے مال آج کے دن کی عظمت کی طرح اس مہینے میں اور اس شہر میں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ آج جہالت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ زمانۂ جہالت کی دشمنیاں ختم کر دی گئی ہیں۔ سب سے پہلے میں ابن ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے میں عباس ابن مطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اللہ نے انہیں تمہاری پناہ میں دیا ہے اور اپنے کلام کے ذریعے ان کی شرم گاہیں تمہارے لیے حلال کی ہیں۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ سُلائیں۔ اگر وہ ایسی حرکت کریں تو انہیں ضرورت کے مطابق محتاط سزا دو۔ عورتوں کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھے طریقے سے کھانا اور لباس دو۔ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر اس پر عمل کرتے رہو گے تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے۔ قیامت کے دن اللہ تم سے میرے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے جواب دیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک احکام پہنچا دیے، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور بھلائی کی انتہا کر دی۔ آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی، اسی انگلی سے لوگوں کی طرف بھی اشارہ کیا اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔ اے لوگو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا

اور ایک دوسرے کی گردن مت مارنے لگنا۔ بتاؤ، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ سب نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ جو لوگ حاضر ہیں وہ ان تک میرا پیغام پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں۔ کتنے ہی سننے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ سنی ہوئی بات آگے بتاتے ہیں تو اگلا ان سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے(مسلم حدیث:۲۹۵۰، ابو داؤد حدیث:۱۹۰۵، ابن ماجۃ حدیث:۳۰۷۴، سنن الدارمی حدیث:۱۸۵۶)۔

تدریس کے ذریعے تبلیغ:۔خطابات اور تقاریر کے بعد تدریسی طریقۂ تعلیم کی باری آتی ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے اجتماعی اور انفرادی طور پر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر محنت فرمائی۔ قرآن مجید کی تعلیم دینا آپ ﷺ کی بعثت کے اغراض و مقاصد میں سرفہرست شامل ہے۔

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: **هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُبِينٍ** یعنی وہی ہے جس نے امّی لوگوں میں انہی میں سے عظمت والے رسول کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں اور بے شک وہ لوگ ایمان لانے سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے (الجمعہ:۲)۔

مندرجہ ذیل احادیث میں تدریس کا ذکر ہے: **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِیْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰی خَيْرٍ وَأَحَدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ أَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ إِلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَأَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ وَالْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ أَفْضَلُ وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ**[ابن ماجة: ٢٢٩ ، سنن الدارمی: ٣٤٩]۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا یہ دونوں اچھا کام کر رہے ہیں، ان میں سے ایک محفل دوسری محفل سے اچھی ہے، ایک محفل والے اللہ سے دعائیں مانگ رہے ہوں اور اس کی طرف رغبت رکھتے ہیں مگر اللہ کی مرضی ہو تو انہیں عطاء کر دے اور اس کی مرضی ہو تو عطاء نہ کرے، جبکہ دوسری محفل والے فقہ اور علم سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو سکھا رہے ہیں، اس محفل والے افضل ہیں، میں معلم بنا کر ہی بھیجا

گیا ہوں، پھر آپ ﷺ اس محفل والوں کے پاس بیٹھ گئے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ ؓ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ (مسلم حدیث: ۸۹۷، بخاری حدیث: ۸۳۱، ابوداؤد حدیث: ۹۶۸، ترمذی حدیث: ۱۱۰۵، نسائی حدیث: ۱۱۶۳)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تشہد اس طرح سکھایا جس طرح قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے۔

عَنْ جَابِرٍ ؓ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرآنِ (بخاری حدیث: ۶۳۸۲، ترمذی حدیث: ۴۸۰، ابوداؤد حدیث: ۱۵۳۸، نسائی حدیث: ۳۲۵۳)۔

ترجمہ: حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اہم کاموں کے لیے استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونِ الْأَوْدِيِّ قَالَ كَانَ سَعْدٌ يُعَلِّمُ بَنِيهِ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ كَمَا يُعَلِّمُ الْمُعَلِّمُ الْغِلْمَانَ الْكِتَابَةَ وَيَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (بخاری حدیث: ۲۸۲۲)۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ حضرت سعد یہ دعا اپنے بیٹوں کو اسطرح سکھایا کرتے تھے جس طرح استاد اپنے شاگردوں کو کتابت کی تعلیم دیتا ہے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کے ذریعے نماز کے بعد اللہ کی پناہ مانگتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ۔

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ ؓ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ قُلْ اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (بخاری حدیث: ۸۳۴)۔

ترجمہ: سیدنا ابوبکر صدیق ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے

ایسی دعا سکھایئے جسے میں نماز میں پڑھا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا پڑھا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِی مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِی إِنَّکَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.

سوالات کرنے کی اجازت دینا اور پھر ان سوالوں کے جوابات دینا بھی نہایت اہم طریقہ تعلیم ہے۔

عَنْ اَنَسِ بن مَالِک رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ اَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا اُمُورًا عِظَامًا ، ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّسْئَالَ عَنْ شَئٍ فَلْيَسْئَلْ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ لَا تَسْئَلُونِی عَنْ شَئٍ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ مَا دُمْتُ فِی مَقَامِی هٰذَا قَالَ اَنَسٌ فَاَكْثَرَ النَّاسُ الْبُكَآءَ وَاَكْثَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَقُولَ سَلُونِی ، قَالَ اَنَسٌ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ اَيْنَ مَدْخَلِی يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ النَّارُ ، فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ ، فَقَالَ مَنْ اَبِی يَارَسُولَ اللّٰهِ ، قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ ، قَالَ ثُمَّ اَكْثَرَ اَنْ يَقُولَ سَلُونِی سَلُونِی ، قَالَ فَبَرَکَ عُمَرُ عَلٰی رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا ، قَالَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَوْلٰی ، وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهٖ لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَیَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ اٰنِفًا فِی عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ وَاَنَا اُصَلِّی ، فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ فِی الْخَيْرِ وَالشَّرِّ (بخاری حدیث: ۷۲۹۴، مسلم حدیث: ۶۱۲۱)۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سورج ڈھلنے کے وقت نکلے اور ظہر ادا فرمائی، جب سلام پھیرا تو منبر پر کھڑے ہو گئے، پھر قیامت کا ذکر فرمایا اور بیان فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے معاملات ہوں گے۔ پھر فرمایا جو شخص کسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہے پوچھ سکتا ہے۔ اللہ کی قسم تم جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے میں یہاں کھڑے کھڑے جواب دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کثرت سے رونے لگے اور رسول اللہ ﷺ بار بار فرمائے جا رہے تھے کہ مجھ سے پوچھ لو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جہنم۔ پھر عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو گئے اور کہا یا رسول اللہ میرا باپ کون

ہے؟ فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر آپ ﷺ کثرت سے فرماتے رہے، مجھ سے پوچھ لو، مجھ سے پوچھ لو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کیا ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں، اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہیں، اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہیں۔ جب حضرت عمر نے یہ بات عرض کی تو رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اچھا، قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے ابھی ابھی جب میں نماز پڑھ رہا تھا تو اس احاطے کے اندر میرے سامنے جنت اور دوزخ پیش کی گئیں، آج کی طرح میں نے کبھی خیر اور شر نہیں دیکھے۔

حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتیّٰ صِرْتُ قُطُباً

وَ نِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ

تحریر کے ذریعے تبلیغ: ۔تدریس کے بعد تحریری طریقۂ تعلیم کا نمبر آتا ہے۔ محبوب کریم ﷺ پر جب بھی کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تھی تو آپ اسے اپنے کاتب کے ذریعے فوراً لکھواتے تھے مثلاً عَنْ أَبِی إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضی اللہ عنہ یَقُولُ لَمَّا نَزَلَتْ (لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنْ الْمُؤْمِنِینَ) دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَیْدًا فَجَاءَ بِكَتِفٍ فَكَتَبَهَا (بخاری حدیث:۲۸۳۱)۔

ترجمہ: حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب قرآن کی آیت (لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنْ الْمُؤْمِنِینَ) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کتابت کے لیے بلایا تو وہ اونٹ کے کندھے کی چوڑی ہڈی لے کر آ گئے اور اس آیت کو لکھا۔

عَنْ سَالِمٍ أَبِی النَّضْرِ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِی أَوْفٰی كَتَبَ فَقَرَأْتُهُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا لَقِیتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا (بخاری حدیث:۲۸۳۳)۔

ترجمہ: حضرت سالم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے تحریر لکھی اور میں نے اسے پڑھا، اس میں لکھا تھا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جہاد کرو تو ثابت قدم رہو۔

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِی لَیْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِیلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ فَأُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِیُّ ﷺ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ

عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُؤْمِنِينَ أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيلِ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ اكْتُبُوا لِأَبِي فُلَانٍ (بخاری حدیث:۱۱۲)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ شریف کی حرمت کے بارے میں مکمل خطاب فرمایا، بعد میں یمن کے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ خطبہ مجھے لکھ دیں، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس آدمی کو لکھ کر دے دو۔

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ (بخاری حدیث:۱۱۱)۔

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کچھ لکھا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا: صرف کتاب اللہ ہے یا وہ فہم ہے جو ہر مسلمان شخص کو دی گئی ہے یا جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے، میں نے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا لکھا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا: دیت کے احکام لکھے ہوئے ہیں اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکام لکھے ہوئے ہیں اور یہ لکھا ہوا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ ﷺ کے ارشادات کو لکھ لیتے تھے۔

عن وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ عَنْ أَخِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ (بخاری حدیث:۱۱۳)۔

ترجمہ: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت نہیں کیں، سوائے عبداللہ بن عمرو کے، وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں زبانی یاد کر لیتا تھا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ اَكْتُبُ كُلَّ شَیْءٍ اَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اُرِیْدُ حِفْظَهٗ ، فَنَهَتْنِی قُرَیْشٌ ، وَقَالُوا تَكْتُبُ كُلَّ شَیْءٍ سَمِعْتَهٗ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَشَرٌ یَتَكَلَّمُ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَآءِ ، فَاَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاَوْمَا بِاِصْبَعِهٖ اِلٰی فِیْهِ ، وَ قَالَ اُكْتُبْ ، فَوَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ (ابوداؤد حدیث:۳۶۴۶،دارمی حدیث:۴۸۸)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ہر چیز سن کر لکھ لیتا تھا۔ میرا ارادہ زبانی یاد کرنے کا ہوتا تھا۔ قریش کے کچھ بزرگوں نے مجھے منع فرمایا۔ کہنے لگے تم جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو ہر چیز لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، آپ ناراضگی اور رضا کی حالت میں گفتگو فرماتے ہیں۔ میں لکھنے سے باز آ گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے دھن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: لکھا کر، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس میں سے حق کے سواء کچھ نہیں نکلتا۔

آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے مثلاً آپ ﷺ نے قیصر روم کے نام یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّومِ ، سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّی اَدْعُوكَ بِدَاعِیَةِ الْاِسْلَامِ ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَاَسْلِمْ یُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ ، وَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْكَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیِّیْنَ وَ یَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئاً وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِاَنَّا مُسْلِمُونَ (مسلم حدیث:۴۶۰۷، بخاری حدیث:۲۹۴۱،ترمذی حدیث:۲۷۱۷)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے ہرقل بادشاہِ روم کی طرف۔
سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کو قبول کیا۔ اس کے بعد، میں تمہیں اسلام کی طرف

دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہوجاؤ سلامت رہوگے۔ اسلام لے آؤ گے تو اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر منہ پھیروگے تو تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہارے ذمے ہوگا اور اے اہلِ کتاب! اس کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک بنائیں اور نہ ہی ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سواء رب بنائے۔ پھر اگر یہ لوگ منہ پھیریں تو کہو کہ ہمارے مسلمان ہونے پر گواہ رہو۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر آیت علماء کا کام زبان سے تبلیغ کرنا ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: اَلْعَالِمُ يَعِظُ بِالْعِلْمِ وَالْاَدَبِ وَالْجَاهِلُ يَعِظُ بِالضَّرْبِ وَالْغَضَبِ یعنی عالم علم وادب سے وعظ کرتا ہے اور جاہل آدمی مار پیٹ اور سخت کلامی سے کام لیتا ہے (سرالاسرار:۸۴)۔

روحانی شعبہ

لوگوں کی نیت کو درست کرنا، اعمال میں اخلاص پیدا کرنا اور اخلاق کو درست کرنا صوفیاء کی ذمہ داری ہے اور اس حد تک روحانی تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَآءَ یعنی ان لوگوں کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں صرف اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے بالکل اسی کی طرف متوجہ ہو کر (البینۃ:۵)۔

حدیث پاک میں ہے کہ اعمال کا دارومدار ہی نیت پر ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری حدیث:۱، مسلم حدیث:۴۹۲۷)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میری بعثت کا مقصد ہی اخلاق کو اپنی انتہا تک پہنچانا ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (موطا امام مالک حدیث رقم:۸ من کتاب حسن الخلق)۔ ان ساری باتوں کا تعلق نفس کی اصلاح سے ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى بلاشبہ وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا (الاعلیٰ:۱۴)۔

روحانی طریقہ تبلیغ کا تعلق نگاہ اور توجہ سے ہے۔ محبوب کریم ﷺ کے ان گنت معجزات اور اولیائے کرام علیہم الرضوان کی کرامات اسی شعبے سے متعلق ہیں۔

اسلام کی پہلی روحانی درس گاہ: صفہ:۔ روحانی تبلیغ کے لیے حضور کریم ﷺ نے صفہ نامی چبوترے کا انتخاب فرمایا جہاں مختلف اوقات میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مختلف تعداد قیام پذیر رہی۔قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں اصحابِ صفہ کا ذکر اور ان کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں۔اس کتاب کے صفحہ ۳۰ پر اصحابِ صفہ کی مکمل تفصیل گزر چکی ہے۔

رب راضی تو سب راضی:۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور قرآن کے نزول کا مقصد بھی توحیدِ خداوندی سے آشنا کرنا ہے (ابراہیم:۵۲ کا حاصل)۔اور حدیث پاک میں ہے کہ مَنْ اَصْلَحَ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ اللّٰهِ اَصْلَحَ اللّٰهُ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ النَّاسِ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق درست کر لیا ، اللہ تعالیٰ مخلوق کیساتھ بھی اسکا تعلق درست کر دے گا (کنز العمال حدیث:۴۳۱۶۶)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تصوف دین کے تمام شعبوں پر حاوی اور غالب ہے،اسلیے کہ جسکی لائن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سیدھی ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ اسکے دوسرے تمام معاملات کو درست فرمادیتا ہے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ:عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةٌ فَمَنِ اتَّبَعَ قَلْبُهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا ، لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ التَّشَعُّبَ (ابن ماجۃ حدیث :۴۱۶۶)۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک آدم کے بیٹے کے دل میں ہر وادی کی ایک گھاٹی موجود ہوتی ہے،جس کا نفس ان تمام گھاٹیوں کے پیچھے چلتا رہے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں خواہ کسی بھی وادی میں اسے ہلاک کردے،اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے ،اللہ تعالیٰ تمام گھاٹیوں کے معاملے میں اسکی کفایت فرماتا ہے۔

کتبِ حدیث میں بھی مندرجہ ذیل ابواب خالصتاً تصوف ہی سے متعلق ہیں۔

بَابُ الْحُبِّ فِی اللّٰهِ ، کِتَابُ الرِّقَاقِ ، کِتَابُ الْاَخْلَاقِ ، بَابُ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ، ذِکْرُاللّٰهِ وَالتَّقَرُّبُ اِلَیْهِ ، بَابُ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ ، بَابُ الصَّبْرِ وَالتَّوَکُّلِ ، بَابُ الرِّیَاءِ وَالسُّمْعَةِ ، بَابُ الْبُکَاءِ وَالْخَوْفِ ، بَابُ الْکَرَامَاتِ ، بَابُ الْمُعْجِزَاتِ۔

حکومت ڈنڈے سے اصلاح کرتی ہے،اسکی مثال ایسے ہے جیسے بادام کا بیرونی سخت خول۔علماء زبان اورتحریر سے اصلاح کرتے ہیں،اسکی مثال ایسے ہے جیسے بادام کے مغز کےاوپر والا سرخ چھلکا۔صوفیاء نگاہ سے اصلاح کرتے ہیں،تصوف کی مثال ایسے ہے جیسے بادام کا سفید مغز۔

انسان کی تخلیق کا مقصد

اللہ کریم کا ارشادِ عالی ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (الذاریات:۵۶)۔

حضرت جریج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عبادت سے مراد معرفت ہے (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۰۵)۔حضرت مجاہد تابعی علیہ الرحمہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اِلَّا لِيَعْرِفُوْنِي یعنی تاکہ میری معرفت حاصل کریں (قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۵۰)۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ :لِيَظْهَرَ عَلَيْهِمْ صِفَاتِيْ وَ كَمَالَاتِيْ فَيَعْرِفُوْنِيْ ثُمَّ يَعْبُدُوْنِيْ فَإِذَا الْعِبَادَةُ بِقَدْرِ الْمَعْرِفَةِ وَ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ لَمْ يَعْبُدْ یعنی تاکہ ان پر میری صفات اور کمالات ظاہر ہوں اور یہ لوگ مجھے پہچان لیں اور پھر میری عبادت کریں۔تو جس قدر معرفت ہوگی اسی قدر عبادت بھی ہوگی اور جسے معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ عبادت نہیں کر سکتا (تفسیر ابن عربی جلد ۲ صفحہ ۲۷۲)۔

خازن وغیرہ میں ہے کہ هٰذَا حَسَنٌ لِاَنَّهٗ لَوْ لَمْ يَخْلُقْهُمْ لَمْ يُعْرَفْ وُجُوْدُهٗ وَ تَوْحِيْدُهٗ یعنی عبادت سے مراد معرفت لینا اچھی تفسیر ہے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ جنات اور انسانوں کو پیدا نہ فرماتا تو اس کی ذات اور توحید کی معرفت کسی کو حاصل نہ ہوتی (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۳۵، تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۱۸۵، قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۵۰)۔صوفیاء علیہم الرضوان نے ایک حدیثِ قدسی بیان فرمائی ہے کہ كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِياً فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ یعنی میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے مخلوق کو پیدا کیا (تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۴)۔

یہ حدیث سند اور صحت کے لحاظ سے جیسی بھی ہو لیکن قرآن کی مذکورہ بالا آیت اور اس کی تفسیر عالمانہ وصوفیانہ دونوں کے مطابق ہے۔لہٰذا اسے قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام کے وقت فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ انسان زمین میں فساد

کرے گا اور خون بہائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ در اصل فرشتے انسان کو خطا کرتا ہوا دیکھ رہے تھے مگر اللہ کریم اسے خطا کے بعد توبہ کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص اونٹ پر سفر کر رہا تھا اس پر اس کا کھانا اور پانی بھی تھا۔ راستے میں وہ ایک جگہ پر آرام کرنے کے لیے ٹھہرا تو اس کا اونٹ رسی نکال کر چلا گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اونٹ غائب تھا۔ وہ شخص جنگل بیابان میں اونٹ تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر بھاگا مگر اونٹ نہ ملا۔ آخر کار وہ موت کے لیے تیار ہو کر ایک جگہ لیٹ گیا۔ اچانک اسے دور سے اونٹ آتا ہوا نظر آیا۔ اس شخص کے منہ سے نکلا میں تیرا مالک، تو میرا بندہ۔ خوشی کی شدت سے الٹا جملہ منہ سے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے بھی زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے (مسلم حدیث: ۶۹۶۰، بخاری حدیث: ۶۳۰۸)۔ یہ چیز فرشتوں میں نہیں تھی۔ یہی اِنِّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ کا راز ہے۔

قرآن کے نزول کا مقصد

اللہ کریم فرماتا ہے: هَـٰذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ یعنی یہ لوگوں کے لیے اطلاع ہے اور اس کے نازل کیے جانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جو ابد ہی سے ڈرایا جائے اور تا کہ لوگ جان لیں کہ ایک اللہ ہی معبود ہے اور تا کہ قرآن سے عقل والے نصیحت حاصل کریں (ابراہیم: ۵۲)۔

اس آیت میں قرآن مجید کا موضوع توحید بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آیا قرآن کا کوئی عنوان ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پوچھا گیا کونسا؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ وَسُئِلَ بَعْضُهُمْ هَلْ لِكِتَابِ اللّٰهِ عُنْوَانٌ ؟ فَقَالَ نَعَمْ ، قِيْلَ اَيْنَ هُوَ ؟ قَالَ قَوْلُهُ تَعَالٰى هٰذَا بَلٰغٌ لِلنَّاسِ اَلآيَة (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۳۳۰)۔

تمام رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام لا الہ الا اللہ کی تبلیغ فرماتے رہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (الانبیاء: ۲۵)۔ اسی لا الہ الا اللہ کو افضل الذکر کا درجہ دیا گیا ہے (ترمذی حدیث: ۳۳۸۳، ابن ماجہ: ۳۸۰۰)۔ یہی توحید قرآن کا موضوع اور عنوان ہے اور اسی خدا کی معرفت اور عبادت انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ تکبر، ریا اور حسد وغیرہ روحانی امراض سے بچاؤ کی حد تک تصوف سیکھنا فرضِ عین ہے خواہ یہ تعلیم کسی مرشد سے حاصل کی جائے یا بوڑھی عورتوں سے۔ اس سے آگے منازل سلوک طے کرنا مستحب ہے اور اس غرض سے بیعت کرنا بھی مستحب ہے۔ مذکورہ تقسیم کو ملحوظ رکھے بغیر تصوف کو مطلق فرضِ عین کہہ دینا غلو ہے اور تحقیق کے منافی ہے۔

اللہ جل شانہ کی معرفت حاصل کرنا، منازلِ سلوک طے کرنا اور تکوینی معاملات کو سمجھنا ہر آدمی کی ذمہ داری نہیں بلکہ صرف اہلیت اور صلاحیت رکھنے والے لوگ ہی اس دشتِ بے کراں میں خود کو مٹا کر رکھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

تیسرا باب

نام نہاد صوفیاء کے فرقوں کا تعارف اور تفصیل

حضرت امام عبدالکریم ہوازن قشیری، حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری، حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی چشتی علیہم الرحمۃ والرضوان نے اپنی اپنی کتابوں میں باطل مذاہب وعقائد کی زبردست تردید فرمائی ہے اور انہیں ملحد، کافر اور بدبخت جیسے الفاظ سے نوازا ہے۔ اس کتاب میں ہم بھی اپنے ان آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہوئے عصر حاضر کے غلط فرقوں کا تعارف کرا رہے ہیں اور ان کی تردید کر رہے ہیں۔

ا۔ حلولی عقیدہ کی تردید:۔ یہ فرقہ پاک وہند میں اچھی خاصی تعداد میں موجود ہے۔ یہ لوگ قرآن وسنت سے بالکل لاتعلق ہوتے ہیں بلکہ علم کی سرے سے ہی مخالفت کرتے ہیں۔

صوفیاء علیہم الرضوان نے اپنی ذات کی نفی فرمائی ہے اور دنیا کی ہر چیز کے حقیقی وجود کا انکار فرمایا ہے۔ صوفیاء کی مراد یہ ہے کہ حقیقی وجود محض اللہ کریم کی ذات کا ہے باقی سب اس کے ظلال اور پرتو ہیں۔ حلولی کہتے ہیں کہ بندہ ہی خدا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا حقیقی وجود تھا بھی نہیں، ہے بھی نہیں اور ہو گا بھی نہیں۔ یہ کہنا کہ میں اللہ ہوں، اور یہ کہنا کہ میں نہیں ہوں اللہ

ہے،ان دو جملوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔یہ تصور(یعنی میں نہیں ہوں اللہ ہے)اگر صحیح معنی میں قائم ہو جائے تو ہر قسم کے دعویٰ غیر سنجیدہ حرکت اور لاف زنی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔تکبر قریب نہیں آئے گا اور زبان گنگ ہو جائے گی۔

یہ فرقہ اپنی خرافات کی تائید میں بعض صوفیاء کے شطحیات کو پیش کرتا ہے۔حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کا سبحانی ما اعظم شانی کہنا اور حضرت حسین بن منصور حلاج قدس سرہ کی زبان سے انا الحق نکلنا کو اپنے مؤقف کی دلیل بناتے ہیں۔حالانکہ حضرت بایزید بسطامی کے مریدوں نے جب انہیں عرض کیا کہ آپ نے رات کو اس طرح فرمایا تھا،تو آپ نے فرمایا:اگر میں ایسا کہوں تو مجھے تلوار سے مار دینا۔لیکن جب آپ کو تلوار ماری گئی تو تلوار آپ کے جسم سے ہوا کی طرح پار ہوگئی۔واضح ہوگیا کہ بایزید بسطامی نے خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی نفی فرمائی جس سے خدا کا اثبات ہوا۔حلولی بھی اگر اسی تلوار سے مارے جانے کے لیے تیار ہو جائیں تو ہم ان کی صداقت تسلیم کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ تلوار ان کے جسم سے ہوا کی طرح گزر جائے۔

۲۔تفضیلی عقیدہ کی تردید:۔قرآنی آیت اُولٰئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً یعنی تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ لڑی،ان کا درجہ بہت بلند ہے۔اس کے بعد خرچ کرنے والے اور جنگ لڑنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے (الحدید۵۷:۱۰)۔اس آیت میں سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی افضلیت دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے۔اور وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقٰی (الیل:۱۷)۔اس آیت کے بارے میں تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اس آیت میں آپ کو سب سے بڑا متقی کہا گیا ہے اور یہی افضلیت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں خود امامت کے مصلّٰی پر کھڑا فرمایا(بخاری حدیث:۶۷۸،مسلم حدیث:۹۴۸)۔کسی اور کی تجویز دی گئی تو فرمایا:یَأۡبَی اللّٰهُ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا اَبَا بَکۡرٍ یعنی اللہ اور اس کے تمام فرشتوں نے ابوبکر کے سواء ہر کسی کی امامت کا انکار کردیا ہے(مسلم حدیث:۶۱۸۱)۔ یہاں تک فرمایا کہ لَا یَنۡبَغِی لِقَوۡمٍ فِیۡهِمۡ اَبُو بَکۡرٍ اَنۡ یَّؤُمَّهُمۡ غَیۡرُهٗ یعنی کسی قوم کو زیب نہیں دیتا کہ ابوبکر کی موجودگی میں کسی دوسرے کو امام بنائے (ترمذی حدیث:۳۶۷۳)۔فرمایا ابوبکر اور عمر

جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں (ترمذی حدیث:۳۶۶۶، ابن ماجہ حدیث:۹۵)۔ نیز فرمایا ابوبکر سے افضل شخص سورج نے نہیں دیکھا بعد نبیوں کے (فضائل الصحابہ حدیث:۱۳۷، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث:۷۳۰۶، مجمع الزوائد حدیث:۱۴۳۱۳)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان (بخاری حدیث:۳۶۹۷، ابوداؤد حدیث:۴۶۲۷، ترمذی حدیث:۳۷۰۷)۔

تمام صوفیاء علیہم الرضوان کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اولیاء میں سب سے بلند روحانی مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ انکے بعد حضرت عمر فاروق، انکے بعد حضرت عثمان غنی اور انکے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

دنیائے تصوف کی نہایت بلند پایہ کتاب "التعرف" کے بارے میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ **لَوْلَا التَّعَرُّفُ لَمَا عُرِفَ التَّصَوُّفُ** یعنی اگر التعرف نہ ہوتی تو تصوف پہچانا ہی نہ جاتا۔ اس بلند مرتبہ کتاب میں لکھا ہے کہ **اَجْمَعَ الصُّوفِیَۃُ عَلٰی تَقْدِیْمِ اَبِی بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُم** یعنی صوفیاء کا اس پر اجماع ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم (التعرف صفحہ ۱۶۲)۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مقدمِ جمیع خلائق است از پس انبیاء صلوات اللّٰہ علیہم اجمعین و روا نہ باشد کہ کسی قدم اندر پیش وی نہد یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام مخلوقات سے آگے ہیں اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان سے آگے قدم رکھے (کشف المحجوب صفحہ ۶۹)۔

حضور سیدنا غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ:

خلفاء راشدین نے خلافت بزورِ شمشیر یا جبر کے ذریعے حاصل نہیں کی تھی بلکہ معاصرین پر ان کو فضیلت حاصل تھی۔ خلفاءِ راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ اور اصحابِ بدر افضل ہیں (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۸۲)۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: **اَفْضَلُ الْاَوْلِیَآءِ**

الْمُحَمَّدِیِّیْنَ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن یعنی اس بات کا بیان کہ انبیاء اور مرسلین کے بعد اولیائے محمدی میں سے سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم (الیواقیت والجواہر صفحہ ۴۴۷)۔

چشتی سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت سید میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ اپنی تصوف کی بلند پایہ تصنیف میں فرماتے ہیں کہ: اس پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد دوسری تمام مخلوق سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق ﷜ ہیں۔ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد عثمان ذوالنورین اور ان کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں (سبع سنابل صفحہ ۵۶)۔

خود سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَنْ فَضَّلَنِی عَلیٰ اَبِی بَکْرٍ وَ عُمَرَ جَلَّدْتُہٗ حَدَّ الْمُفْتَرِی یعنی جو شخص مجھے ابوبکر اور عمر سے افضل کہے گا میں اسے مفتری کی حد کے طور پر اسی کوڑے ماروں گا (فضائل الصحابہ حدیث: ۴۹، السنۃ لعبد اللہ ابن احمد بن حنبل حدیث: ۱۲۴۲، المؤتلف والمختلف للدارقطنی جلد ۳/۹۲)۔

قرآن کی آیات میں اشارۃً، احادیث شریفہ میں صراحتاً، اجماع امت میں شدۃً، تمام صوفیاء علیہم الرضوان کی کتابوں میں اہتماماً، تمام عقائد کی کتابوں میں ضرورۃً، بے شمار شعراء کی درسی کتابوں میں حمد اور نعت کے بعد ترتیباً، تمام جمعہ کے خطبات میں ترویجاً اور متواتراً، بے شمار صوفیاء کے نعروں میں محبۃً، حتیٰ کہ ہیر وارث شاہ اور سیف الملوک تک میں چار یارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ افضلیت اسی معروف ترتیب سے موجود ہے۔مشہور فریدی نعرہ ہے:

اللہ محمد چار یار حاجی خواجہ قطب فرید

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: از مذہبِ رفاض و از ملتِ خوارج بے زارم، من کہ سنی دوست دارِ چار یارم یعنی میں رافضیوں کے مذہب اور خارجیوں کی ملت سے بے زار ہوں، میں سنی ہوں اور چار یار کا یار ہوں (عقلِ بیدار صفحہ ۲۴۶ مصنف حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ)۔

۳۔دھمال اور رقص کی تردید: ۔غلبہ حال کی وجہ سے کسی صوفی کا پھڑکنا، گر جانا اور کپڑے پھاڑ ڈالنا کوئی اعتراض کی بات نہیں۔لیکن ایسے شخص کو ہوش نہیں رہتا اور وہ موزون حرکات یعنی

ردھم قائم نہیں رکھ سکتا۔اسی کے بارے میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:
صاحب الحال مغلوب یعنی صاحب حال مغلوب اور بے بس ہوتا ہے۔اس کے برعکس جو شخص ایک وزن پر پاؤں مارتا اور اوپر نیچے ہوتا ہے اور ڈھول کی تھاپ پر ردھم قائم رکھ سکتا ہے وہ دراصل ہوش میں ہوتا ہے اور مغلوب الحال نہیں ہوتا بلکہ بناوٹ سے کام لے رہا ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: بداں کہ اندر شریعت و طریقت مر رقص را ہیچ اصلے نیست و ہیچ کس از مشائخ آں را نستودہ اند و اندر آں غلو نہ کردہ اند و ہر اثر کہ اہل حشو اندراں بیارند آں ہمہ باطل بود .... و محال باشد کہ افضل مردمان آں کنند یعنی جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت دونوں میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے اور مشائخ میں سے کسی ایک نے بھی اس کو پسند نہیں فرمایا اور اس میں غلو نہیں کیا، خرافاتی لوگ اس کے بارے میں جتنے آثار پیش کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں ......اور محال ہے کہ بزرگان دین ایسی حرکت کریں (کشف المحجوب صفحہ ۴۷۶)۔

وہ شخص حق کے راستے سے سخت دور ہے جو بے بس ہو کر پھڑ کنے کو رقص سمجھ رہا ہے۔
سخت دور افتد آن کس از طریقِ صواب کہ آں را رقص خواند (کشف المحجوب صفحہ ۴۷۶)۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمت اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین وملت بنا لیا ہے اور اسی کو اطاعت وعبادت سمجھ لیا ہے۔ أُولٰئِکَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا دِيْنَهُمْ لَهْواً وَّلَعِباً (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو ولعب کو اپنا دین بنا لیا ہے) اور روایت سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعل حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے، تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع ورقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو اطاعت وعبادت سمجھنا کیسا برا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم تابعداروں کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا (مکتوبات امام ربانی جلد ۱، مکتوب نمبر ۲۶۶)۔

۴۔ ملامت کا جھوٹا بہانہ اور اس کی تردید: ۔آج کل کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خلافِ شرع حرکات اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ ہمیں برا سمجھیں۔ ہم پر ملامت کریں اور ہمارے درجات بلند ہوں۔ اپنے حق میں لَا یَخَافُونَ لَومَۃَ لَائِمٍ آیت پڑھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو حق پر ہوتے ہیں اور لوگ ناحق ان پر تنقید کر کے گناہگار ہوتے ہیں اور جن پر بے جا تنقید ہو ان کے گناہ واقعی معاف ہوتے ہیں یا درجات بلند ہوتے ہیں بلکہ کسی منزل میں پھنسے ہوئے ہوں تو اس ملامت کو برداشت کرنے کی برکت سے اس منزل سے نکل جاتے ہیں۔ لیکن اگر غلطی کسی کی اپنی ہو اور علماء اس کے شر سے لوگوں کو آگاہ کریں جیسے مرزا قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا تو اب اس پر تنقید کرنے والے حق پر ہوں گے اور اس سے اس کے درجات بلند نہیں ہوں گے۔

ملامت کروانے والے فلموں میں کام کرنا، نماز نہ پڑھنا، داڑھی منڈا دینا اور نفس کی خواہش کے مطابق ہر کام کرنا ہی کیوں پسند کرتے ہیں؟ شریعت پر عمل پیرا ہو کر بھی تو ملامت کروائی جا سکتی ہے۔ خصوصاً اس دور میں جو شخص پانچ وقت کی نماز پڑھے لوگ اسے ریا کار کہنا شروع کر دیں گے، جو داڑھی رکھ لے لوگ اسے ملا، چھرا، مسیٹر وغیرہ خدا معلوم کن کن القاب سے نوازیں گے۔ شلوار ٹخنے سے اوپر کر لیں تو لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔

باعثِ ملامت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سب باتیں نفس کے لیے بھی مصیبت ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے وضو کرنا اور رات کو تہجد کے لیے اٹھنا نفس کو روند کر رکھ دیتا ہے۔

فقیر کے لیے نفس کی باریک شرارتوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی طرف سے نفس کو مار رہے ہوں اور نفس مرنے کی بجائے موٹا ہو رہا ہو۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کے لیے تکلف سے کام لے کر کوئی تدبیر اختیار نہ کی جائے۔ صادق فقراء کا معاملہ اللہ کریم کے سپرد ہوتا ہے اور وہ ذات خود بخود وقت آنے پر فقراء کو ایسے حالات سے دوچار کر دیتی ہے جس سے ان کی منزل آسان ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس کا سلسلہ کاملین کا سلسلہ ہو۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ مجھے ولایت

کے جھوٹے دعوے داروں کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے ایک آدمی سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہوگئی۔ مگر اس نے یہ بہانہ بنایا کہ میرا یہ عمل ملامت کے لیے تھا۔ اس پر کسی نے کہا کہ یہ عذر و بہانہ بیہودہ ہے۔ میں نے اسے دیکھا کہ غیظ و غضب سے اس کا سانس پھول گیا۔ میں نے اس سے کہا اے شخص! اگر ملامت میں تیرا دعویٰ درست تھا تو اس آدمی کے اعتراض پر ناراض ہونے کا کیا مطلب؟ یہ تو تیری مرضی کی بات کر رہا ہے۔ جب وہ تیرے ساتھ تیری راہ میں موافقت کرتا ہے تو تیرا اس سے جھگڑا ہی کیا؟ تجھے کیوں غصہ آتا ہے (کشف المحجوب صفحہ ۱۱۳)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل درپیش آئی۔ میں نے اس مشکل سے خلاصی پانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس سے قبل بھی مجھ پر ایسی ہی مشکل پڑی تھی تو میں نے حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی تھی اور میری وہ مشکل آسان ہوگئی تھی۔ اس مرتبہ بھی میں نے ارادہ کیا کہ وہاں حاضری دوں۔ بالآخر تین ماہ تک مزار مبارک پر چلہ کشی کی تا کہ میری یہ مشکل حل ہو جائے۔ ہر روز تین مرتبہ غسل اور تیس مرتبہ وضو کرتا اس امید پر کہ مشکل آسان ہو مگر پریشانی دور نہ ہوئی تو خراسان کے سفر کا ارادہ کیا۔

اس ملک میں ایک رات ایک گاؤں میں پہنچا، وہاں ایک خانقاہ تھی جس میں صوفیوں کی ایک جماعت رہائش پذیر تھی۔ میرے جسم پر کھردری اور سخت قسم کی گدڑی تھی۔ مسافروں کی مانند میرے ساتھ کچھ زیادہ سامان نہ تھا، صرف ایک لاٹھی اور لوٹا تھا۔ اس جماعت نے مجھے حقارت کی نظر سے دیکھا اور کسی نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق باہم گفتگو کرتے اور کہتے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ درست بھی تھا کہ میں ان میں سے نہیں تھا۔ لیکن مجھے چونکہ وہاں رات گزارنی ضروری تھی، گنجائش نہ ہونے کے باوجود میں ٹھہر گیا اور انہوں نے مجھے دریچہ میں بٹھا دیا اور وہ لوگ اس سے اونچی چھت پر چلے گئے۔ میں زمین پر رہا۔ انہوں نے میرے آگے ایک سوکھی اور پھپھوندی لگی ہوئی روٹی ڈال دی۔ میں ان کھانوں کی خوشبوؤں کو سونگھ رہا تھا جو وہ لوگ خود کھا رہے تھے۔ وہ لوگ مجھ پر برابر آوازیں کس رہے تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوگئے تو خربوزے کھانے لگے اور دل لگی سے ان کے چھلکے میرے سر پر پھینک کر میری تحقیر و توہین کرتے رہے۔ اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ، اگر میں تیرے محبوبوں کا

لباس پہننے والوں میں سے نہ ہوتا تو میں ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاتا۔ پھر جتنی بھی مجھ پر ان کی طعن و تشنیع زیادہ ہوتی رہی میرا دل مسرور ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس واقعہ کا بوجھ اٹھانے سے میری مشکل حل ہو گئی۔ اس وقت مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مشائخ کرام، جاہل لوگوں کو اپنے ساتھ کیوں گوارا کرتے ہیں اور کیوں ان کی سختیاں جھیلتے ہیں؟ یہ ہیں کامل تحقیق کے ساتھ ملامت کے احکام۔ وباللہ التوفیق (کشف المحجوب صفحہ ۶۶)۔

۵۔ دورِ حاضر میں قلندری: ۔اصل قلندری یہ ہے کہ اپنے فقر کو چھپایا جائے، صرف فرائض واجبات اور سنن کی پابندی کی جائے۔ یہ لوگ نوافل اسلیے ترک کر دیتے تھے تاکہ لوگ انکی مذمت کریں اور انہیں ولی نہ سمجھیں۔ ہر ولی دراصل اللہ کی طرف مجذوب ہوتا ہے۔ ان میں جو لوگ جذب کو غالب رکھتے ہیں اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں ان کے اس انداز کو قلندرانہ کہا جاتا ہے۔ جیسے شیخ شمس الدین تبریزی، مولانا روم، حضرت خواجہ محمد گیسو دراز، شیخ فخر الدین عراقی اور حافظ شیرازی علیہم الرحمہ۔ اولیاء اللہ میں سے جو لوگ سلوک کو غالب رکھتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی راہ پر چلتے ہیں وہ سالک کہلاتے ہیں جیسے چاروں سلسلوں کے بانی حضور سیدنا غوثِ اعظم، حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیری، حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبند اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہم الرحمہ۔

اگر کسی قلندر نے درست بات نہیں فرمائی تو صحو والے اور انبیاء کی راہ پر چلنے والے صوفیاء نے ان کی اصلاح کر دی ہے۔ جیسے حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کی بعض باتوں کی اصلاح شیخ محمد اکرم صابری قدس سرہ نے اپنی کتاب اقتباس الانوار میں فرمائی ہے اور ان کی یہ کتاب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں قبول ہوئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان مروندی (شہباز قلندر) قدس سرہ العزیز اور حضرت بوعلی قلندر پانی پتی علیہ الرحمہ دونوں اللہ کریم جل شانہ کے پیارے بزرگ ہیں۔ لیکن آج کے دور میں قلندری کے نام پر جو چیزیں پھیلائی جا رہی ہیں، صوفیائے کاملین اور خود حضرت لعل شہباز قلندر قدس سرہ ان باتوں سے بےزار ہیں۔

حضور سیدنا غوثِ اعظم قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے

ہیں: ثُمَّ تَشَعَّبَ مِنْهُمْ اَهْلُ الْبِدْعَةِ ، ثُمَّ انْتَسَبَ بَعْضُهُمْ اِلَى قَلَنْدَرَ وَ بَعْضُهُمْ اِلٰى حَيْدَرَ وَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَدْهَمَ وَ غَيْرِ ذٰلِكَ يَطُوْلُ شَرْحُهَا یعنی ان میں سے بعض اہلِ بدعت کئی شعبوں میں تقسیم ہو گئے، پھر ان میں سے بعض نے اپنے آپ کو قلندری کہا اور بعض نے حیدری اور بعض نے خود کو ادہم وغیرہ کی طرف منسوب کیا جس کی تفصیل لمبی ہے (سر الاسرار صفحہ ۵۸ مصنف حضور غوثِ اعظم)۔

حضرت سلطان باہو قدس سرہ العزیز ایک مقام پر لکھتے ہیں: جان لے کہ جب شیطان لعین دیکھتا ہے کہ اللہ کا طالب، اللہ کے قریب پہنچنے کو ہے اور وہ عنقریب مقام طریقت کو طے کر کے مقامِ حقیقت و معرفت میں پہنچ جائے گا، تو وہ دونوں مقامات کے درمیان تمام شیاطین کو جمع کر کے عرش و کرسی، لوح و قلم، زمین و آسمان، بہشت و دوزخ، حور و قصور اور استدراجی شیاطین کو موجود کر دیتا ہے۔ اور خود زرّین تخت پر بیٹھ کر فرعونی دعویٰ کرتا ہے اور خدا بن کر طالب سے کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ عبادت کی ہے، وہ ہماری درگاہ میں قبول ہے۔ اور پیشاب کا پیالہ بھر کر اسے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے پیو، یہ شرابِ طہور کا پیالہ ہے۔ اگر وہ اس پیشاب کو پی لیتا ہے، تو اس پیشاب کا پینا مقام نارِ شیطانی میں آتا ہے۔ اور شیطان اس سے کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ فرض، سنت، واجب و مستحب اور ظاہر میری عبادت کی، میں نے تیری ساری عبادت تجھے بخش دی۔ تجھے میرا دیدار بس کافی ہے، کیونکہ تو میرے نور سے ہے۔ اور میں تیرے نور سے ہوں۔ جو کچھ تیری زبان پر آئے، تو کہہ ڈال اور جو کچھ تیرے سامنے آئے، کھالے۔ قلندر اہل بدعت ہو جا۔ یہ ہے راز، جسے تو خوش آواز ساز کے ساتھ راگ سے سن۔ پس جو شخص کہ خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ استدراج ابلیس کو بے علمی اور جہالت کی وجہ سے معلوم نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ناقص لوگ بے باطنی کی وجہ سے اپنے طالبوں اور مریدوں کے سامنے حقیقتِ دیدارِ الٰہی بیان کرتے ہیں۔ اور استدراج کو معراج کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں ظاہراً بندگی کی حاجت نہیں رہی۔ (اس طرح سے) وہ طالبوں اور مریدوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور وہ گمراہ اپنے پیشوا کے ساتھ ملعون اکبر اہل سلب کے مقام میں آجاتے ہیں (مجالسۃ النبی صفحہ ۶۱)۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب عوارف المعارف میں ''نام کے صوفی'' کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ: کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں

جوخود کو کبھی قلندریہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور کبھی ملامتیہ کے نام سے............قلندریہ سے ایک ایسے گروہ کی طرف اشارہ ہے جن کے دلوں پر خوش دلی کے نشہ نے قبضہ کرلیا ہے، یہاں تک کہ ان کی عادتیں بگڑ گئی ہیں، اس خوش دلی کے نشہ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا ہے، آدابِ مجلس سے بے گانہ بن گئے لوگوں سے ملنے جلنے کے اطوار و آداب کی ان کو پرواہ نہیں، ہمہ وقت ترنگ میں رہتے ہیں، خوشدلی کے میدان میں پھرنے کی بدولت نماز روزہ سے غافل ہوتے ہیں (عوارف المعارف صفحہ ۲۲۵ از حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ)۔

واضح رہے کہ یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ وہ بزرگ ہیں جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کے مرشد ہیں اور حضرت زکریا ملتانی وہ بزرگ ہیں جو حضرت عثمان مروندی المعروف بہ شہباز قلندر قدس سرہ کے مرشد ہیں۔ اب آپکو یقین ہو گیا ہوگا کہ قلندری کے نام پر جو باتیں لعل شہباز قلندر قدس سرہ کیطرف منسوب کی جارہی ہیں ان اللہ کے پیاروں کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی تنقید سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قلندری طریقہ ان سے پہلے موجود تھا اور حضرت شہباز قلندر قدس سرہ اسکے بانی نہیں ہیں۔

قلندری کی طرف منسوب ہونے کے باوجود حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ نے اپنے مریدوں کو جو وصیت فرمائی وہ ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل قلندری کیا تھی اور آج کل کی نقل کیا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کی وصیت

مولانا نے آخری وقت میں اپنے مریدوں کو یہ وصیت فرمائی: اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَبِقِلَّةِ الطَّعَامِ وَقِلَّةِ الْمَنَامِ وَقِلَّةِ الْکَلَامِ وَھِجْرَانِ الْمَعَاصِیّ وَالْاٰثَامِ وَمُوَاظَبَةِ الصِّیَامِ وَدَوَامِ الْقِیَامِ وَتَرْکِ الشَّھْوَاتِ عَلَی الدَّوَامِ وَاِحْتِمَالِ الْجَفَاءِ مِنْ جَمِیْعِ الْاَنَامِ وَتَرْکِ مُجَالَسَةِ السُّفَھَاءِ وَالْعَوَامِ وَمُصَاحَبَةِ الصَّالِحِیْنَ وَالْکِرَامِ وَاِنَّ خَیْرَ النَّاسِ مَن یَّنْفَعُ النَّاسَ وَخَیْرُ الْکَلَامِ مَاقَلَّ وَدَلَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ یعنی میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ تم چھپ کر بیٹھو یا سرِ عام۔ تھوڑا کھاؤ، کم سویا کرو اور کم بولا کرو، گناہوں اور معاصی کو ترک کر دو، ہمیشہ روزہ رکھا کرو، ہمیشہ

رات کو تہجد پڑھا کرو، ہمیشہ کے لیے خواہشات کو ترک کردو، تمام لوگوں کا ظلم برداشت کرتے رہو، بے وقوفوں اور عام لوگوں کی ہم نشینی چھوڑ دو، صالحین اور بزرگ لوگوں کی صحبت اختیار کرو، اور لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے، بہترین کلام وہ ہے جو مختصر ہو اور مدلل ہو، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ (نفحات الانس صفحہ ۶۵۶)۔

۶۔ ماہر عملیات:۔ عامل اور کامل میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عامل ایک وظیفہ پڑھ پڑھ کر اس کا مؤکل یا کوئی جن اپنے قبضے میں کر کے اس کے ذریعے جائز ناجائز کام کرواتا رہتا ہے۔ بعض عاملین انہی کے ذریعے پوشیدہ معلومات حاصل کر کے عوام میں شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ منہ مانگے پیسے لے کر لوگوں کے کام کرتے ہیں اور ان کی دوکانوں پر طرح طرح کے بورڈ لگے ہوتے ہیں۔ عوام الناس انہیں بزرگ، پیر اور ولی سمجھتے ہیں۔ یہ ایسا دھندا ہے جو رافضی، خارجی، ہندو، عیسائی سب لوگ کر رہے ہیں اور ان کی دوکانداری خوب چمک رہی ہے۔

ان کے برعکس کاملین کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وظیفہ اللہ کی رضا کی خاطر پڑھتے ہیں اگر انکے پاس مؤکل آ بھی جائے تو اسے آزاد کر دیتے ہیں اور دنیا حاصل کرنے پر لعنت بھیجتے ہیں۔

مبلغینِ تصوف کی خدمت میں

(ا)۔ بعض لوگ اپنے مریدوں کو تصوف کا مبلغ بنا کر میدان میں اتار دیتے ہیں جو ابھی تک خود کسی کنارے نہیں لگے ہوتے۔ ایسے لوگ اپنے مرشد کے بارے میں ایسی ایسی باتوں کی تبلیغ کرتے ہیں کہ اگر ان کے مرشد نے اس کی اجازت دی ہے تو حیرت ہے ایسے مرشد پر۔

ایسے خدا کے بندوں کو اگر دست بستہ ایسی باتوں سے منع کیا جائے تو منع کرنے والے کو ملاں کہہ دیں گے اور کہیں گے کہ یہ روحانیت کی باتیں ہیں جنہیں تم نہیں سمجھتے۔ سوچنا چاہیے کہ اگر یہ روحانیت کی باتیں ہیں تو آپ انہیں زبان پر یا کتاب کے صفحے پر کیوں لے آئے؟ اور کیونکر طریقت کے اصولوں کو پامال کیا؟

کامل صوفیاء کا طریقہ یہ رہا ہے کہ دین کی تبلیغ کو اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک انہیں روحانی طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس کا حکم نہیں ملا۔ حتیٰ کہ مرید اپنے مرشد کے حکم پر بھی

تبلیغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ہم حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کا سچا واقعہ باحوالہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ مرشد کی حیات میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید سے عرض کیا ہمیں ایسی نصیحت فرمایا کیجیے جس سے ہمارے دلوں کو چین وقرار آئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک میرے شیخ اپنے مقام پر جلوہ افروز ہیں میں کوئی تلقین نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ ایک رات آپ کو رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوا حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اے جنید لوگوں کو وعظ ونصیحت کیوں نہیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک جہان کو نجات عطا فرمائے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ یہ خیال فرمارہے تھے کہ میرا درجہ، میرے شیخ کے درجہ میں پیوست ہوگیا ہے اور مجھے نبی کریم ﷺ نے دعوت وتبلیغ کا امر فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ نے ایک مرید کو بھیجا کہ جب جنید نمازِ فجر کا سلام پھیریں تو ان سے کہنا تم نے مریدوں کے کہنے سے تعلیم وتبلیغ نہ کی اور نہ مشائخ بغداد کی سفارش قبول کی۔ سب کی درخواستوں کو رد کرتے رہے۔ میرا پیغام پہنچا تب بھی تبلیغ شروع نہیں کی۔ اب تو نبی کریم ﷺ کا حکم بھی ہوچکا ہے۔ اب تو حکم بجالاؤ۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے جانا کہ میرا شیخ میرے دل سے بخوبی واقف ہے اور وہ میری ظاہری وباطنی ہر حالت سے باخبر ہیں۔ ان کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے کیونکہ وہ تو میرے اسرار سے واقف ہیں اور میں تو انکے احوال سے بے خبر ہوں۔ اسکے بعد میں اپنے شیخ کے دربار میں حاضر ہوا اور توبہ واستغفار کیا (کشف المحجوب صفحہ ۱۳۶)۔

بلکہ خود انبیاء علیہم السلام نے بھی اس کام کو اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک انہیں آسمان سے اس کا حکم نہیں ملا مَا اَطَاقَتْهُ الْاَنْبِيَآءُ حَتّٰى عُقِدَتْ عَلَيْهِ مِنَ السَّمَآءِ (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۳)۔

اس طرح کے کچے مبلغ دعوے بہت کرتے ہیں، غیر سنجیدہ ہوتے ہیں، شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں، آستانوں کے بند کمروں میں بیٹھ کر کی جانے والی گفتگو کو سرِ عام شروع کردیتے ہیں۔ یہ ایسی گفتگو ہوتی ہے جسے انکے اپنے ہی سنجیدہ اور پرانے پیر بھائی آستانے پر بھی پسند نہیں کرتے۔

ایسے لوگ حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ کی مثال بہت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی فتووں سے نہیں ڈرتے۔ اللہ ان لوگوں پر رحم کرے۔ اول تو یہ لوگ حسین بن منصور

کے مقام و مرتبہ بلکہ ان والی کیفیت میں عملی طور پر موجود نہیں ہوتے بلکہ محض سن سنا کر کیفیات کا لحاف اوڑھ رکھا ہوتا ہے۔ ثانیاً بالفرض اس میں صداقت موجود بھی ہو تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حسین بن منصور علیہ الرحمہ کا دعویٰ کاملین کے ہاں پسند نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمۃ اپنے غلبہ حال میں جب حضرت عمرو بن عثمان سے جدا ہو کر حضرت جنید کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اسلئے کہ آپکی صحبت میں رہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے مجنونوں کی صحبت درکار نہیں ہے کیونکہ صحبت کے لیے صحت چاہیے۔ جب تم آفت کی موجودگی میں میرے قریب رہو گے تو ایسا ہی ہوگا جیسے تم نے حضرت عبداللہ تستری اور عمرو کے ساتھ رہ کر کیا اور پھر جدا ہو کر چلے آئے (کشف المحجوب صفحہ ۱۹۸)۔

نیز داتا صاحب علیہ الرحمہ اپنی کتاب کشف الاسرار میں ابن حلاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے اللہ کا راز گلی میں پھینک دیا اور اس کی معرفت خاک میں مل گئی۔

واضح ہو گیا کہ صوفیا کے وہ شطحیات جو ان کی زبان یا قلم سے کسی خاص حال یا کیفیت میں سرزد ہوتے ہیں، وہ طریقت کا قاعدہ نہیں بن سکتے۔ ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس سے ختم نبوت کا انکار لازم آئے اور قادیانیت کو موقع ملے۔

(۲)۔ آج کل تصوف کے یہ مبلغین نہایت غالی ہوتے ہیں۔ جاہل ہونے کے باوجود علماء و صوفیاء پر گرفت کرتے ہیں۔ اور اس بات نے اہل سنت کو نہایت خطرناک صورتِ حال سے دو چار کر رکھا ہے۔ یہ لوگ ادب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خود بے ادب ہوتے ہیں، یہ لوگ صوفیانہ باتوں کو عوام کی سمجھ سے بالاتر مانتے ہیں مگر خود اپنی زبان سے ہی ایسی باتیں بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ ''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است'' مگر خود بزرگوں پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ لوگ مولویوں کو فتوے باز کہتے ہیں مگر خود سب سے زیادہ فتویٰ بازی کرتے ہیں، جو ان کے اپنے اصول کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ جہالت اور بے ادبی پر بھی مبنی ہوتی ہے۔ یہ لوگ صفا کا دعویٰ رکھتے ہیں مگر ہر بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ بعض لوگ ملامتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب کوئی ملامت کرے تو اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

اس وقت علماء و صوفیاء ایسے ہی جاہل مبلغین اور نام نہاد عاشقوں کی تنقید کا نشانہ بنے

ہوئے ہیں جنہیں تبلیغ کی اجازت ہی نہیں۔ یہ لوگ علماء سے سمجھنے کی بجائے انہیں سمجھانا چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ''جہالت جمع شرارت'' کی کامل تصویر ہیں۔

(۳)۔ ان مبلغین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تصوف کی کچھ اصطلاحات یاد کر کے تصوف پر بہترین لیکچر دے لیتے ہیں مگر تصوف کے عملی قواعد وضوابط سے واقف نہیں ہوتے۔ عوامی نفسیات کا یہ حال ہے کہ جو شخص تصوف پر اچھی تقریر کرے یا اپنی تقریر کے دوران رونا شروع کر دے، یہ بے چارے اسے زمانے کا ولی سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں
تا بخواند بر سلیمے زاں فسوں

ترجمہ:۔ کمینہ آدمی درویشوں کے الفاظ اور اصطلاحات چوری کر لیتا ہے تاکہ بھولے اور سلیم الطبع لوگوں پر اپنا منتر چلا سکے۔

ہم نے یہ باتیں اس لیے تحریر کر دی ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہو سکے۔ حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تک صوفیاء ایک دوسرے کو ان کے عیوب پر تنبیہ کرتے رہیں گے تو ٹھیک رہیں گے، مگر جیسے ہی انہوں نے آپس میں صلح کر لی اور تنبیہ چھوڑ دی تو ان میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی (رسالہ قشیریہ صفحہ ۳۱۴)۔

طریقت کے طالب کیلئے یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ دنیا میں قیامت تک حق اور باطل کی کشمکش کو جاری رہنا ہے۔ اگر باطل سرے سے ہی مٹ جائے تو قیامت آ جائے۔ کسی صاحب نظر کا قول ہے کہ **لَوْلَا الْحُمَقَاءُ لَذَهَبَ الدُّنْيَا** اگر احمق ختم ہو جائیں تو دنیا ہی ختم ہو جائے۔ دراصل ہر قسم کے لوگوں کے وجود سے ہی دنیا کی رنگینی قائم ہے۔ یہ اس بے نیاز کی تقدیر کے فیصلے ہیں کہ اس نے کچھ لوگوں کیلئے جنت بنائی ہے اور کچھ کیلئے جہنم۔ لہٰذا صاحبِ طریقت کو چاہیے کہ کلمۂ حق بولنا نہ چھوڑے اور امر و نہی کا فریضہ ترک نہ کرے، لیکن لوگوں میں گمراہی دیکھ کر ضرورت سے زیادہ بے چین اور رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ سے فرمایا: **فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ** یعنی اے محبوب کیا آپ اپنی جان سے گزر جائیں گے اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے؟ (الشعراء: ۳)۔

چوتھا باب

تصوف پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کی تردید

(سَبِیْلُ السَّلَامِ لِمَنْ اَنْکَرَ التَّصَوُّفَ فِی الْاِسْلَام)

غیر مقلدین(اَلَّذِیْنَ یَنْتَحِلُونَ اَھْلَ الْحَدِیْثِ) کے ایک معروف مجلّہ میں تصوف پر نہایت دلیری سے اعتراضات اچھالے گئے، ہم بحمد اللہ ان تمام اعتراضات کے جوابات مجلّہ کا نام لیے بغیر پیش کر رہے ہیں۔

سوال نمبر 1۔ تصوف کے نام اور اصطلاح کا قرآن و حدیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ دوسری صدی میں پہلی بار تصوف کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

جواب:۔ الحمدللہ آپ نے تصوف کی اصطلاح کم از کم تیرہ سو سال پرانی تسلیم کر لی۔

محترم! تصوف اپنی حقیقت کے لحاظ سے اس آیتِ قرآنی میں اپنی مکمل آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہے: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْناً وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب انہیں جاہل مخاطب ہوتے ہیں تو انہیں سلام کہہ کر ٹال دیتے ہیں (الفرقان: ۶۳)۔

ثانیاً تصوف ترجمہ ہے تزکیہ کا۔ اور تزکیہ کا لفظ بھی قرآن میں بار بار استعمال ہوا ہے۔

ثالثاً اگر آپ عین ''تصوف'' ہی کی اصطلاح کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تو اس کا مادہ صوف ہے اور صوفیاء کا ایک معروف قول یہ ہے کہ تصوف کا لفظ صفہ سے لیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے وہ کثیر التعداد صحابہ جو صفہ کے چبوترے پر رہ کر حضور ﷺ سے روحانی تربیت حاصل کرتے تھے۔ ان کے طریقہ سے تعلق کی بنا پر تصوف کو موسوم کیا گیا ہے۔ اصحابِ صفہ کے بارے میں دوسرے باب میں تفصیلاً تحریر گزر چکی ہے۔

سوال نمبر 2۔ جب مسلم حکمرانوں اور خلفاء کی رسہ کشیاں اور اقتدار کے لیے جنگ و جدال عروج پر پہنچا تو ردِ عمل میں مسلمانوں میں ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے سیاست اور اقتدار سے لاتعلقی کا رویہ

اپنانا شروع کیا۔ گویا تصوف جین مت، بدھ مت، جمہوریت اور کمیونزم کی طرح ردِّعمل کا نتیجہ ہے۔

جواب:۔ آپ نے مسلمان خلفاء کی جنگوں کی تفصیل نہیں بتائی اور نہ ہی الگ رہنے والے لوگوں کا نام بتایا ہے۔ ہم عرض کیے دیتے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جنگِ جمل ہوئی تو بے شمار صحابہ کرام غیر جانبدار رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک وقت فتنوں کا آئے گا جس میں بیٹھا آدمی کھڑے سے بہتر ہوگا، کھڑا آدمی چلتے سے بہتر ہوگا، چلتا آدمی دوڑتے سے بہتر ہوگا۔ جو اس فتنے میں پھنس گیا، یہ فتنہ اسے پھنسا دے گا۔ لہٰذا جو شخص اس سے بچ سکتا ہو بچ جائے (بخاری حدیث:۳۶۰۱، مسلم حدیث:۷۲۴۷)۔

نبی کریم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی کا نام حضرت ابوموسیٰ اشعری ہے رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے یہی حدیث پڑھی اور فرمایا کہ میں نہ علی کا ساتھ دوں گا اور نہ عائشہ کا (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۸)۔

اُس وقت لوگ چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ بصرہ میں، دوسرا کوفہ میں، تیسرا شام میں اور چوتھا غیر جانبدار۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے غیر جانبدار گروہ کو سب سے بہتر قرار دیا (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۸)۔

مزید سماعت فرمایئے۔ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد کرنے کیلئے نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی کی مدد کرنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے فرمایا واپس چلے جاؤ۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں جنگ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ یہ حدیث سن کر وہ واپس چلے گئے (بخاری حدیث:۳۱، مسلم حدیث:۷۲۵۲)۔

اب فرمایئے خلفاء کی رسہ کشی میں لاتعلق رہنے والا طبقہ کون تھا؟ وہ جین مت، بدھ مت، جمہوریت اور کمیونزم کے پیروکار تھے یا صحابہ کرام؟ اور بخاری و مسلم میں یہ احادیث امریکی تعلیمات ہیں یا نبی کریم ﷺ کے ارشادات؟

سوال نمبر 3:۔ سیاست اور اقتدار سے لاتعلقی گوشہ نشینی میں بدل گئی۔

جواب:۔ لاتعلقی والے اعتراض کا جواب دیا جا چکا ہے۔ باقی رہی گوشہ نشینی! تو اس کی شرعی حیثیت

کیا ہے اور کیا صوفیاء گوشہ نشین ہوتے ہیں یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ آپ نے گوشہ نشینی کو جس طرح جنم لیتے ہوئے دکھایا ہے یہ سراسر جھوٹ اور افترا ہے۔

گوشہ نشینی کی بنیاد قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ قرآن میں **وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً** گوشہ نشینی کی اصل موجود ہے۔ مکہ کی پہاڑی پر غارِ حراء کا وجود آج بھی گوشہ نشینی کا زندہ گواہ ہے اور بخاری اور مسلم کی احادیث اس پر شاہد ہیں۔ ایک اور حدیث شریف کے صاف الفاظ ہیں: **سِيْرُوْا هٰذَا جُمْدَانَ قَدْ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ الحديث** یعنی اس جمدان پہاڑ کی سیر کرو، تنہائی میں چلے جانے والے لوگ آگے نکل گئے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ تنہا لوگ کون سے ہیں۔ فرمایا اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں (مسلم حدیث: ۶۸۰۸)۔

اب ہم ایک نہایت دلچسپ حدیث شریف پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اگر دل میں ایمان موجود ہے تو دل کے کانوں سے سنو۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے معروف ترین تیرانداز صحابی دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر جنگل میں اونٹ چرانے لگ گئے۔ آپ کے بیٹے عمر آپ کے پاس جنگل میں حاضر ہوئے۔ جب حضرت سعد نے اپنے بیٹے کو دور سے آتے دیکھا تو فرمایا، اے اللہ مجھے اس اونٹ پر سوار ہو کر آنے والے سے بچانا۔ وہ پاس آکر اونٹ سے اترے اور کہا: تم ادھر اپنے اونٹوں اور بکریوں میں مصروف ہو اور لوگوں کو ملک کے تنازع جات میں چھوڑ دیا ہے؟ حضرت سعد نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا چپ ہو جا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ** یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو متقی ہو، غنی ہو اور چھپ کر زندگی گزارتا ہو (مسلم حدیث: ۷۴۳۲)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ** یعنی قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں جنہیں لے کر وہ پہاڑ کی چوٹی پر چلا جائے گا جہاں سے بارش اٹھتی ہے، اور وہ اپنا دین بچا کر اور فتنوں سے بھاگ کر وہاں جائے گا (بخاری: ۱۸، مسلم: ۴۴۶۱)۔

اس سے قبل ہم غیر جانبداری کے حق میں دو صحیح ترین حدیثیں نقل کر چکے ہیں۔ اب

آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ یہ لاتعلقی گوشہ نشینی میں نہیں بدلی بلکہ گوشہ نشینی کی اصل قرآن و سنت کی تصریحات میں پہلے سے موجود ہے۔

واضح رہے کہ قرآن وسنت کے اکثر دلائل کی رو سے نفس کی اصلاح کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا ایک عارضی اور وقتی چیز ہے۔ جبکہ بعض واضح دلائل سے مستقل طور پر تارک الدنیا ہو جانا بھی بعض بزرگوں کے حق میں ثابت ہے۔ جیسے حضرت خواجہ اویس قرنی۔ انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے گورنر کے نام سفارشی خط لکھ کر دینے کی پیش کش فرمائی تھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ مجھے اس خط کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے زمین کی خاک پر بیٹھنا اور لوگوں سے پوشیدہ رہنا زیادہ پسند ہے (مسلم حدیث: ۶۴۹۲)۔ اس سے پہلے آپ حدیث پڑھ چکے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو متقی ہو، غنی ہو اور چھپ کر زندگی گزارتا ہو (مسلم حدیث: ۷۴۳۲)۔

<u>سوال نمبر 4۔</u> دوسرے مذاہب میں تارک الدنیا لوگ پہلے ہی موجود تھے۔ ہندومت، بدھ مت اور عیسائیت سے متاثر ہو کر اسلام میں بھی بے شمار مشرکانہ خرافات کو داخل کر دیا گیا۔

<u>جواب:۔</u> جس سیڑھی کے ذریعے آپ اس سوال تک پہنچے ہیں ہم نے پچھلی سطور میں اس سیڑھی کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَی الْفَاسِدِ کا مصداق ہے۔ یعنی ایسا فساد جس کی بنیاد بھی فساد ہو۔

ثانیاً آپ کے اس سوال میں ہی اس سوال کا جواب موجود ہے۔ چنانچہ آپ فرما رہے ہیں کہ ''دوسرے مذاہب میں تارک الدنیا لوگ پہلے ہی موجود تھے''۔

گویا ان مذاہب میں کچھ لوگ تارک الدنیا تھے اور کچھ لوگ تارک الدنیا نہیں تھے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ان مذاہب کے تارک الدنیا لوگوں سے مشابہت سے انسان صوفی بن جاتا ہے تو انہی مذاہب میں جو لوگ تارک الدنیا نہیں ہیں ان سے مشابہت کی وجہ سے انسان منکرِ تصوف کیوں نہیں بن جاتا؟ اور منکرینِ تصوف کی ہندومت، بدھ مت اور عیسائیت سے مشابہت لازم کیوں نہیں آتی؟

<u>سوال نمبر 5۔</u> صوفی ازم کا مرکز ایشیاء اور افریقہ رہا ہے۔ گویا یہ عرب کی پیداوار ہی نہیں۔

جواب:۔ اولاً آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ عرب شریف کون سے بِراعظم میں واقع ہے۔ یا پھر آپ بلاخوفِ تردید سب کچھ فرمائے جا رہے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ عرب شریف بھی ایشیاء ہی کا ملک ہے۔ پھر تصوف عرب کی پیداوار کیسے نہیں؟

اگر تصوف کا مرکز ایشیاء اور افریقہ رہے ہیں تو پھر کیا ہوا؟ آپ کا کیا خیال ہے تصوف کا مرکز ایشیاء اور افریقہ کے علاوہ کون کون سے بِراعظم ہونے چاہییں؟ ان دونوں براعظموں کے علاوہ تین بِراعظم یہ ہیں: آسٹریلیا، یورپ اور امریکہ۔ فرمایئے کیا تصوف کا مرکز کفار کے ان اکثریتی بِراعظموں کو ہونا چاہیے تھا؟

یہی اعتراض مسٹر غلام احمد پرویز نے صحاح ستہ کے مصنفین پر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تمام محدثین عجم سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی بخارا کا رہنے والا ہے، کوئی اصفہان کا۔ کوئی ترمذ کا رہنے والا ہے اور کوئی سجستان کا۔ پرویز کا یہ اعتراض سراسر غلط اور جہالت پر مبنی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ تصوف کے قرآن و سنت سے ثابت ہونے کے باوجود اسے عجم کی پیداوار قرار دینے والے خود جب پرویز کے سامنے پھنستے ہیں تو اس سے کس طرح جان چھڑاتے ہیں۔

سوال نمبر 6۔ کمیونسٹوں نے تصوف کی وجہ سے ہی مذہب کو افیون کا نام دیا تھا۔ اسی نے اسلام کو ترقی نہیں کرنے دی اور اسے لوگوں کے دنیاوی مسائل سے کوئی غرض نہیں۔ اسی کی وجہ سے سیکولر لوگ اسلام سمیت ہر مذہب سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سارا قصور تصوف کا ہے۔

جواب:۔ مضمون نویس نے غیر سنجیدگی اور عدمِ تحقیق کی انتہا کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کمیونسٹوں نے دنیا کے ہر مذہب کو مطلقاً افیون کہا تھا نہ کہ صرف تصوف کو۔

ثانیاً لوگوں کے دنیاوی مسائل سے غرض رکھتے وقت یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ دنیا کو مخالفینِ تصوف کی طرح ترجیح دینا سراسر باطل ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ یعنی یقین کر لو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا

ہےاور عارضی زینت اور آپس کی مقابلہ بازی ہےاور ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں آگے نکلنے کی کوشش ہے۔ اسکی مثال اس بارش کی طرح ہے جسکی پیداوار کسانوں کو پسند آتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو اے دیکھنے والے پھر تو اسے دیکھتا ہے کہ وہ زرد ہو گئی پھر اسکے بعد وہ چورہ چورہ ہو جاتی ہےاور آخرت میں نافرمانوں کے لیے سخت عذاب ہےاور فرماں برداروں کے لیے اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے(الحدید: ۲۰)۔

حبیب کریم ﷺ نے فرمایا اَلَا اِنَّ الدُّنیَا مَلْعُونَۃٌ وَمَلْعُونٌ مَا فِیھَا اِلَّا ذِکْرَ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ وَعَالِمٌ اَو مُتَعَلِّمٌ یعنی دنیا پر لعنت ہےاور جو کچھ اس میں ہےاس سارے پر لعنت ہے سواء اللہ کے ذکر کے اور اسکے متعلقات کے اور عالم یا شاگرد کے (ترمذی حدیث: ۲۳۲۲، ابن ماجہ حدیث: ۴۱۱۲)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر دنیا کی وقعت مکھی کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کوئی کافر پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پی سکتا (ترمذی حدیث: ۲۳۲۰، ابن ماجہ حدیث: ۴۱۱۰)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دنیا کی وقعت اللہ کے ہاں ایک مردار جانور سے بھی کم ہے(مسلم حدیث: ۷۴۱۸)۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ کام کاج کی کثرت سے اور چکی پیس پیس کر مجھے تھکن ہو جاتی ہے۔ مجھے ایک نوکر یا خادمہ عنایت فرما دیں۔ آپ ﷺ نے غیر مقلدین کے مذہب پر عمل نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دیتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر پڑھا کرو۔ مگر نوکر فراہم نہیں فرمایا (بخاری حدیث: ۳۱۱۳، مسلم حدیث: ۶۹۱۵)۔

اب ان دلائل کو پڑھ لینے کے بعد ایک مشہور صوفی رحمت اللہ علیہ کے اس مصرعے کو ذرا غلط ثابت کر کے دکھانا:

ادھی لعنت دنیا تائیں تے ساری دنیا داراں ہو

ثالثاً شرعی ضرورت اور اتباعِ سنت کی حد تک صوفیاء علیہم الرضوان نے ہمیشہ دوسرے لوگوں سے بڑھ کر دنیا میں حصہ لیا ہےاور سیاست اور دینی تعلیمات میں پیش پیش رہے ہیں۔ چنانچہ صوفیاء نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ عوام کے مسائل حل کرانے کی خالص نیت کے ساتھ

حکمرانوں سے تعلقات رکھنا بھی جائز ہے۔

رابعاً صوفیا ہر وقت لوگوں کی خدمت کے لیے کمربستہ رہتے ہیں۔ ذرا کسی آستانے پر تشریف لے جائیے اور روزانہ ہزاروں افراد کی آمدورفت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیے فَمِنْهُمْ ذُوْ حَاجَةٍ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ کا منظر یاد آجائے گا۔ چند مجذوب یا غیر ذمہ دار قسم کے نام نہاد صوفیاء کی باتوں کے ہم ذمہ دار نہیں۔ اس قسم کے بے شمار افراد ان ظاہری علماء میں بھی ہم دکھا سکتے ہیں جنہوں نے لوگوں کے دنیاوی مسائل حل کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ محض اندر بیٹھ کر شروح اور تفاسیر لکھتے رہے اور بعض نے تو اتنا بھی نہیں کیا۔ اور بعض صرف درباری ملا بن کر زندگی گزار گئے۔

صوفیاء کرام علیہم الرضوان نے ہر زمانے میں افیون کا نشہ کرنے کی بجائے دین کی خدمت کی ہے اور ان کی خدمات کو کوئی دوسرا مائی کا لال نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو خدا اور رسول کی اس طرح اطاعت کرے کہ ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسرے ہاتھ میں حدیث (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۱۲)۔

حضرت امام غزالی رحمت اللہ علیہ کی علم کلام پر تحقیقات اور دیگر موضوعات پر تصانیف اہل علم سے مخفی نہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمت اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں شریعت پر سخت زور دیا ہے، کم ظرف اور غیر ذمہ دار لوگوں کی سخت تردید کی ہے اور اپنی کتاب کا آغاز علم کے باب سے کیا ہے۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں شرعی علوم کے دریا بہا دیے ہیں۔ بد مذہب لوگوں اور باطل فرقوں کا نام لے لے کر اور سرخیاں قائم کر کر کے رد فرمایا ہے۔ نیز آپ کا بادشاہِ وقت کو سرزنش فرمانا آپ کی سوانح حیات کی کتب میں صراحتاً مذکور ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ نے نوے لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھایا۔ اگر انکے نزدیک کفر اور اسلام میں کوئی فرق نہیں تھا تو پھر کسی کو مسلمان کرنے اور کلمہ پڑھانے کا کیا مطلب؟

ہلاکو خان کے مقابلے پر مسلمانوں کے کام آکر انقلاب برپا کر دینے والا شخص ایک صوفی ہی تھا نہ کہ کوئی غیر مقلد۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمت اللہ علیہ نے اکبر بادشاہ سے ٹکر لی اور اس کے گھڑے ہوئے دینِ الٰہی کی سرِ عام مخالفت کی۔ اقبال علیہ الرحمۃ نے آپ ہی کے بارے میں لکھا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفسِ گرم سے گرمیٔ احرار

آپ نے روافض کے رد میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی جس کا نام رد الروافض ہے۔

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمت اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف سبع سنابل میں بار بار عقیدۂ اہل سنت کی حقانیت پر زور دیتے ہیں بلکہ پہلا باب ہی عقیدوں اور مذہبوں کے موضوع پر مرتب فرمایا ہے اور اہل بدعت روافض اور تفضیلیوں کی تباہی کر کے رکھ دی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ ایک عظیم صوفی بزرگ ہیں۔ آپ نے تصوف کے موضوع پر انفاس العارفین، شفاء العلیل اور الانتباہ فی سلاسل الاولیاء جیسی عظیم المرتبت کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ صوفی ہونے کے باوجود آپ نے برِ صغیر کی سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا۔ احمد شاہ ابدالی کو افغانستان میں خط لکھا کہ ہندوستان پر حملہ کردو۔

پیر پگارا حضرت صبغۃ اللہ شاہ صاحب راشدی قدس سرہٗ نے انگریز کے خلاف حُر مجاہدین کھڑے کر دیے اور بالآخر انگریز ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت پیر مہر علیشاہ گولڑوی رحمت اللہ علیہ نے مرزا قادیانی کا مقابلہ کیا۔ اس کے مناظرے کے چیلنج کو قبول فرمایا اور قادیانیوں کے خلاف شمس الہدایہ اور سیفِ چشتیائی جیسی بے مثال کتابیں لکھیں۔ مذاہبِ باطلہ کی کھل کر تردید فرمائی بلکہ ان موضوعات پر مستقل کتابیں لکھیں۔

پاکستان بنانے میں حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب، حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری، پیر صاحب مانکی شریف، میرا شریف، زکوڑی شریف، سیال شریف، بھر چونڈی شریف وغیرہم علیہم الرحمۃ نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شمولیت فرمائی اور پاکستان مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

ہمارے شیخ کریم قطب الاقطاب حضرت پیر سائیں محمد قاسم محدث مشوری قدس سرہٗ نے لاڑکانہ میں بھٹو کے مقابلہ پر الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا اور باطل کے رد میں ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔

آپ کی تصانیف میں فتاویٰ قاسمیہ، معلم الفرائض، اَوْضَحُ الْبَیَانِ اَنَّ الشِّیْعَۃَ اَعْدَاءُ الْقُرْآنِ اور اَلْبَیِّنَاتُ الْوَاضِحَاتُ فِیْ اِثْبَاتِ الذِّکْرِ بِالْجَھْرِ بَعْدَ الْمَکْتُوْبَاتِ اہم کتابیں ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہٗ جمعیت علماءِ پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے۔ آپ کی کتاب مذہبِ شیعہ ایک نہایت محققانہ کتاب ہے۔

افغانستان میں نقشبندی سلسلے کے صوفیاء خانقاہوں سے نکلے اور روس کو تہہ وبالا کر کے دکھا دیا۔ یہ محض چند مثالیں ہیں جو ہم نے پیش کیں، ورنہ اس موضوع پر اگر لکھنے بیٹھا جائے تو دفتروں کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔

آج بھی پاک و ہند میں اہم ترین دینی مدارس انہی صوفیاء کے آستانوں پر قائم ہیں۔ لہٰذا صوفیاءِ کرام علیہم الرضوان پر بے حسی، شرعی معاملات میں عدمِ دلچسپی اور صلح کلی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ میڈیا پر واویلا کرنے والے مغرب کے زرخرید افراد کی الزام تراشیاں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں خریدے جاتے رہے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے بھی ایسے ہی لوگوں کو خرید لیا تھا اور یہ دھندا آج بھی جاری وساری ہے۔

سوال نمبر 7:۔ صوفیاء نے اسلامی اقتدار اور حکومت کے مقابلے پر باطنی اقتدار کا ڈھونگ رچایا حتیٰ کہ خلیفہ اور گدی نشین کی اصطلاح بھی اسی ضد میں وضع کر لی۔ غوث کو ولیوں کا خلیفہ اور سربراہ مانا جاتا ہے۔ یہی انکا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ اور ہر نکمے اور سادہ لوح آدمی کو خلیفہ بنا دیا جاتا ہے۔

جواب:۔ ہمیں حیرت ہو رہی ہے کہ آپ کس طرح ڈھٹائی کے ساتھ تصوف کو حکومت کا چربہ کہہ رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ خلیفہ، گدی نشین اور غوث کو سربراہِ حکومت کے مقابلے پر کھڑا کیا گیا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک اسلامی زندگی کے تین مختلف شعبے ہیں۔ ان میں سے ہر شعبے کو ڈیل کرنے والے لوگ مختلف ہیں۔

پہلا شعبہ اسلامی حکومت کا ہے۔ ملک میں اسلامی قانون رائج کرنا اور سزاؤں کا نفاذ کرنا، فوجیں تیار رکھنا اور جہاد کرنا اور عوام کی فلاح و بہبود پر توجہ دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی حکومت کا قیام فرضِ کفایہ ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین پر بھی اسے مقدم کر دیا گیا

تھا۔حکومت کی مثال بادام کے بیرونی چھلکے جیسی ہے جو سخت مضبوط ہوتا ہے۔اور اسے توڑنا آسان نہیں ہوتا۔حکومت ڈنڈے سے اصلاح کرتی ہے۔

دوسرا شعبہ علماءِ کرام کا ہے۔اپنی ضرورت کی حد تک شرعی علوم میں مہارت حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔اجتہادی سطح تک علم حاصل کرنا اور لوگوں کو راہنمائی دینا فرضِ کفایہ ہے۔علماء کی مثال بادام کے اندر والے چھلکے جیسی ہے جو مغز کے اوپر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔علماء زبان سے اصلاح کرتے ہیں۔

تیسرا شعبہ تصوف اور روحانیت کا ہے۔اپنے نفس کی اصلاح اور ریاکاری، تکبر، حسد وغیرہ سے بچنا اور نیت کو درست رکھنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔لیکن اس میں ایسی مہارت حاصل کرنا کہ دوسروں کو بھی انہی چیزوں کی تربیت دی جا سکے، فرضِ کفایہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر بندے کو خلافت نہیں دی جاتی۔روحانی شعبے کی مثال بادام کے اندر والے مغز جیسی ہے۔کیونکہ آخرت کی بخشش کا دارومدار اسی نفس کی اصلاح اور نیت کی درستی پر ہے۔

تقریباً یہ ساری بحث حضور غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاقدس نے اپنی کتاب سرالاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار میں لکھی ہے۔حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی یہی بحث نہایت علمی اور دقیق انداز سے فرمائی ہے (احیاء العلوم صفحہ ۲۳)۔

ہم بار بار واضح کر رہے ہیں کہ غیر ذمہ دار قسم کے لوگوں کی باتیں، شعرا اور ان کا ہر کس و ناکس کو خلافت دے دینا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔اس طرح کے لوگ ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں۔خود تصوف کے مخالفین میں بھی غیر ذمہ دار اور احمق افراد کی کمی نہیں ہوگی۔آپ خود بتائیے کیا آپ اپنے ہر فرد پر ایک جیسا اعتماد کر سکتے ہیں؟ کیا آپ اپنے تمام علماء کے نظریات اور تحریرات سے متفق ہیں۔

اگر تصوف میں کسی کو غوث کہہ دیا جاتا ہے تو پھر کیا ہوا؟ صوفیاء کو اپنی اصطلاحات وضع کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔اہل سنت کے علماء تو محدث اور اہل حدیث کا لفظ حدیث کے ہر استاد کے لیے بھی استعمال نہیں کرتے جبکہ آپ کے ہاں ہر اس شخص کو محدث کہہ دیا جاتا ہے جس نے چند سال کسی مدرسے میں دھکے کھا لیے ہوں اور اہل حدیث تو آپ پیدائشی ہوتے ہیں۔پھر

اہل حدیث، محدث اور سلفی کی اصطلاح بھی قرآن وسنت سے کہیں ثابت نہیں۔ محض غوث کے لفظ پر اتنی برہمی اور ناراضگی کیوں ہے؟

سوال نمبر 8۔ صوفیاء کے باطنی نظام کے مطابق غوث، قطب اور ابدال کا نظام بنادیا گیا ہے جو قضاوقدر پر نظر رکھتے ہیں۔ اور ان کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں۔

جواب:۔ اس میں قباحت ہی کیا ہے؟ اولاً تو یہ روحانی باتیں ہیں جنہیں ہر کس و ناکس اور خصوصاً ظاہریت کا حامل نہیں سمجھ سکتا۔ ہم آگے چل کر انشاء اللہ تفصیل سے بیان کریں گے کہ باطنی علوم کہاں سے ثابت ہیں۔ ہم قرآن بھی دکھائیں گے اور احادیث بھی۔ بخاری بھی پڑھیں گے اور مسلم بھی۔ فی الحال اتنا عرض ہے کہ قرآن شریف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْراً یعنی قسم ہے امر کی تدبیر کرنے والوں کی (النازعات: ۵)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نظامِ دنیا کی باطنی تدبیر کرنے والوں کی قسم اٹھائی ہے اور مدبراتِ امر اگر آپ کے خیال میں فرشتے ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ فرشتے بھی تو غیر اللہ ہیں، پھر فرشتوں کو مدبرات امر ماننا شرک کیوں نہیں؟ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یعنی اللہ خود امر کی تدبیر فرماتا ہے (سجدہ: ۵، یونس: ۳۱)۔ قرآن کے ان الفاظ میں اللہ نے خود اپنے آپ کو امر کی تدبیر کرنے والا قرار دیا ہے۔ مگر اوپر والی آیت میں مدبراتِ امر غیر اللہ کو کیوں کہہ دیا؟

ثانیاً حدیث شریف میں ہے کہ عَنْ عَلِیٍّ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ، اَلْاَبْدَالُ یَکُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَهُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً، کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَکَانَهٗ رَجُلاً یُسْقٰی بِهِمُ الْغَیْثُ وَیُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَی الْاَعْدَآءِ وَیُصْرَفُ عَنْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ رَوَاهُ اَحْمَدُ یعنی ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہوں گے، جب کبھی کوئی ابدال فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر نیا ابدال بھیج دے گا، ان کی برکت سے بارشیں ہوں گی اور ان کی برکت سے دشمنوں کے خلاف مدد ملا کرے گی اور ان کی برکت سے شام والوں سے عذاب ٹلا رہے گا (مسندِ احمد حدیث: ۸۹۹)۔

اس حدیث میں نہ صرف ابدالوں کا ذکر ہے بلکہ انکی برکت سے عذاب ٹل جانے کا ذکر بھی موجود ہے۔ آپکے نزدیک امام احمد بن حنبل تو محدث ہی ہوں گے۔ آپ امام بخاری علیہ الرحمہ

کے استاد ہیں نہ کہ کس وناکس۔ یہ حدیث انہوں نے اپنی کتاب مسندِ احمد میں بیان فرمائی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن صامت ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اَلْاَبْدَالُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ثَلَاثُوْنَ مِثْلُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَکَانَهٗ رَجُلاً** یعنی اس امت میں ابراہیم خلیل اللہ سے مشابہت رکھنے والے تیس ابدال ہوا کریں گے۔ ایک ابدال فوت ہوگا تو اسکی جگہ اللہ تعالٰی دوسرا ابدال بھیج دے گا (مسندِ احمد حدیث: ۲۲۸۱۸)۔ اس حدیث کی سند میں کلام ہے مگر ہر کلام بھی حتمی نہیں ہوتا اور پھر دوسری احادیث کی تائیداسے قوت بھی فراہم کر رہی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ **اِذَا ضَلَّ اَحَدُکُم شَیْئًا اَوْ اَرَادَ عَونًا وَ هُوَ بِاَرضٍ لَیْسَ بِهَا اَنِیْسٌ ، فَلْیَقُل یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُونِی ، فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ** یعنی جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز پردیس میں گم ہو جائے یا اسے مدد کی ضرورت ہو تو اسے پکارنا چاہیے کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ بے شک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے (**رَوَاهُ الطِّبْرَانِی وَ کَذَا فِی مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ وَالْحِصْنِ الْحَصِیْنِ وَ کِتَابِ الْاَذْکَارِ لِلنَّوِوِی ، وَالحَدِیثُ صَحِیْح ، وُثِّقَ رِجَالُهٗ**)۔

یہ حدیث صحیح ہے اور خصوصاً حصن حصین کے مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے۔

اس حدیث کے الفاظ **فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ** (اللہ کے بندے ایسے موجود ہوتے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے) سے اخذ کرتے ہوئے ان ابدالوں کو رجال الغیب کہا جاتا ہے۔

عَنِ الْمُسَیَّبِ بْنِ نَجَبَةَ قَالَ قَالَ عَلِیُّ بْنُ أُبِی طَالِبٍ ﷺ : **قَالَ النَّبِیُّ** ﷺ **إِنَّ کُلَّ نَبِیٍّ أُعْطِیَ سَبْعَةَ نُجَبَاءَ رُفَقَاءَ أَوْ قَالَ نُقَبَاءَ ، وَأُعْطِیْتُ أَنَا أَرْبَعَةَ عَشَرَ ، قُلْنَا مَنْ هُمْ ؟ قَالَ أَنَا وَآبْنَایَ وَ جَعْفَرُ وَ حَمْزَةُ وَ أَبُوبَکْرٍ وَ عُمَرُ وَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَیْرٍ وَ بَلَالٌ وَ سَلْمَانُ وَ الْمِقْدَادُ وَ أَبُو ذَرٍّ وَ عَمَّارٌ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ۔**

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب ﷺ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو سات نجیب رفیق دیے گئے یا شاید فرمایا نقیب دیے گئے، جبکہ مجھے چودہ دیے گئے۔ ہم نے کہا وہ کون کون ہیں؟ فرمایا:

میں اور میرے دو بیٹے، اور جعفر اور حمزہ اور ابوبکر اور عمر مصعب بن عمیر اور بلال اور سلمان اور مقداد اور ابوذر اور عمار اور عبداللہ بن مسعود (ترمذی حدیث:۳۷۸۵، مسند احمد حدیث:۲۶۸)۔حَسَنٌ

سوال نمبر 9۔ ابن عربی کے نزدیک صوفیاء کی ولایت نبوت سے بھی افضل ہے۔ مرزا قادیانی کو یہیں سے نبوت کا دعویٰ کرنے کا موقع ملا تھا۔

جواب:۔ ابن عربی رحمت اللہ علیہ کے نزدیک نبی کا خدا سے تعلق اسی نبی کی ولایت کہلاتا ہے اور نبی کا انسانوں سے تعلق اسی نبی کی نبوت کہلاتا ہے۔ نبی کی اپنی ولایت یعنی خدا سے دوستی، اسکی اپنی نبوت یعنی انسانوں سے تعلق سے افضل ہے۔ یہ بات شیخ اکبر کی کتب اور ان کی شروح میں تفصیل سے موجود ہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سیفِ چشتیائی میں بھی اسکی اسی طرح وضاحت فرمائی ہے۔ اور مرزا قادیانی کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا ہے۔

شیخ اکبر سیدنا محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اسے ہم اپنے سے اس طرح بلند دیکھتے ہیں جس طرح آسمان کے ستارے ہم سے بلند ہیں۔ ابن عربی علیہ الرحمۃ کے اصل الفاظ یہ ہیں **لَا یَصِحُّ اَنْ یُّنَالَ مَقَامَ النُّبُوَّۃِ اِنَّا نَرَاہُ کَالنُّجُوْمِ عَلَی السَّمَآءِ**۔

شیخ اکبر کی عبارات کو سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ خصوصاً آپ جیسے اہلِ ظواہر اور متعصبین کے بس میں تو بالکل ہی نہیں ہے۔

باقی رہا مرزا قادیانی تو اس ظالم نے صوفیاء کے اقوال کو ہی نہیں بلکہ دوسرے علماء کے اقوال کو اور اس سے بڑھ کر قرآن و سنت کو بھی اپنی نبوت کی بنیاد بنانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ غلام احمد پرویز تو یہاں تک کہتا ہے کہ احادیث کا ذخیرہ مرزا کو نبی بنانے کا سبب بنا۔

سوال نمبر 10۔ وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول کے عقائد سے ہر چیز کو خدا بنا دیا جاتا ہے۔

جواب:۔ آپ نے یہ باتیں لکھتے وقت دیانت داری سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ محقق ہوتے تو ایسی الزام تراشی کرتے وقت خدا کا خوف کر لیتے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ آپ کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کو جب ہم اس مضمون میں نقل کرتے ہیں تو مکمل ایمانداری سے نقل کر کے پھر اس کا رد لکھتے ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر ہم نے خود اپنے اوپر اس طرح سخت

سوالات وارد کیے ہیں کہ اس طرح سوال بنانے کا شعور آپ کو خود بھی نہیں تھا۔ایک دیانتدار محقق کا یہی انداز ہونا چاہیے۔اگر ہمت ہے تو صوفیاء کے حلولی ہونے کا ثبوت پیش کیجیے۔یادرکھیے کہ حلول کا نظریہ سراسر کفروالحاد ہے اور صوفیاء کرام اس سے سو فیصد بری الذمہ ہیں۔

باقی رہا وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔تو اس موضوع پر تفصیل سے عرض کرنے کی بجائے ہم قرآن وسنت کی تصریحات آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔آپ خود نتیجہ نکال لیجیے۔ہم نتیجہ اس لیے بیان نہیں کررہے کہ ہم پر ان دلائل کی ایسی تعبیر کا الزام نہ لگے جو تعبیر آپ نے اپنی مخصوص عینک کے ساتھ صوفیاء کے ہاں تلاش کرلی ہے۔

(۱)۔ اللہ کریم فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

(۲)۔ فرماتا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:۱۶)۔

(۳)۔ فرماتا ہے۔فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۱۵)۔

(۴)۔ اور فرماتا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال:۱۷)۔

(۵)۔ اور فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح:۱۰)۔

حدیثِ پاک میں ہے:

(۱)۔ مَنْ عَادیٰ لِی وَلِیّاً فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحربِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِی بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ ، وَمَا يَزَالُ عَبدِی يَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهُ ، فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصرَهُ الَّذِیْ يُبصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِی يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِی يَمْشِی بِهَا وَاِنْ سَأَلَنِی لَاُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِی لَاُعِيذَنَّهُ ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَن شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِی عَنْ نَفسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْموتَ وَاَنَا اَكرَهُ مُسَآءَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ یعنی جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میرا اعلانِ جنگ ہے،جن چیزوں سے میرا بندہ میرے قریب ہوتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ پسندوہ چیز ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے،میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے،میں اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے،میں اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے،پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے،اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے

ضرور عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں، میں اپنے کسی کام کے بارے میں کبھی متردد نہیں ہوا سوائے مومن کی جان لینے کے، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں بھی اسکی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں مگر اسکی موت ضروری ہوتی ہے (بخاری حدیث:۶۵۰۲)۔

(۲)۔ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ یعنی خبردار اللہ کے سواء ہر چیز باطل ہے (بخاری حدیث:۶۱۴۷، مسلم حدیث:۵۸۸۹)۔

(۳)۔ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَ تَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذریعے سے حرکت کرتے ہیں (بخاری قبل حدیث:۷۵۲۴ ترجمۃ الباب)۔

قرآن وسنت کے اس قدر ان گنت بیانات سے بھی صوفیاء کرام نے حلول کو ہر گز ثابت نہیں فرمایا بلکہ کائنات کو محض اس کی جلوہ گاہ قرار دیا ہے۔ ہر چیز کے فنا ہو جانے کے بعد صرف خدا کا باقی رہنا الگ چیز ہے اور ہر چیز کا خود خدا بن جانا الگ چیز ہے۔ پہلی چیز حق ہے اور دوسری چیز کفر ہے۔

سوال نمبر 11۔ صوفیاء کے نزدیک قرآن وسنت کے ایک ظاہر معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی۔ اس نظریے کی بنیاد ابن عربی نے رکھی۔ حالانکہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ فرمایا تھا اور سب صحابہ نے جواب دیا تھا بلیٰ۔ کسی صحابی کو ظاہری اور کسی کو باطنی معنی بتانا یکسانیت نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنا نبی کریم ﷺ پر الزام ہے۔

جواب:۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک قسم کا علم تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس دوسری قسم کا علم تھا۔ فرمایئے علم کی یہ تقسیم کس نے کی ہے؟ صوفیاء نے یا خدا نے؟

ثانیاً حدیث شریف میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اِنَّکَ عَلٰی عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰہِ عَلَّمَکَہُ اللّٰہُ لَا اَعْلَمُہُ وَاَنَا عَلٰی عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰہِ عَلَّمَنِیْہِ لَا تَعْلَمُہُ یعنی آپ کے پاس ایسا علم ہے جسے میں نہیں جانتا اور میرے پاس ایسا علم ہے جسے آپ نہیں جانتے (بخاری حدیث:۱۲۲، مسلم حدیث:۶۱۶۸)۔

اب فرمائیے بخاری اور مسلم آپ کی مرغوب کتابیں ہیں کہ نہیں۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ نہیں؟ کیا اس حدیث میں علم کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں کہ نہیں؟ کیا ان دو مختلف علوم کے حاملوں کا واقعہ کافی تفصیل کے ساتھ قرآن میں بھی ہے کہ نہیں؟ یہ بھی بتائیے کہ حضرت خضر کو چل کر موسیٰ کے پاس جانا پڑا تھا یا کہ موسیٰ کو چل کر خضر کے پاس جانا پڑا تھا؟ شرعی علم کی اہمیت اور مرتبہ زیادہ نکلا یا تکوینی علم کا؟

بخاری کے اسی باب میں اسی صفحہ پر یہ حدیث بھی درج ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو علم سیکھے ہیں۔ ایک علم وہ ہے جسے میں بیان کرتا ہوں۔ دوسرا علم وہ ہے کہ اگر بیان کروں تو لوگ میری گردن کاٹ دیں (بخاری حدیث: ۱۲۰)۔

اب ذرا ہوش سنبھال کر بولیے۔ علم کی یہ دو قسمیں صوفیاء بیان کر رہے ہیں یا ابو ہریرہ بلکہ حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء؟

یہ بھی فرمائیے کہ اس حدیث میں علم کی دوسری قسم سے مراد کچھ بھی سہی۔ پوچھنا یہ ہے کہ وہ دوسرا علم تمام لوگوں کو کیوں نہ بتایا گیا۔ بلکہ اگر انہیں بتایا جائے تو وہ ابو ہریرہ کی گردن کیوں کاٹتے ہیں؟ کیا ہے آپ کے پاس **اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ** کا جواب؟ اور کیا ہے آپ کے پاس صحابہ کے بلیٰ کہنے کا جواب؟

مزید سنیے۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لِكُلِّ اٰيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَ لِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ رَوَاهُ فِی شَرْحِ السُّنَّةِ** یعنی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر علم والے کے علم کی ایک حد ہے (**المعجم الاوسط** حدیث: ۷۷۳، مشکوٰۃ حدیث: ۲۳۸)۔ یہ ابن عربی نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اس ارشاد کو روایت کرنے والے ابنِ مسعود ہیں۔ جو سفر و حضر میں حضور ﷺ کے ساتھی ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ ، فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَاکَ العِلمُ النَّافِعُ ، وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَاکَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى ابنِ آدَمَ رَوَاهُ الدَّارِمِی** یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم قلب میں ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے۔ دوسرا علم زبان پر ہوتا ہے اور یہ علم آدم کی اولاد پر اللہ کی حجت ہے (سنن الدارمی حدیث: ۳۶۸)۔

سوال نمبر 12۔ عبداللہ بن سبا یہودی اس باطنی تحریک کا سب سے بڑا پرچارک تھا۔حضرت علی ﷜ نے حلولیوں کو زندہ جلا دیا تھا۔منصور حلاج نے اسی بنا پر خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا۔

جواب:۔ ہم قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ باطنی علوم کا پرچارک خود خدا ہے۔جہاں تک عبداللہ بن سبا یہودی کا تعلق ہے تو وہ بد بخت سیدنا علی ﷜ کی الوہیت،افضلیت اور خلافت بلافصل کا پرچارک تھا۔وہ رافضی تھا اور رافضیوں کی نشانی حدیث شریف میں یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے مسلمانوں پر کیچڑ اچھالیں گے (المعجم الاوسط للطبرانی حدیث:٦٦٠٥)۔

باقی رہا ابن منصور حلاج رحمت اللہ علیہ کا دعویٰ انا الحق،تو اس سلسلے میں گذارش ہے کہ قرآن شریف میں ارشادِ خداوندی ہے :**وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ،إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ، فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَى ، إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى** (طٰہٰ:٩ تا١٢)۔گویا درخت اللہ تعالیٰ کا مظہر بن گیا تو جب درخت اللہ کا مظہر ہوسکتا ہے تو کوئی انسانِ کامل اس کا مظہر کیوں نہیں ہوسکتا؟

ثانیاً ابنِ منصور رحمۃ اللہ علیہ اسے برداشت نہیں فرما سکے تھے اور ان کی طرف سے اس اظہار کا سب سے پہلے نوٹس لینے والی ہستی حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ ہیں۔حضرت داتا گنج بخش رحمت اللہ علیہ نے بھی ان پر سخت گرفت فرمائی ہے۔اور ان کے دعوے کو ان کی کمزوری قرار دیا ہے۔وہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حسین بن منصور حلاج حضرت جنید بغدادی کی صحبت میں جا کر بیٹھ گئے۔آپ نے پوچھا میرے پاس کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا آپ کی صحبت سے مستفید ہونے آیا ہوں۔آپ نے فرمایا: میں پاگلوں کو صحبت نہیں دیتا،صحبت کے لیے صحت ضروری ہے ما را بمجانین صحبت نیست ، صحبت را صحت بباید (کشف المحجوب فارسی صفحہ ١٩٨)۔

اولیاءِ کرام علیہم الرضوان نے ابن منصور کے اس دعوے کو غلبہِ حال اور عدم برداشت پر محمول فرمایا ہے۔اور کسی مسلمان کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا اور اس کی بات کا اچھا محمل

تلاش کرنا واجب ہوتا ہے۔

آپ نے خود لکھا ہے کہ علماءِ حق نے اس پر سخت گرفت فرمائی۔ تو پھر مان لیجیے کہ جنید بغدادی اور داتا صاحب جیسے صوفیاء علمائے حق ہیں۔

باقی رہا ابن منصور کو قتل کرنے کا اقدام۔ تو یہ اقدام حکومت کا ہی کام ہوتا ہے۔ حکومتِ وقت نے یہ کام کر دیا تھا۔

سوال نمبر 13۔ عالمِ کفر کیلئے تصوف میں کشش اس لیے ہے کہ تصوف جہاد سے منع کرتا ہے۔

جواب:۔ کسی صوفی کی وہ عبارت ہمیں دکھائی جائے جس میں اس نے کہا ہو کہ جہاد منع ہے۔ ہم انشاء اللہ خود اس پر لعنت بھیجیں گے۔ اگر آپ ایسا نہ کر سکیں تو پھر آپ خود جھوٹ بول رہے ہیں بلکہ جھوٹ سے بڑھ کر بہتان لگا رہے ہیں۔ جھوٹے پر لعنت ہے اور بہتان باندھنے والے پر کیا کچھ ہوگا خود اندازہ فرمالیجیے۔

ثانیاً صوفیاء کی نرم دلی اور ان میں سے بعض غیر ذمہ دار افراد کے کلام کو غلط مفہوم پہنا کر آپ نے جہاد کا انکار برآمد کر لیا ہے۔ یہی غلط مفہوم عالمِ کفر نے قرآنی آیات اور احادیث کو پہنانا شروع کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھانت بھانت کے گمراہ لوگوں سے پہلے انہوں نے نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی بھی لکھ دیا ہے۔ بلکہ جس طرح آپ نے صوفیاء کے شعروں کو غلط مفہوم پہنایا ہے اسی طرح کفار نے حدیث کے الفاظ **كُلُّكُمْ بَنِيُ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ** کو غلط مفہوم پہنایا ہے۔

سوال نمبر 14۔ اکبر بادشاہ نے اسی تصوف کی بنیاد پر دینِ الٰہی ایجاد کر لیا تھا۔ اس وقت کے مسلمانوں نے اسے رد کر دیا تھا۔

جواب:۔ اکبر کی خباثت کو رد کرنے والوں کو آپ نے مسلمان کہا ہے؟ ذرا سنیے وہ کون سے مسلمان تھے۔ وہ کوئی اہل حدیث تھا یا ایک صوفی کامل۔ اکبر کا مقابلہ کرنے والی تن تنہا شخصیت کا نام مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ العزیز ہے۔ آپ نے اکبر کو سجدہ نہیں کیا۔ جیل میں

بند کر دیے گئے۔ آپ جیل میں ہی تھے کہ اکبر مر گیا۔ اکبر کے بیٹے جہانگیر نے تخت سنبھالا تو اسے نبی کریم ﷺ نے خواب میں تشریف لا کر فرمایا کہ ہم تم سے ناراض ہیں۔ تم نے ہمارے دوست احمد سرہندی کو قید کر رکھا ہے۔ وہ صبح اٹھ کر سیدھا جیل پہنچا اور حضرت مجدد کو رہا کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت تک رہائی قبول نہیں کروں گا جب تک سجدۂ تعظیمی کی بدتمیزی ختم نہیں کی جاتی۔ جہانگیر نے سجدۂ تعظیم ختم کرنے کا وعدہ کر لیا۔ آپ جیل سے باہر تشریف لے آئے۔

یہی وہ صوفی ہیں جو وحدت الشہود کے قائل تھے جسے آپ کفریات کی فہرست میں ٹانک چکے ہیں۔ اور یہی وہ صوفی ہیں جنہوں نے اکبر کے دینِ الٰہی کو جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔ یہ کام کسی اہلِ حدیث نے نہیں بلکہ صوفیِ کامل نے سرانجام دیا تھا۔ للہ الحمد

سوال نمبر 15:۔ تصوف کی اصطلاحات کو بالائے طاق رکھ کر بتایئے کہ تصوف کی تمام تر تعلیمات کا قرآن و سنت میں کیا ثبوت ہے؟

جواب:۔ تصوف سے مراد اسلام کا روحانی نظام ہے۔ روحانیت میں خیالات کی یکسوئی اور ارتکاز کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ عقیدۂ توحید کثرتِ خیالات سے نجات دلا کر ایک ذات کی طرف یکسوئی فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا غارِ حرا میں تشریف لے جانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور پر چلہ کاٹنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوہِ سعیر میں چلہ کش ہونا، مسلمانوں کا رمضان شریف میں اعتکاف بیٹھنا، نماز میں یکسوئی اور حضورِ قلب کا حکم وغیرہ سب غیر اللہ سے انقطاع اور تبتل الی اللہ کے ذرائع ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا دنیا کی زندگی کو لعب اور لہو قرار دینا اور متاع الغرور قرار دینا، نبی کریم ﷺ کا دنیا کو ملعون قرار دینا (احمد، ترمذی، ابنِ ماجہ)، دنیا کو مردار جانور سے بھی بدتر قرار دینا (مسلم)، حدیث میں قَدْ سَبَقَ الْمُفَرِّدُون کے الفاظ (مسلم)، فتنے کے دور میں چلنے والے آدمی سے کھڑا بہتر، کھڑے سے بیٹھا بہتر (بخاری، مسلم)، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ (مسلم)۔ انہی باتوں پر صوفیاء کا عمل ہے۔

قرآن میں حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کا واقعہ تصوف کی بہت بڑی اساس

ہے۔انبیاءعلیہم السلام کے معجزات مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا اور بیماروں کوشفا دینا،اولیاء کی کرامات مثلاً حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس بے موسے پھل پہنچ جانااور آصف بن برخیا علیہ الرحمہ کا تختِ بلقیس پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دیناوغیرہ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نارِنمرود میں پھینکے جانے کاواقعہ اور آپ کا حَسْبِی عَنْ سُوَالِی عِلْمُهٗ بِحَالِی فرمانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخت میں آگ کا نظر آنا اور اس میں اللہ کریم جل مجدہ کی طرف سے آواز سنائی دینا(کمافی القرآن)وغیرہ تصوف کی معرکۃ الآراء بنیادیں ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حدیثِ احسان،انہی بخاری اور مسلم کی احادیث میں دوقسم کے علوم کی تصریحات،اصحابِ صفہ جن کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور احادیث وتفاسیر میں بھی،احادیث کی کتب میں ذکر کے ابواب اور ذکر کے حلقوں کے فضائل اِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُم ،کتاب الاخلاق،کتاب الرقاق،کتاب الزھد،باب الحب فی اللہ،اخلاص کی احادیث،باب تعبیر الرویاء، کتاب المعجزات،باب الکرامات وغیرہ سب باتیں تصوف سے ہی متعلق ہیں۔

قرآن شریف کا شفا ہونا،حدیث شریف کے الفاظ اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شِفَاءٌ ،بخاری اور مسلم میں سورۃ فاتحہ کا دم، اَلْعَيْنُ حَقٌّ اور موطا امام مالک میں اس کا عجیب وغریب علاج، حدیث کی کتابوں میں باب الرقیہ کے نام سے مکمل ابواب بھی تصوف ہی کے شاخسانے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کے تکوینی کام، مدبراتِ امر اور احادیث میں ابدالوں اور رجال الغیب کے تذکروں کا کہاں تک انکار کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے تصوف کا صرف ثبوت مانگا تھا،اسلام میں تو غالب ہی تصوف نکلا۔

باقی رہی اصطلاح۔تو زہد،تزکیہ،احسان،سلوک اور فقر ایک ہی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔یہ تمام الفاظ قرآن وسنت میں موجود ہیں انہی کو اصطلاحاً تصوف کہا جاتا ہے و لا مشاحۃ فی الاصطلاح

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَسَلَّمُ

حصہ دوم

تصوف کے میدان میں

پہلا باب

بیعت سے پہلے اور بعد

مرشد کی ضرورت اور شرائط

مرشد کی ضرورت کا سوال اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے قرآن وسنت یا کسی بھی موضوع پر مہارت حاصل کرنے کے لیے استاد کی ضرورت کا سوال اٹھایا جائے۔

پیر پکڑنے کا مقصد دم کروالینا، تعویز لے لینا اور دعا کروالینا اور نذرانے دینا نہیں۔ مرشد پکڑنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے۔ اس راستے میں نفس اور شیطان قدم قدم پر دھوکا دیتے ہیں اور قدم قدم پر راہنما کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو شخص مرشد کے بغیر راہِ سلوک میں قدم رکھتا ہے اس کا مرشد شیطان ہے۔ **من لم یکن له شیخ فشیخه الشیطان**۔

انسان تلاش کر: ۔ اپنے نفس کی اصلاح اور اللہ کریم جل شانہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا پڑتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ کمینہ کون ہے؟ فرمایا جسے اللہ تک پہنچنے کا طریقہ نہ آتا ہو اور نہ کسی سے پوچھتا ہو **مَنْ لَا یَعْرِفُ الطَّرِیْقَ اِلَی اللّٰہِ وَلَا یَتَعَرَّفُہٗ** (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۴)۔

جس طرح علوم ظاہریہ سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح علوم باطنیہ سیکھنے کے لیے اور اللہ کریم کی معرفت حاصل کرنے کے لیے مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: **وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ** یعنی اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو (المائدہ: ۳۵)۔

نبی کریم ﷺ نے یہ دونوں علوم صحابہ کرام علیہم الرضوان کو سکھائے **وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ** (البقرۃ: ۱۲۹)۔

نفس بیعت قرآن مجید کی اس آیت سے صراحتاً ثابت ہے: **اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ**

إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (اے محبوب جولوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے: الفتح:۱۰)۔

اور حدیث شریف میں ہے: عَن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُونِي عَلٰى اَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ اَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَ فّٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهٗ وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْهُ وَ اِنْ شَآءَ عَاقَبَهٗ ، فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ (مسلم:۴۴۶۱،۴۴۶۳، بخاری:۱۸)۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کہ آپ کے اردگرد صحابہ کرام کی ایک جماعت موجود تھی: مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے۔ چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولادوں کو قتل نہیں کرو گے، اپنے پاس سے گھر کے کسی فرد پر بہتان نہیں باندھو گے اور نیک کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ تم میں سے جس نے وعدہ وفا کیا اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو ان چیزوں میں سے کسی کا مرتکب ہوا اور دنیا میں ہی سزا دیا گیا تو یہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو ان چیزوں میں سے کسی کا مرتکب ہوا اور اللہ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی تو وہ اللہ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اس سے در گزر کرے اور اگر چاہے تو اسے سزا دے۔ ہم نے آپ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی۔

اوصافِ مرشد کامل

بیعت سے پہلے مرشد کی پہچان کر لینا ضروری ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (یونس: ۶۲،۶۳)۔

الَّذِينَ آمَنُوا سے معلوم ہوا کہ ولی کا عقیدہ ہمیشہ درست ہوگا اور وہ اہلِ سنت و جماعت ہوگا۔ اور بدعقیدہ شخص کبھی ولی نہیں ہو سکتا ہاں شعبدہ باز ضرور ہو سکتا ہے۔ اور وَكَانُوا يَتَّقُونَ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ولی ہمیشہ متقی ہوگا۔ اور یاد رکھو کہ علم کے بغیر تقویٰ ممکن ہی نہیں۔ اور

كُوْنُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ:۱۱۹) سے معلوم ہوا کہ اس کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک بغیر انقطاع کے پہنچنا چاہیے۔

جو شخص شریعت کا پابند نہ ہو۔ خود نماز سے غافل ہو یا مریدوں کو نماز سے روکے ایسا شخص شیطان تو ہو سکتا ہے مگر ولی نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

کارِ شیطاں می کند نامش ولی

گر ولی ایں است لعنت بر ولی

بہرحال شروع سے آج تک تمام اہلِ اسلام کا صحبتِ صالحین اور بیعت اولیاء اور ان کے ہاتھ پر توبہ کرنے پر اتفاق اور اجماع چلا آ رہا ہے۔ اور یہ طریقہ خواص وعوام تک میں متواتر جاری وساری ہے۔

عَن اَبِی هُرَیْرَةَ ﷺ وَاَبِی خَلَّادٍ ﷺ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنْ رَأَیْتُمُ الْعَبْدَ یُعْطیٰ زُهْداً فِی الدُّنیَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوهُ فَاِنَّهُ یُلَقَّی الْحِكْمَةَ [شعب الایمان للبیهقی حدیث رقم: ٤٩٨٥ ، ابن ماجة حدیث رقم: ٤١٠١]۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو خلاد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی بندے کو دیکھو جسے دنیا سے بے رغبتی اور کم گوئی عطا ہوئی ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ اسے حکمت دی گئی ہے۔

اس حدیث میں ایسے شخص کے پاس جا کر بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو اور وہ کم بولتا ہو۔ معلوم ہوا کہ صوفیاء کی تبلیغ زبان کی بجائے نگاہ سے ہوا کرتی ہے اور ان سے کچھ سننے کی بجائے محض ان کی صحبت میں بیٹھنا حکمت سے مالا مال کر دیتا ہے وَمَنْ یُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِیَ خَیْراً كَثِیراً (البقرۃ:۲۶۹)۔

مرشد بننے کے لیے شرائط یہ ہیں کہ وہ صحیح العقیدہ سنی ہو، عالم ہو، باعمل ہو، اسکے مرشد نے اسے بیعت لینے کی اجازت دی ہو اور اسکا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک جڑا ہوا ہو۔ یہ سب باتیں اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْن اور وَكُوْنُوا مَعَ الصّٰدِقِیْن سے ثابت ہیں۔ اگر کسی شخص نے ایسے مرشد کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس کا عقیدہ صحیح نہیں یعنی وہ صحیح العقیدہ اہل سنت نہیں تو اس کی

بیعت منعقد نہیں ہوئی، اور اگر کسی کا پیر اس کے بیعت کر لینے کے بعد بدعقیدہ ہو گیا تو مرید پر لازم ہے کہ اس سے قطع تعلق کرے۔

بیعت کی کئی اقسام ہیں۔(۱)۔ بیعتِ اسلام یعنی اسلام قبول کرنے کی خاطر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا۔(۲)۔ بیعتِ سیاست یعنی ووٹ دینا۔(۳)۔ بیعتِ مقصد جیسے حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان ہوئی تھی۔(۴)۔ بیعتِ تعلق جیسے کسی عالم کی تحریک میں شامل ہو جانا یا اس کا رکنیت فارم بھر دینا یا ٹیلی فون اور خط کے ذریعے بیعت کرنا۔(۵)۔ بیعتِ طریقت یعنی منازلِ سلوک طے کرنے کے لیے با قاعدہ مردِ کامل کے سامنے خود کو پامال کر دینا اور اس کی صحبت میں اس وقت تک رہنا جب تک وہ خود فارغ نہ کر دے اور عام طور پر مطلق بیعت سے یہی مراد لی جاتی ہے۔(۶)۔ بیعتِ طلب یعنی اپنے مرشد کے تمام اسباق مکمل کر لینے کے بعد اپنے مرشد کی اجازت یا حکم سے کسی دوسرے شیخ کے ساتھ کچھ عرصے کے لیے رابطہ رکھ کر مخصوص روحانی کورس کر کے اپنے مرشد کے پاس واپس آ جانا۔

بیعت کر لینے کے بعد

ہماری بیان کردہ شرائط کے حامل شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کے بعد مرید کے لیے ضروری ہے کہ اپنے شیخ کی اطاعت کرے اور اپنے آپ کو اس طرح مرشد کے حوالے کر دے جیسے مردہ غاسل کے حوالے ہوتا ہے۔ اسی لیے مشائخ علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ اَلْمُرِیْدُ کَالْمَیِّتِ وَالشَّیْخُ کَالْغَاسِلِ یعنی مرید میت کی طرح ہے اور مرشد غسل دینے والے کی طرح۔

قصہ سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات اور قصے قرآن مجید میں کثرت سے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد اولیاء کرام علیہم الرحمہ کے واقعات بھی قرآن میں موجود ہیں۔

اللہ کے پیاروں کے حالات و واقعات سننے سے کیفیت کھل جاتی ہیں۔ قلب میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ کوئی واقعہ ایسا سامنے آ جاتا ہے جو طالبِ طریقت کی موجودہ کیفیت کے عین مطابق ہوتا ہے اور اسے اس سے لائن اور راہنمائی مل جاتی ہے۔ انہیں فضول قصے کہانیاں سمجھنا

کفر ہے اور نادانی کی انتہا ہے۔ اللہ کریم نے قرآن میں متعدد بار قصہ سیدنا آدم علیہ السلام کو بیان فرمایا ہے، سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی کا قصہ، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بچپن سے لیکر بڑھاپے تک کے واقعات اور خصوصاً قصہ نارِ نمرود، سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ، سیدنا یونس علیہ السلام اور مچھلی کا قصہ، سیدنا داؤد علیہ السلام کا قصہ، سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قصہ، سیدنا شعیب علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہما السلام کا قصہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور درخت کی آگ کا قصہ اور انکا فرعون کے ساتھ مقابلے کا طویل سلسلہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کا قصہ۔

پھر قرآن یہ بھی فرماتا ہے کہ: **مِنۡهُم مَّن قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُم مَّن لَّمۡ نَقۡصُصۡ** کہ بعض انبیاء کے قصے ہم نے بیان کر دیے ہیں اور بعض کے نہیں کیے (مومن:۷۸)۔

تمام قصوں سے افضل یعنی احسن القصص حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے۔ **نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ أَحۡسَنَ الۡقَصَصِ** (یوسف:۳)۔

ان واقعات وقصص کو بیان کرنے کی حکمت قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے کہ: **نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ أَنۡبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ** تاکہ ان قصوں کے ذریعے اے محبوب ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں (ہود:۱۲۰)۔

نیز فرمایا: **فِي قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّأُولِي الۡأَلۡبَابِ** یعنی ان کے قصوں میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے (یوسف:۱۱۱)۔ اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی سیدنا موسیٰ وسیدنا خضر علیہ السلام کا قصہ ہے۔ جو قرآن مجید، بخاری، مسلم اور بے شمار دیگر کتب میں منقول ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: بعد میں کسی نے پوچھا کیا آپ سے کوئی بڑا عالم اس وقت دنیا میں موجود ہے؟ آپ نے اپنی معلومات کے مطابق اظہارِ حقیقت کے طور پر فرمایا: نہیں۔ اس پر اللہ کریم کی طرف سے عتاب ہوا کہ آپ نے علم کو میری طرف منسوب کیوں نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میرا بندہ خضر آپ سے زیادہ علم والا ہے جو دو دریاؤں کے سنگم کے پاس رہتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا باری تعالیٰ میں تیرے بندے تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ فرمایا: ایک مچھلی اپنے ساتھ رکھ لو۔ جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ بندہ ادھر ہی ہوگا۔ آپ چل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کے خادم حضرت یوشع

بن نون ﷺ بھی تھے۔ آپ نے ایک مچھلی تھیلے میں ڈال لی۔ چلتے چلتے جب دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو دونوں نے آرام کیا۔ اس دوران مچھلی تھیلے میں تڑپی اور دریا میں کود گئی اور عجب طریقے سے پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت میں سفر کیا۔ مچھلی والا واقعہ نوجوان نے دیکھا تھا مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گیا۔ پھر انہوں نے سفر جاری رکھا اور دن کا باقی حصہ اور رات بھر سفر کرتے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانا نکالو، اس سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا ہے۔ جوان نے عرض کیا حضور مچھلی فلاں جگہ پر دریا میں چلی گئی تھی اور مجھے شیطان نے بھلا دیا اور میں آپ سے عرض نہیں کر سکا۔ فرمایا: وہی جگہ ہے جہاں ہم نے پہنچنا تھا۔ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر واپس گئے۔ حتیٰ کہ دریاؤں کے سنگم کے پاس چٹان پر گئے۔ وہاں ایک آدمی کپڑا اوڑھ کر سو رہا تھا۔ آپ نے اسے سلام فرمایا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ اے اللہ تیری زمین پر سلامتی کہاں ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ فرمایا بنی اسرائیل والے موسیٰ۔ فرمایا ہاں۔ آپکو کیسے خبر کہ میں بنی اسرائیل سے ہوں۔ فرمایا جس نے آپ کو میرے پاس بھیجا ہے اسی نے مجھے خبر دی ہے۔ آپ کو اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے میں نہیں جانتا اور مجھے اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے آپ نہیں جانتے۔ کیسے آنا ہوا؟ فرمایا: **هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً** کیا میں آپ سے وہ رشد و ہدایت سیکھنے کے لیے آپکی پیروی کر سکتا ہوں جو آپ سکھائے گئے ہیں؟ فرمایا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھے صبر والا پائیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میرے ساتھ چلنا ہے تو پھر مجھ سے کسی بات کے بارے میں سوال نہ کرنا جب تک میں خود نہ بتاؤں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔

دونوں دریا کے کنارے کنارے چل پڑے۔ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری، دونوں اس کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی میں بیٹھے تھے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے بیٹھ گئی۔ اس نے دریا میں سے چونچ میں پانی لیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے پر ایسے ہے جیسے اس چڑیا نے دریا سے پانی لیا ہے۔

کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان سے کرایہ وصول نہیں کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

ان لوگوں نے آپ سے کرایہ نہیں لیا اور آپ نے احسان کا بدلہ یہ دیا کہ انکی کشتی کا تختہ توڑ ڈالا تا کہ سب لوگ ڈوب جائیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟ انہوں نے فرمایا میں بھول گیا، مجھ سے درگزر کریں۔ کشتی سے اتر کر ساحل ساحل چل رہے تھے کہ ایک لڑکا دوسرے لڑکوں میں کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے سر سے پکڑا اور ہاتھ سے قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے ننھی سی جان کو بلا وجہ قتل کر دیا، آپ نے عجیب حرکت کی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اب آپ نے پہلے سے بھی زیادہ سخت بات کی ہے۔ انہوں نے فرمایا اگر میں آئندہ کوئی سوال کروں تو آپ مجھے جدا کر دینا۔ پھر چل پڑے۔ ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اپنی روحانی قوت سے دیوار سیدھی کر دی۔ قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهٖ هٰكَذَا فَاَقَامَهٗ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمیں مہمان قبول نہیں کیا آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت وصول کر سکتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ رحم کرے موسیٰ پر، اگر وہ صبر فرماتے تو ہمیں مزید انکی باتیں معلوم ہو جاتیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کو ان باتوں کا مطلب بتا دوں جن پر آپ نے صبر نہیں کیا۔

کشتی والی بات کا پس منظر یہ تھا کہ آگے جا کر بحری ڈاکو نئی کشتیاں لوٹ رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ اس کشتی میں عیب ڈال دوں تا کہ ڈاکو اسے ناپسند کر کے چھوڑ دیں۔ جب ڈاکوؤں سے آگے گزر گئے تو ان مسکینوں نے اپنی کشتی درست کر لی۔

لڑکے والا قصہ اس طرح ہے کہ اس لڑکے کا کفر مقدر تھا۔ مگر اس کے ماں باپ مسلمان تھے اور اس پر مہربان تھے۔ اس لڑکے نے بڑا ہو کر ماں باپ کو بھی کفر میں مبتلا کر دینا تھا۔ ہم نے چاہا کہ تیرا رب انہیں اس سے بہتر لڑکا عطا کرے جو پاک ہو اور مہربان ہو۔

دیوار والی بات اس طرح ہے کہ وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ جن کا باپ نیک تھا۔ اس دیوار کے نیچے خزانہ تھا۔ تیرے رب نے چاہا کہ وہ لڑکے جوانی کو پہنچ کر اپنا خزانہ

نکال لیں۔ یہ سارے کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر آپ نے صبر نہیں فرمایا۔

قصہ سیدنا موسیٰ وسیدنا خضر علیہما السلام آپ نے پڑھا۔ اس واقعہ میں بے شمار اسباق اور فوائد پوشیدہ ہیں۔

۱۔ حضرت خضر علیہ السلام کا اسم گرامی بلیا بن ملکان ہے، خضر کا معنی ہے سرسبز۔ جہاں بیٹھتے تھے وہ جگہ سرسبز وشاداب ہو جاتی تھی اس لیے خضر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سے بڑے عالم کی نفی فرمائی۔ آپ کی یہ بات حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا سبب بنی۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے بعض اوقات ایسی بات سرزد کرا دیتی ہے جو بظاہر قابل عتاب ہوتی ہے مگر اس سے عنایات کا دروازہ کھلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ زمین میں اپنا خلیفہ بنائے، مگر سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا دیا۔ اب اگر وہ شجرِ ممنوعہ سے نہ کھاتے تو زمین پر کبھی نہ آتے۔ آپ کا شجرِ ممنوعہ سے کھالینا ظاہراً لغزش ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ارادے کی تکمیل اسی سے ہوئی۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت نہیں فرمائی تھی بلکہ ایک طالب کی حیثیت سے گئے تھے۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے حضرت خضر علیہ السلام تک رسائی چاہنا بتا رہا ہے کہ رہنما کی تلاش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

۵۔ ان کے حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلنے سے مرشد کو تلاش کرنے کا سبق ملا۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے خادم کو ساتھ رکھنا بتا رہا ہے کہ مریدوں کی وجہ سے حصول علم سے باز نہیں آنا چاہیے اور مریدوں کو اپنے لیے حجاب نہیں بنانا چاہیے۔ فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔

۷۔ خادم کے بھول جانے میں سبق یہ ہے کہ مرید غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ انہیں ڈانٹ ڈپٹ اور سمجھانا جائز ہے، لیکن اگر وہ کوئی عذر پیش کریں تو اس عذر کو قبول کرنا چاہیے۔ الکریم

یقبل العذر ۔آخرکار حضرت خضر علیہ السلام کے مل جانے سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تلاش کرتے ہیں انہیں راستہ مل ہی جاتا ہے۔من طلب وجد۔

۸۔ حضرت خضر علیہ السلام کے فرمان کہ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْراً سے معلوم ہوا کہ مرشدِ کامل اپنے طالب یا مرید سے شرائط ٹھہرا سکتا ہے۔چنانچہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے پاس ایک شخص بیعت کی غرض سے حاضر ہوا۔آپ نے فرمایا اپنا مال و دولت سب لٹا کر آ جاؤ۔وہ گیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں دے کر حاضر ہو گیا۔آپ نے فرمایا۔اب میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔اس نے کہا میں آپ سے کچھ لینے نہیں آیا تھا۔بلکہ محض بیعت کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔آپ نے اسے بیعت فرما لیا اور اس کی تربیت فرمائی۔

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ سے بھی ان کے مرشد نے فرمایا تھا کہ اپنی بیویوں کو طلاق دے کر آ جاؤ۔آپ گھر پہنچے تو بیویوں نے پاؤں پکڑ لیے۔والدہ سے بھی سفارش کرائی کہ ہم انہیں اپنے حقوق معاف کرتی ہیں مگر صرف اور صرف اپنے نکاح میں رہنے دیں اور اس تعلق سے محروم نہ کریں۔آپ نے فرمایا میں مرشد سے پوچھوں گا۔مرشدِ کریم کے پاس حاضر ہو کر پوچھا تو انہوں نے بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی۔

۹۔ کَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا سے معلوم ہوا کہ اللہ کریم جل شانہ صالحین کی اولاد کا لحاظ فرماتا ہے۔

۱۰۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ رزق کا اہتمام خود فرماتا ہے اور وقت سے پہلے ہی خزانے محفوظ کرا دیتا ہے۔

۱۱۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو سوراخ کیا تو فرمایا اَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا میں نے چاہا کہ کشتی میں عیب ڈالوں۔جب بچے کو مارا تو فرمایا فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا ۔ہم نے چاہا کہ بچہ بدل دیا جائے۔جب دیوار سیدھی کی تو فرمایا فَاَرَادَ رَبُّکَ تیرے رب نے چاہا۔تینوں مواقع پر میں نے چاہا۔ہم نے چاہا۔تیرے رب نے چاہا کے مختلف الفاظ استعمال فرمائے۔کشتی میں سوراخ کرنا عیب تھا لہٰذا اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا فَاَرَدْتُّ میں نے چاہا۔ایک بچے کو لے جانا اور دوسرا بچہ عطا کرنا عیب اور خوبی کا مجموعہ تھا، لہٰذا فرمایا اردنا ہم نے چاہا۔

تا کہ عیب کو اپنی طرف اور خوبی کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔

دیوار سیدھی کرانا بھلائی ہی بھلائی تھی، لہٰذا اس بھلائی کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا فَاَرَادَ رَبُّکَ تیرے رب نے چاہا۔ معلوم ہوا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے مَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِی۔ لیکن بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ عیب کو اپنی طرف اور خوبی کو رب کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ مگر شیطان نے اعتراف کی بجائے کہا تھا فَبِمَا اَغْوَیْتَنِیْ تو نے خود مجھے گمراہ کیا ہے۔

سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کو ایاز سے محبت تھی۔ دوسرے تمام وزیر اس پر حسد کا شکار تھے۔ ایک روز سب نے محمود سے عرض کیا کہ آپ ایاز سے زیادہ محبت رکھتے ہیں حالانکہ ہم بھی غلامی کا حق ادا کرنے میں ہمہ وقت کوشاں ہیں۔ محمود نے کہا کہ خدمت میں کمی یا زیادتی کی بات نہیں ہے۔ دراصل ایاز میں ایسی باتیں ہیں اور کچھ پر اسرار ادائیں ہیں جو آپ لوگوں میں نہیں ہیں۔ محمود نے ایک دن تمام وزراء کو جمع کیا اور ایک نہایت قیمتی ہیرا ان کے درمیان رکھ دیا۔ ایک وزیر سے کہا اپنی تلوار سے اس ہیرے کے ٹکڑے کر دو۔ اس وزیر نے اس ہیرے کی شان میں ایک لمبی چوڑی تقریر جھاڑ دی اور کہنے لگا یہ ہیرا آپ کے تاج میں سجائے جانے کے قابل ہے توڑنے کے قابل نہیں۔ محمود نے اسے شاباش دی اور دوسرے وزیر سے ہیرا توڑنے کو کہا۔ اس وزیر نے بھی اسی طرح کی فصیح و بلیغ تقریر سنا دی، باری باری تمام وزراء نے ہیرے کے قصیدے سنائے مگر اسے کسی نے نہ توڑا۔ آخر کار محمود نے ایاز سے کہا کہ اسے توڑ دو۔ ایاز نے بے حیل و حجت آگے بڑھ کر ہیرے پر تلوار ماردی اور اس کے پرخچے اڑا دیے۔ پھر محمود نے پوچھا کہ تم نے اتنا قیمتی ہیرا کیوں تباہ کر دیا؟ ایاز نے دس بستہ عرض کیا حضور غلطی ہو گئی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جدا ہوئے تو جاتے وقت پوچھا اوصنی مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا: لَا تَطْلُبِ الْعِلْمَ لِتُحَدِّثَ بِهٖ وَاطْلُبْهُ لِتَعْمَلَ بِهٖ یعنی علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ تقریر کرو گے بلکہ اس لیے حاصل کرو کہ عمل کر سکو (بغوی جلد ۳ صفحہ ۵۵)۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: وَقَدْ کَانَ الْحَسَنُ

اَلْبَصْرِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّتَکَلَّمَ فِیْ مِثْلِ هٰذِهِ الْاَسْرَارِ الخ یعنی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب ایسے اسرار کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے جن کو سمجھنا کسی نااہل کا کام نہیں تو آپ حضرت فرقد سنجی اور حضرت مالک بن دینار اور دستیاب ہونے والے اہل ذوق کو بلا لیتے اور دروازہ بند کر کے عوام سے چھپ جاتے اور اس موضوع پر ان سے گفتگو کرنے لگتے تھے۔ اگر ہر آدمی ان باتوں کا اہل ہوتا تو آپ ایسا نہ کرتے اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ سے دو علم سیکھے ہیں۔ ایک علم میں تم میں بیان کرتا ہوں اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں بیان کردوں تو میری یہ گردن کاٹ دی جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کی اس آیت اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ (الطلاق:۱۲) کے بارے میں فرماتے ہیں اگر میں اس کی تفسیر بیان کردوں تو تم لوگ مجھے پتھروں سے مارنے لگو گے اور کہو گے یہ کافر ہے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: آہ! یہاں علم کے ذخائر موجود ہیں کاش مجھے کوئی سیکھنے والا ملے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر تم لوگوں سے زیادہ نماز اور روزے کی وجہ سے آگے نہیں نکلا بلکہ اس چیز کی وجہ سے آگے نکل گیا ہے جو اس کے سینے میں پڑی ہے (رسائل ابن عربی کتاب الفناء فی المشاہدہ صفحہ ۳۰)۔

حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یَا رَبِّ جَوْهَرَ الْعِلْمِ لَوْ اَبُوْحُ بِهٖ لَقِیْلَ لِیْ اَنْتَ مِمَّنْ یَّعْبُدُ الْوَثْنَا

لَاسْتَحَلَّ رِجَالٌ مُّسْلِمُوْنَ دَمِیْ یَرَوْنَ اَقْبَحَ مَا یَاتُوْنَهٗ حَسَنَا

ترجمہ: اے میرے رب! اگر میں علم کا جوہر کھول کر بیان کردوں، تو لوگ کہیں گے کہ تم بت پرست ہو اور مسلمان لوگ ہی میرا خون حلال سمجھ لیں گے، وہ اس قبیح ترین حرکت کو نیکی سمجھیں گے (منہاج العابدین صفحہ ۵)۔

علماء کرام کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ان دونوں قسم کے علوم میں مہارت حاصل کریں۔ اور سمجھیں کہ ان نصوص، ان احادیث اور ان بزرگوں کے اقوال سے کیا مراد ہے؟ اکثر علماءِ ظاہر کا علم ان چیزوں کو سمجھنے میں حجاب بنتا ہے۔ اور بعض علماء صاحب ظرف ہونے کے باوجود اپنی امامت، خطابت اور درسی مشاغل کی وجہ سے اپنے شیخ کے آستان پر رابطہ نہیں رکھ

سکتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غیر عالم حضرات علوم باطنیہ میں ان سے آگے نکل جاتے ہیں اور بعد میں یہی علماء ان پر جاہل صوفی ہونے کا فتویٰ لگاتے ہیں حالانکہ خود ''جاہل عالم'' ہوتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جاہل عالم وہ ہوتا ہے کہ عَالِمُ اللِّسَانِ وَ جَاهِلُ الْقَلْبِ جو زبان کا عالم ہو اور قلب کا جاہل ہو۔

جاہل نے کتاب پڑھی ہی نہیں تو اپنا علم قربان کیسے کرے گا؟ لہٰذا یہ فرمان صرف علماء کے لیے ہے کہ:

صد کتاب وصد ورق درنار کن
روئے دل را جانبِ دلدار کن

اذکار و مراقبات کے ذریعے منازلِ سلوک طے کرنا اور فناء و رضا کی باریکیوں کو سمجھنا علماء کرام کو ہی زیادہ زیب دیتا ہے۔

سیدنا قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:
اَلنَّاسُ اَرْبَعَةُ رِجَالٍ : رَجُلٌ لَا لِسَانَ لَهٗ وَلَا قَلْبَ الخ یعنی لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اول جن کے پاس نہ زبان ہے نہ دل، غافل محض۔ ایسوں کو دعوت دو۔ دوم جن کے پاس زبان ہے دل نہیں، بے عمل علماء۔ ایسے منافقوں سے اللہ کی پناہ۔ سوم جن کے پاس دل ہے زبان نہیں، عزلت نشین، خاموش، اپنے عیوب پر نظر رکھنے والے۔ ایسوں کی ہم نشینی فائدہ دیتی ہے۔ چہارم جنہیں عالم ملکوت میں عزت اور بزرگی حاصل ہے، خدائی اسرار وعلوم کے امین، اصلاحِ خلق پر مامور، انبیاء علیہم السلام کے جانشین، انسانیت کے جوہرِ خاص اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے مرتبے پر فائز۔ ان کی مخالفت مت کرو (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳۳ کا حاصل)۔

آدابِ مریدی

(۱)۔ اپنے مرشد سے بے پناہ محبت رکھیں۔ طریقت کا دارومدار مرشد کی محبت پر ہے۔ اپنی شمع کا پروانہ بنیں اور یہ یقین رکھیں کہ اگر جان بھی اس کی راہ میں چلی جائے تو خسارے کا سودا نہیں۔
(۲)۔ اپنے مرشد کریم کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ سے کوئی لالچ نہ رکھیں، نہ کسی کا بتایا ہوا وظیفہ

کریں اور نہ اپنے مرشد سے بڑا بزرگ اس دنیا میں کسی کو سمجھیں البتہ ادب سب کا کریں اور اگر کہیں سے فیض ملے تو اسے اپنے ہی مرشد کا فیض سمجھیں۔(۳)۔جو مرشد کریم کہیں وہ کریں جو مرشد کریم خود کریں اس پر عمل نہ کریں۔بعض اوقات مرشد اپنے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے ایسا کام کرتا ہے جسکا کرنا مرید کے لیے زہر قاتل ہے۔(۴)۔مرشد کریم کے پاس ادب سے بیٹھیں، آپس میں پیر بھائی مرشد کریم کی موجودگی میں باتیں نہ کریں۔(۵)۔مرشد کریم کے سامنے وظیفہ نہ کریں نہ ہی غیر مسنون نوافل پڑھیں بلکہ یہ وقت مرشد کریم کی صورت کو دیکھتے رہنے میں گزاریں، مرشد کریم کی صحبت کو غنیمت جانیں۔(۶)۔مرشد کریم کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف پاؤں نہ پھیلائیں خواہ مرشد کریم موجود نہ ہوں، نہ ہی اس طرف تھوکیں، مرشد کریم کے جسم پر مرید کا سایہ نہ پڑے، مرشد کریم کا باتھ روم استعمال نہ کریں۔(۷)۔مرشد کریم کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اپنے فہم کا قصور سمجھیں اور قصہ سیدنا موسیٰ وخضر علیہا السلام کو یاد کرلیں، مرشد کریم پر کبھی اعتراض نہ کریں خواہ مرشد کریم کا کوئی کام بظاہر غلط معلوم ہوتا ہو، مرشد کریم کی خطا مرید کی نیکی سے بہتر ہے۔(۸)۔اپنے مرشد کریم کی تعلیمات پیر بھائیوں تک پہنچائیں، مگر ان کی سمجھ سے بالاتر بات نہ کریں۔(۹)۔اپنا حال (خواب ومراقبہ وغیرہ) اپنے مرشد کریم سے عرض کریں۔(۱۰)۔اپنے مرشد کریم سے خواہ مخواہ سوال نہ کریں البتہ اگر مرشد کریم سوالات کرنے کی اجازت دیں تو کوئی حرج نہیں، لمبا کلام نہ کریں، دھیمی آواز میں بات کریں، طریقت کی راہ پر استقامت اختیار کریں خواہ کچھ ملے یا نہ ملے، مرشد کریم، رسولِ کریم ﷺ اور اللہ کریم جل شانہ کا در نہ چھوڑیں۔(۱۱)۔اگر مرشد کریم ناراض ہو جائیں تو انہیں راضی کیے بغیر مرید کو چین نہ آئے، فوراً معافی کا طلب گار ہو، خواہ ناراضگی کا سبب مرید کے نزدیک معقول نہ ہو۔

مرید کے لیے ضروری ہے کہ مرشد کامل کے مذکورہ اوصاف کی کسوٹی پر اسے پرکھ لینے کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔اور اب بیعت کر لینے کے بعد گویا اسے ایک نئی زندگی ملی۔ اب اس نے طریقت کا احرام باندھ لیا اور اپنے مرشد کے لباسِ طریقت میں ملبوس ہو گیا۔

بیعت کا لفظی معنی ہے ''بک جانا''۔جو بک جاتا ہے وہ جھک جاتا ہے:

اے عزیز! اگر تم امیر و بادشاہ ہو تو پھر کیا ہوا؟ یہاں تو ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمہ جیسے

شہزادے اپنے محلات کو چھوڑ کر جنگل رسید ہوئے، اگر آپ سید ہو تو ماشاءاللہ، مگر یہاں تو حضرت بلھے شاہ علیہ الرحمہ جیسے ایک آرائیں کے سامنے گھنگرو باندھ چکے۔ اگر آپ گیلانی ہو تو ہم نے احترام کیا، مگر یہاں تو خود حضور سیدنا غوث اعظم قدس سرہ العزیز ۲۵ سال تک عراق کے جنگلوں میں چلہ کش رہے۔ اگر آپ کسی ولی کامل کی اولاد سے ہو اور پرانی گدی کے خانوادے سے تعلق ہے تو بارک اللہ، مگر ایسے ہی لوگوں کو پدرم سلطان بود کا طعنہ دیا جا چکا ہے۔ اور اگر آپ عالم ہو تو اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ، مگر یہاں تو امام غزالی جیسے کہہ گئے کہ ضَایَعْتُ عُمْرِی فِیْ تَصْنِیْفِ الْبَسِیْطِ وَالْوَجِیْزِ یعنی میں نے اپنی عمر بسیط اور وجیز کتابوں کی تصنیف میں ضائع کر دی۔

حدیث شریف میں ہے کہ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ (وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَکَ الْأَقْرَبِينَ) قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (بخاری: ۲۷۵۳)۔

اے عزیز! اگر راہِ سلوک میں کامیابی چاہتے ہو تو اس قسم کی تمام خوش فہمیاں دل سے نکال دو اور عجز و نیاز کا سراپا بن کر خود کو مرشد کے سامنے پامال کر دو:

قال را بگزار و مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں (ترمذی: ۲۶۸۲)۔ اور فرمایا: اَلْعَالِمُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ یعنی عالم اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں ہوتا ہے (کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۵۵)۔

مشائخ علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں: اَلْمُرِیْدُ کَالْمَیِّتِ وَالشَّیْخُ کَالْغَاسِلِ مرید مردے کی طرح ہوتا ہے اور مرشد غسل دینے والے کی طرح ہوتا ہے۔ اور مشائخ یہ بھی فرماتے

ہیں کہ :اَلْمُرِیْدُ لَا یُرِیْدُ یعنی مرید کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔

اے عزیز! اگر کوئی بات تیری سمجھ سے باہر بھی ہو تو اپنے شیخ پر اعتراض نہ کر اور اپنے فہم کا قصور سمجھ اور سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصہ کو یاد کر۔

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو　　ہم چوں موسیٰ زیر حکم خضر رو

چوں تو ذاتِ پیر را کردی قبول　　ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

صبر کن در کارِ خضر اے بے نفاق　　تا نگوید خضر رَو ھٰذا فراق

اے عزیز! اپنے شیخ کی صحبت کو اپنی دایا بنا، صورت کو اپنا بدل بنا، محبت کو اپنی روح بنا، اطاعت کو اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کا نچوڑ سمجھ اور خدمت کو نجات کی کشتی بنا کر عشق کے سمندر سے پار گزر جا۔

اور نہیں تو بیعتِ رضوان سے سبق سیکھ یعنی یا کامیابی یا پھر موت۔ اور حضرت طارق بن زیاد علیہ الرحمہ نے بھی کشتیاں جلا کر یہی سبق چھوڑا ہے کہ اب واپسی کے راستے بند ہو چکے۔

ہمت بلند

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ یعنی اے محبوب! جس طرح آپ کو حکم ملتا ہے پس اس پر استقامت اختیار کرو (ھود: ۱۱۲)۔

حبیبِ کریم ﷺ نے اسی آیت کے بارے میں فرمایا: شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَ اَمْثَالُهَا یعنی مجھے سورۃ ھود اور اس جیسی دوسری آیتوں نے بوڑھا کر دیا ہے (ترمذی: ۳۲۹۷)۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر استقامت اختیار کر یعنی ڈٹ جا (مسلم: ۱۵۹، ترمذی: ۲۴۱۰، ابن ماجہ: ۳۹۷۲)۔

اللہ کریم فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ یعنی جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر استقامت اختیار کی، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں

کہ مت ڈرو اور غم نہ کرو اور جنت کی خوشخبری سنو جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (فصلت: ۳۰)۔

طالب کے لیے ضروری ہے کہ اس کی ہمت بلند ہو:

ہمت بلند باید عشاقِ مستِ ے را

مردِ خسیس ہمت در عاشقاں نہ گنجد

اور جو ہمت باندھ لیتے ہیں ان کے سامنے نہ ان کے آباء و اَجداد رکاوٹ ڈال سکتے ہیں نہ اولادیں، نہ ان کے مال و متاع حجاب بن سکتے ہیں اور نہ جان و ایمان۔ پھر وہ جدھر کو رخ کرتے ہیں راستے کے پتھر و پہاڑ بھی موم بنتے چلے جاتے ہیں۔

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد

اگر خارے بود گلدستہ گردد

طالب کا معنی ہے طلب کرنے والا۔ اللہ کے طالب پر لازم ہے کہ اپنی طلب میں صدق اور شدت پیدا کرے۔ طلب کا طوفان طالبِ صادق کو بہت جلد منزل آشنا کر دیتا ہے۔ اپنے مرشد کے پاس طویل عرصہ رہنے کو تیار ہو جانا، یا پھر بار بار مرشد خانے پر حاضری دینا اور سفر کی صعوبتیں اور اخراجات برداشت کرنا طلب کو ظاہر کرتا ہے۔

طالب کو چاہیے کہ اپنی سوچ پر اپنے محبوب کے علاوہ کسی دوسری چیز کو غالب نہ آنے دے، جس طرح کسی قلع کو فتح کرنے کے لیے اس قلعے کے اندر جانے والی سپلائی اور کمک کو بند کر دینا جنگی حکمتِ عملی کا اہم حصہ ہوتا ہے اسی طرح نفس کے قلعے میں جانے والے بیرونی خیالات، آوازوں اور نظاروں کا راستہ بند کر دینا بھی ضروری ہے۔

حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: حُبُّکَ الشَّیْئَ یُعْمِی وَیُصِمّ یعنی کسی چیز کی محبت تجھے اندھا بھی کر دے گی اور بہرہ بھی (ابوداؤد: ۵۱۳۰، مسند احمد: ۲۱۷۵۱، ۲۷۶۱۶)۔ اور فرمایا:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُ مَالَا یَعْنِیْهِ یعنی کسی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو ترک کر دے جس سے اس کا تعلق نہیں (مؤطا امام مالک، کتاب حسن الخلق: ۳، ابن ماجۃ: ۳۹۷۶، ترمذی: ۲۳۱۷، ۲۳۱۸، مسند احمد: ۱۷۴۲)۔ صحیح

ذکر کے دوران دروازے بند کر دینا، شمع بجھا دینا اور آنکھیں بند کر لینا یہ سب کام اسی لیے

ہوتے ہیں تا کہ حواس خمسہ بیرونی اطلاعات سے منقطع ہو کر اپنے محبوب کی طلب میں یکسو ہو جائیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ: نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا کیا یہاں کوئی اہل کتاب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا دروازہ بند کردو۔ ہاتھ اٹھاؤ اور سب کہو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ ۔ صحابۂ کرام نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اسی کو آگے پہنچانے کا حکم دیا ہے اور مجھ سے اس پر جنت کا وعدہ کیا ہے تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا تم سب کو بخشش کی خوشخبری ہو (مسند احمد: ۱۷۱۲۶)۔

بعض مشائخ یہ شغل بھی تجویز فرماتے ہیں کہ طالب آلتی پالتی مار کر بیٹھے اور کمر کو سیدھا کر لے پھر دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے اپنے دونوں کان بند کر لے، پھر شہادت کی دونوں انگلیاں دونوں آنکھوں پر رکھ لے، پھر درمیان کی دونوں انگلیاں اپنی ناک کے دونوں نتھنوں پر رکھ کر ناک کو بند کر دے، پھر آخری دو انگلیاں یعنی چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی سے اپنے دونوں ہونٹ بند کر لے اور جتنی دیر تک ہو سکے اپنی سانس کو روک کر بیٹھا رہے۔

اس طرح اس کے پانچوں حواس یعنی حواسِ خمسہ معطل ہو جائیں گے، بیرونی اطلاعات کی آمد رک جائے گی حتیٰ کہ سانس بھی رک جائے گی جو وقتی طور پر موت کے قائم مقام ہے۔ اب اندرونی قوتیں اور صلاحیتیں بیدار ہوں گی۔

یہاں تک اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہوگئی کہ طالب اپنے محبوب کی طلب میں یکسو ہونے کیلیے کس حد تک غیر سے انقطاع حاصل کرے تا کہ محبوب کی طرف تبتّل میسر آئے۔

طالب اپنے شیخ کے پاس بیٹھے تو اس کی طرف مکمل فریفتہ ہو کر بیٹھے اور اس توجہ کے ساتھ بیٹھے کہ مرشد کی نگاہِ کرم سے فیض وصول کرنے کے لیے اس کے من کی کھڑکی بے تاب ہو۔ مرشد کے توجہ کرنے سے زیادہ مرید کا توجہ کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہونا ضروری ہے۔

یک چشم زدن غافلے آں ماہ نباشم
ترسم کی نگاہِ کند آگاہ نباشم

اس کی مثال ایسے ہے جیسے تاروں میں بجلی موجود ہوتی ہے مگر جب تک بٹن نہ دبایا

جائے بلب روشن نہیں ہوسکتا۔طالب یوں سمجھے کہ فیض می آید از قلبِ مرشد در قلبِ من یعنی میرے مرشد کے قلب سے فیض آ رہا ہے اور میرے قلب میں اتر رہا ہے۔

اسمِ ذات اور تصورِ شیخ

اے عزیز! اگر تجھے انصاف اور عقل سلیم سے کچھ حصہ ملا ہے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچنے کے لیے اسم ذات کا تصور یا اپنے شیخ کا تصور مقصود لغیرہٖ کے طور پر واجب ہے۔ مَا لَا یُدْرَکُ الْوَاجِبُ اِلَّا بِہٖ فَھُوَ وَاجِبٌ ۔خصوصاً جس شیخ نے منازلِ سلوک طے کی ہوں اور انسانِ کامل کی مذکورہ بالا صفات سے متصف ہوا سے کامل طور پر مظہر صفاتِ خداوندی سمجھتے ہوئے اس کا تصور کرنا اپنی ہستی موہوم کی نفی کا بہترین راستہ ہے اور وصل کی بے مثال کھڑکی ہے۔ یہاں اپنے علم کے حجاب سے نکل اور بے شک اپنے کسی پرانے پیر بھائی سے راہنمائی حاصل کر خواہ وہ ان پڑھ ہی کیوں نہ ہو۔اور پھر اس پر ڈٹ جا۔

اپنے اندر جھانک

اے عزیز! تیرا محبوب نہ تجھے آسمانوں میں ملے گا نہ کعبہ و مسجد میں ملے گا، نہ کائنات کے کسی بھی حصے میں ملے گا، اگر ملے گا تو خود تیرے اپنے ہی اندر ملے گا۔ اللہ کریم فرماتا ہے: سَنُرِیهِمْ آیَاتِنَا فِی الْآفَاقِ وَفِی أَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ یعنی ہم جلد ہی انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں گے اور ان کی اپنی جانوں میں، حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ حق یہی ہے (فصلت:۵۳)۔

اور فرماتا ہے: وَفِی أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ یعنی اس کی نشانیاں تمہاری جانوں میں موجود ہیں کیا تم دیکھتے نہیں (الذاریات:۲۱)۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی۔فرماتا ہے: وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِن رُوْحِی (الحجر:۲۹)۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے: إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَإِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُورَتِهٖ جب تم اپنے کسی بھائی سے لڑ پڑو تو اسے منہ پر مت مارو، بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے (مسلم حدیث:٦٦٥٥)۔

اللہ کریم نے انسان کو اپنی صفات سے نوازا۔ فرماتا ہے: فَجَعَلْنٰهُ سَمِيعاً بَصِيْراً یعنی ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا (الدھر:٢)۔

انسان کے وجود میں اپنی نشانیاں رکھ دیں، جیسا کہ پیچھے آیتیں گزر چکی ہیں۔

انسان کو اپنا راز بنایا۔ صوفیا علیہم الرضوان نے حدیث قدسی نقل فرمائی ہے: اَلاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّهٗ یعنی انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں۔

اپنے مقربین کے بارے میں حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا: وَمَا يَزَالُ عَبْدِی يَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ ، فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِی يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِی يَمْشِی بِهَا وَاِنْ سَأَلَنِی لَاُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِی لَاُعِيذَنَّهٗ (بخاری حدیث رقم: ٦٥٠٢)۔

ترجمہ: میرا بندہ میرے قریب سب سے زیادہ اس چیز کے ذریعے ہوتا ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں وہ اس سے سنتا ہے، اس کی بصارت بن جاتا ہوں وہ اس سے دیکھتا ہے، اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں وہ اس سے پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں وہ اس سے چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔

ولیوں کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ: عَنْ اَسْمَآءِ بِنْتِ يَزِيْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ ؟ قَالُوا بَلٰی يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ

خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ اِذَا رُأُوا ذُکِرَ اللّٰہُ (ابن ماجۃ: ۴۱۱۹، مسند احمد: ۲۷۶۷۰)۔

ترجمہ: حضرت اسمآء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تمہیں بتاؤں تم میں بہترین کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مختلف سلاسل اور طرق، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں، جیسے ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہوں، جن میں سے ہر انگلی ہتھیلی کی طرف جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک انگلی پر تھوڑا سا سفر کر کے اس انگلی کو چھوڑ کر دوسری انگلی پکڑ لے، پھر اس پر تھوڑا سفر کر کے تیسری انگلی پکڑ لے تو اس کا یہ سارا وقت محض رائیگاں ہوا۔ اگر وہ ایک ہی انگلی پر چلتا جائے تو ہتھیلی کے میدان میں پہنچ جائے گا۔ بالکل یہی مثال ان لوگوں کی ہے جو شیخ طریقت بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ سلوک میں اپنے مرشد کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرو **فھذا سبب منع الاشیاخ مریدھم ان یشرک معھم فی السلوک غیرھم** (الیواقیت والجواھر جلد ۱ صفحہ ۸۰)۔

اپنے ذاتی اسباق اور وظائف کی پابندی

اپنے مرشد کریم کی طرف سے ملنے والے ہر سبق کی پابندی کرنی چاہیے۔ تمام اذکار و مراقبات کو مکمل کیے بغیر دم نہیں لینا چاہیے۔ فقیر پر لازم ہے کہ مہمان، بیوی بچے، کوئی بھی مصروفیت حتیٰ کہ بیماری بھی اس کے معمولات میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ ہاں اگر خدانخواستہ بالکل ہی بس میں نہ رہے مثلاً بے ہوشی وغیرہ ہو جائے تو یہ ایک الگ چیز ہے۔

ذیل میں حضرت سیدنا پیر سائیں رشید الدین قدس سرہ العزیز کی کتاب ''صراط الطالبین'' کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے، جس میں سلسلۂ عالیہ قادریہ نقشبندیہ راشدیہ کے اذکار و افکار اس طریقے سے بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے والے مرتبۂ کمال کو پہنچے ہیں۔

خلاصہ کتاب صراط الطالبین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ!

پہلا سبق: مغرب کے بعد دو نفل پڑھ کر گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص بمع بسم اللہ پڑھ کر اس کا ثواب حضور غوث اعظم قدس سرہ کو پیش کیا جائے۔ اس کے بعد چار تسبیح ذکر کیا جائے۔ پہلی تسبیح لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس طرح کہ لا الہ کے ساتھ دل میں سے ہر غیر کی نفی سیدھے کندھے کی طرف کر دی جائے اور الا اللہ کے ساتھ ایک اللہ کا اثبات سیدھے کندھے سے دل کی طرف کیا جائے اور دل پر ضرب لگائی جائے۔ آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا جائے۔ دوسری تسبیح الا اللہ تیسری تسبیح اللہ ہو۔ چوتھی تسبیح ہو۔ مرشد کا تصور مضبوط رکھا جائے۔

دوسرا سبق، یَا اللّٰہُ یَا ھُو: اس طرح پڑھیں کہ یا اللہ کو قلب سے اٹھا کر سیدھے کندھے پر ضرب دیں اور یا ہو کو سیدھے کندھے سے اٹھا کر قلب پر ضرب کریں۔ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح اور عشاء کے بعد پانچ تسبیح۔

تیسرا سبق، پاس انفاس: سانس اندر جائے تو اللہ اور باہر آئے تو ہو۔

چوتھا سبق، لطائفِ ستہ: جسم میں چھ لطائف ہیں۔ ناف سے دو انگلی نیچے نفسی لطیفہ، سینے میں بائیں طرف قلبی لطیفہ، سینے کے درمیان سری لطیفہ، دائیں طرف روحی لطیفہ، ماتھے میں خفی لطیفہ اور تالو میں اخفیٰ لطیفہ ہے۔ نفسی پر سانس روک کر ۲۱ مرتبہ اللہ اللہ کی ضرب لگائیں اور پھر ہر لطیفے پر نئی سانس لے کر ۲۱ مرتبہ ضرب لگائیں۔ اس کے بعد ہر لطیفے پر ایک ایک مرتبہ اللہ کی ضرب لگائیں، یہ ایک مرتبہ ہوا۔ اب اس طرح ۲۱ مرتبہ پورا کریں۔ ہمت والا فقیر اس سے زیادہ تعداد میں پڑھے تو بہت اچھا ہے۔

پانچواں سبق، سلطان الاذکار: اللہ کونفسی لطیفہ سے اٹھا کرسری، خفی اوراخفیٰ سے گزار کر لا ہوت لامکاں تک پہنچائیں۔وہاں سے ھُو کو اپنے سر پر بھرے ہوئے مٹکے کی طرح انڈیل دیں اوراس کا اثر پورے جسم میں جانے دیں۔یہ ذکر خیال اور سانس کے ساتھ کریں۔۲۱ مرتبہ ذکر کریں۔

چھٹا سبق: مغرب کے بعد بیٹھ کر سانس روک کر خیال کے ساتھ لاکونفسی لطیفہ سے اٹھا کر سری، خفی اوراخفیٰ سے گزار کر لاہوت لامکاں تک پہنچائیں اور وہاں سے الہ کو سیدھے کندھے پر لائیں اور سیدھے کندھے سے الا اللہ کو روحی، سری سے گزار کر قلب پر ضرب کریں۔ یہ ذکر ۲۱ مرتبہ کریں۔ ہمت کم ہو تو کئی مرتبہ سانس لے کر ۲۱ کا عدد پورا کریں۔ جب سانس ٹوٹ جائے تو دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے دایاں ناک بند کریں اور بائیں طرف سے سانس خارج کر کے پڑھیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَ رِضَاکَ مَطْلُوْبِی یعنی اے اللہ تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری رضا میرا مطلوب ہے۔

ساتواں سبق، صدائے مطلق: دونوں کان شہادت کی انگلیوں سے بند کر کے ان میں سے چر چر کی آواز پر توجہ دیں۔ یہ آواز ترقی کرے گی۔جھنجھناہٹ، پھر گھنٹی پھر بانسری اور پھر سمجھ سے بالاتر مست کر دینے والی آواز آئے گی۔اس آواز کو صوتِ سرمدی بھی کہتے ہیں۔

پہلا فکر، حجر مدر: حجر سے مراد پتھر ہے اور مدر سے مراد ڈھیلا ہے۔طالب خود کو پتھر اور ڈھیلے کی طرح بے جان سمجھے اور اپنے تمام معاملات اللہ کریم کے سپرد کردے۔اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰیٓ اَھْلِھَا۔ایسے فقیر پر غصہ ترک کرنا اور لوگوں کے ظلم وستم برداشت کرنا لازم ہے۔

دوسرا فکر، وَ ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ: طالب کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ کریم کو اپنے ساتھ جانے، خصوصاً عشاء کی نماز اور تہجد کے وقت الگ بیٹھ کر یہی تصور رکھے۔نقشبندی حضرات اس طرح کرتے ہیں اَللّٰہُ حَاضِرِیْ ، اَللّٰہُ نَاظِرِیْ ، اَللّٰہُ مَعِیْ۔

تیسرا فکر، فنافی الصفات: ان سات صفات کی خود سے نفی کرے اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے کہ میں اسی کے سنوانے سے سنتا ہوں، دکھانے سے دیکھتا ہوں وغیرہ، سَمِیْعٌ ، بَصِیْرٌ ،

عَلِیْمٌ ، مُرِیْدٌ ، قَدِیْرٌ ، کَلِیْمٌ ، حَیٌّ۔

چوتھا فکر، فَنَا فِی الْوُجُوْدِ وَالآفَاقِ: طالب کو چاہیے کہ ہر چیز کی حقیقت پر غور کرے۔ مثلاً بظاہر دیکھنے میں درخت ہے مگر جب غور کرو گے تو نظر جا کر اسکے بیج اور گٹھلی پر پڑے گی۔ اسی طرح جب خوب غور کرو گے تو ہر جگہ محبوب دیکھنے میں آئے گا۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔

پانچواں فکر، ہر چہ ہست ہمہ اوست: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیْم۔

چھٹا فکر، اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ الآیة: طالب کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے قلب کے ساتھ اپنے مشائخ سلسلہ کے قلوب کو جڑا ہوا دیکھے اور آخر میں اپنے شیخ کے قلب کے ساتھ اپنے قلب کو جڑا ہوا دیکھے اور یہ سمجھے کہ مخزنِ نورِ حقیقی سے نور پھوٹا اور میرے مشائخ کے واسطہ سے مجھ تک پہنچا۔

ساتواں فکر، اِنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ: یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ بے حجاب میرے قریب ہے۔ ظاہر باطن دائیں بائیں حتیٰ کہ سانس سے زیادہ وہی قریب ہے۔

آٹھواں فکر، کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ: طالب صبح شام یہ فکر کرے کہ اللہ پاک کے سواء ہر چیز فانی ہے۔ جس چیز پر بھی نظر ڈالے، اگلے لمحہ اسے فانی سمجھ کر اس سے منہ موڑ لے۔

نواں فکر، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ: طالب یہ سوچے کہ نیکی کی توفیق اور گناہ سے بچنے کی توفیق اللہ کریم کی طرف سے ہے ورنہ میں تو وہی ہوں جو مر جاؤں گا تو اپنے سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتا اور اپنے کسی پیارے کے آنسو تک نہیں پونچھ سکتا۔

دسواں فکر، قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ الآیہ (آل عمران:۲۶): طالب غور

کرے کہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر چیز کا مالک اللہ کریم ہے۔ وہ چاہے تو نیچے کو اوپر کر دے اور اگر چاہے تو اوپر کو نیچے کر دے۔

گیارہواں فکر، ننانوے اسمآء کے تعلق، تخلق اور تعبد میں: طالب کو چاہیے کہ اللہ پاک جل شانہ کے ننانوے نام یاد کرے۔ تعلق یہ ہے کہ ہر صفت کو طالب اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھے۔ تخلق یہ ہے کہ ہر صفت کو اپنے اندر جلوہ گر دیکھے اور تعبد یہ ہے کہ ہر صفت کو دوبارہ اللہ کریم کے سپرد کر دے۔ تعلق ولایتِ صغریٰ ہے، تخلق ولایتِ وسطیٰ ہے اور تعبد ولایتِ کبریٰ ہے۔ ہر اسم پر اسی طرح محنت کرے۔

بارہواں فکر، تصورِ برزخِ صغریٰ یعنی فنا فی الشیخ: طالب کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی مکمل پیروی کرے اور اپنے تمام معاملات کو اپنے شیخ کے سپرد کر دے۔ اَلْمُرِیْدُ کَالْمَیِّتِ وَالشَّیْخُ کَالْغَاسِلِ۔

تیرہواں فکر، تصورِ برزخِ کبریٰ یعنی فنا فی الرسول: طالب کو چاہیے کہ مکمل اتباعِ سنت کرے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ

چودھواں فکر، فنا فی اللہ: اس تصور سے قبل سیر الی اللہ تھا۔ یہ سیر فی اللہ ہے۔ سیر فی اللہ لا محدود اور عمیق ہے۔ اس میں محبوب کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھنا ضروری ہے۔

وہ لیلیٰ جو مجنی لاء ماکی کان منو
یعنی لیلیٰ کا دیا ہوا زہر مجنوں کے لیے شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

پندرہواں فکر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چار یار کی مجلس: طالب کو چاہیے کہ خلوت میں بیٹھ کر لطیفہ اخفیٰ میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خفی میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، روحی میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سری میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور قلبی میں مولا مشکل کشا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نور کا تصور کرے اور ان ہستیوں کی مجلس سے فیض حاصل کرے۔

سولہواں فکر، پنج تن پاک کی مجلس: لطیفہ اخفیٰ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خفی میں حضرت بی بی سیدۃ النسآء رضی اللہ عنہا، سری میں حضرت مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، روحی میں سیدنا امام حسن اور قلبی میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے نور کے فکر میں مشغول ہو اور ان ہستیوں سے فیض حاصل کرے۔

ستر ہواں فکر، اولوالعزم انبیاء کرام کی مجلس: یہ فکر اس نیت سے کرے کہ الٰہی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا فیض مشائخ کرام کے واسطے سے اس عاجز کے قلب پر منکشف فرما۔ یہ فکر لطیفہ قلبی سے شروع کرے۔ یہ لطیفہ حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے، روحی لطیفہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا نوح علیہما السلام کے قدم کے نیچے ہے، سری لطیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے، خفی لطیفہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے اور اخفیٰ الطیفہ سیدنا تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم کے نیچے ہے۔

اٹھارواں فکر، اربعہ عناصر: اللہ کریم نے ہر چیز کو آگ پانی ہوا مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ طالب کو چاہیے کہ خلوت میں بیٹھ کر اس طرح فکر کرے اور زبان سے کہے۔ جو کچھ ہے پانی ہے، جو کچھ ہے مٹی ہے، جو کچھ ہے ہوا ہے، جو کچھ ہے آگ ہے۔ اس کے بعد کہے جو کچھ ہے نور ہے۔ پھر اس ترتیب کو الٹ دے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر مٹی کا ظہور ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پر پانی کا، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا کا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آگ کا اور حضور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نور کا۔ جس کے سبب آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

انیسواں فکر، عالمِ خلق اور عالمِ امر: عالم دو ہیں۔ عالم خلق اور عالم امر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ عالم امر عرش سے اوپر اوپر ہے جس کا راز اللہ کریم کو معلوم ہے۔ اور عالمِ خلق عرش سے نیچے سے لے کر تحت الثریٰ تک ہے۔

انسانی جسم میں عالمِ امر سے مراد قلبی، روحی، سری، خفی اور اخفی لطائف ہیں۔ اور عالمِ

خلق سے مراد نفسی لطیفہ اور اربعہ عناصر ہیں۔ طالب کو چاہیے کہ صبح شام خلوت میں بیٹھ کر ان دونوں عالموں کی طرف متوجہ ہو اور اللہ کریم جل شانہ کی صفات کا مشاہدہ کرے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْخَلَّاقِ

سالک کی پٹڑی

فقیر کے لیے تین چیزیں اس کی طریقت چلانے کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱)۔ذکر (۲)۔فکر (۳)۔سنگت اور صحبت

(۱)۔ذکر

ذکر کا لفظی معنی ہے یاد کرنا۔ ذکر کے بارے میں بے شمار قرآنی آیات وارد ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے (العنکبوت:۴۵)۔ نیز ''فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ'' یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا (البقرۃ:۱۵۲)۔

یہ ایک عظیم اعزاز ہے جو ذکر کرنے والے کو اللہ کریم نے بخشا ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ جس طرح انسان اس کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ، اللہ، اللہ کرتا رہتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کسی کے نام کی تسبیحات نہیں کرتا۔ بلکہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہاری مغفرت کروں گا، تم مجھے آسانی کے وقت یاد رکھو میں تمہیں مشکل کے وقت یاد رکھوں گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ: عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَی أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِی وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِی فَإِنْ ذَكَرَنِی فِی نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِی نَفْسِی وَإِنْ ذَكَرَنِی فِی مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِی مَلَإٍ خَیْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَیَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَیْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَیْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِی یَمْشِی أَتَیْتُهُ هَرْوَلَةً

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے اس گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے، اور میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ان سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک

بالشت بڑھتا ہے تو میں اسکی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اسکی طرف ایک بازو کے برابر بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اسکی طرف اپنی شان کے لائق دوڑ کر جاتا ہوں (بخاری حدیث:۷۴۰۵، مسلم حدیث:۶۸۰۵)۔

یہ ہے فَاذْكُرُونِی اَذْكُرْكُمْ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اسی طرح قرآن پاک میں بے شمار آیات موجود ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِیَاماً وَّقُعُوداً وَعَلٰی جُنُوبِهِمْ یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہوکر، بیٹھ کر اور لیٹ کر۔ یعنی ہر حالت میں میرے بندے میرا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِیْراً یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو (احزاب:۴۱)۔

سورۃ مزمل میں آتا ہے کہ: وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلا یعنی اپنے رب کا نام لے اور ہر چیز کو چھوڑ کر اللہ کا ہو جا (مزمل:۸)۔ اللہ کا ذکر کرنے کا انداز بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر سرسری نہ کر۔ ہر چیز سے ٹوٹ جا اور محض اللہ سے جڑ جا۔ اس طریقے سے اللہ کا ذکر کر۔

حدیث شریف میں ہے کہ: اُذْكُرُوا اللّٰهَ حَتّٰی یَقُولُوا مَجْنُون یعنی اللہ کا ذکر اس طرح کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہیں (مسند احمد حدیث:۱۱۶۵۹)۔

اس حدیث میں ''لوگ تمہیں پاگل کہیں'' کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کا ذکر اس قدر فریفتگی، دیوانگی اور از خود رفتگی کے عالم میں کرنا چاہیے کہ دیکھنے والے کو آپ دیوانے محسوس ہونے لگیں۔ مقصد یہ ہے کہ انتہا درجے کی کثرت اور محویت سے ذکر کرو تاکہ تم کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہوسکو۔ اللہ کا ذکر خود تمہیں اپنی طرف کھینچے، کسی دوسری طرف تمہارا دھیان ہی نہ جائے اور دیکھنے والے کو آپ کی بے توجہی کی وجہ سے ایسا لگے کہ یہ شخص عقل سے ہی عاری ہے، اس کے حواس درست نہیں اور یہ کہیں کھو چکا ہے۔

اس حدیث کا واضح اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ کا ذکر اونچی آواز سے کرنا جائز ہے کیونکہ جب ذکر بلند آواز سے کیا جائے گا تب ہی سننے والے کو سنائی دے گا، اور وہ ذکر کرنے والے کو پاگل کہے گا۔ پتا چلا کہ اس حدیث میں جس ذکر کی بات ہو رہی ہے وہ بلند آواز سے ذکر

ہے جسے ذکر بالجہر کہتے ہیں۔

محبوب کریم ﷺ نے ارشادفرمایا لَا تَقُومُ السَّاعَةُ عَلٰی اَحَدٍ یَّقُولُ اللّٰہُ اَللّٰہ یعنی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہوگا (مسلم حدیث: ۳۷۶)۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک بندہ بھی اللہ کا ذکر کرنے والا موجود ہے تو اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت کتنی سخت چیز ہے، اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، اس کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا، اس کی تاب کوئی نہیں لا سکتا لیکن اللہ کا ذکر ایسی طاقت رکھتا ہے کہ اس کی برکت سے قیامت رکی ہوئی ہے اور دنیا کو ویران نہیں ہونے دے رہا۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ کَثُرَتْ عَلَیَّ فَاَخْبِرْنِی بِشَیْءٍ اَتَشَبَّثُ بِہٖ قَالَ لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کے احکام بہت سارے ہیں۔ آپ مجھے مختصر سی بات بتا دیں۔ فرمایا تیری زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے (ترمذی حدیث: ۳۳۷۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا مِنْهَا، قَالُوا مَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ یعنی جب تم جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزرو تو ان میں سے چر لیا کرو۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! جنت کے باغیچوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ذکر کے حلقے (ترمذی حدیث: ۳۵۰۹)۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکٰھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجٰتِکُمْ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْوَرَقِ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ یعنی ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو تمہارے اعمال سے افضل ہو، تمہارے مالک کو سب سے زیادہ پسند ہو، اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہو، اور تمہارے لیے سونا اور چاندی کی خیرات کرنے سے بہتر ہو، کفار کی گردنیں کاٹنے اور ان سے اپنی گردنیں کٹوانے سے بھی افضل ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور بتائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے(ترمذی حدیث:۳۳۷۷،ابن ماجہ حدیث:۳۷۹۰)۔

یہ بات سرسری اور محض ترغیبی مت سمجھیں کہ میدانِ جنگ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے اور کافروں کو مارنے سے اللہ کے ذکر کو افضل قرار دیا گیا ہے۔تلوار اور بندوق کے ساتھ جہاد کرنا تو بہت مشکل ہوتا ہے اور ایک کونے میں بیٹھ کر تسبیح کے ساتھ اللہ اللہ کرنا کون سا مشکل کام ہے۔محض ذکر کرنے کو نبی کریم ﷺ نے جہاد سے افضل کیوں قرار دیا ہے؟اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر نفس کے خلاف جہاد ہوتا ہے اور اس سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور جو جہاد میدانِ جنگ میں کیا جاتا ہے، ہوسکتا ہے اس کے مجاہد کی نیت ٹھیک نہ ہو اور وہ محض دکھاوے کے لیے جہاد کر رہا ہو۔ لیکن اگر نفس کی اصلاح ہوگئی،اندر بیٹھ کر،اللہ اللہ کی تسبیحات پڑھ کر ذکر،فکر اور مراقبہ کر کے اس کا باطن درست ہو گیا تو اب اس کے بعد اگر وہ جہاد کرنے جائے گا تو اب اس کا جہاد صحیح معنی میں جہاد ہوگا۔نیت ٹھیک ہو چکی ہوگی۔گویا اللہ کا ذکر بنیادی خرابی کو ٹھیک کرنے کا کام دیتا ہے۔اور اس خرابی کے ہوتے ہوئے اگر جہاد کیا جائے گا تو وہ جہاد رائیگاں جائے گا۔اسی لیے نفس کے خلاف جہاد کو نبی کریم ﷺ نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے(کنز العمال جلد۴ صفحہ۱۸۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص سے پوچھے گا،تم نے کیا عمل کیا۔وہ عرض کرے گا باری تعالیٰ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور جہاد کرتے کرتے شہید ہو گیا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں۔تم نے جو چاہا تھا وہ تمہیں مل چکا۔اب میرے ہاں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔پھر اس شخص کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں گرا دیا جائے گا(مسلم حدیث:۶۹۲۳)۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ذکر کو جہاد پر ترجیح دی ہے اور اس کو اولیٰ یعنی بہتر چیز قرار دیا ہے۔پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ ذکر کرتے کرتے کچھ مراحل اور کچھ منزلیں ایسی آتی ہیں کہ جب انسان وہاں پر پہنچتا ہے تو اس وقت واقعی اس کو پتا چلتا ہے کہ میدانِ جنگ میں جا کر جہاد کرنے سے ذکر کرنا افضل تھا۔لیکن یہ بات اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان پر وہ کیفیت،حالت اور وقت طاری ہوتا ہے۔اللہ کریم ہم سب کو وہ منزل دکھائے،اس مقام پر لے جائے جب

انسان پر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ اللہ کا ذکر جہاد بالسیف سے بہتر ہے۔

جب کسی طالب کو بیعت کی طرف راغب کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ بیعت ہو جاؤ یا یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ ذکر لے لو۔ یعنی ذکر لے لینا یا بیعت ہو جانا ایک ہی بات ہے۔ یہاں سے سمجھ لیجیے کہ ذکر کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ ذکر لے لینا گویا بیعت کر لینا ہے۔

اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ محبوب کریم ﷺ صحابہ کرام کو ذکر ہی دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا یہاں کوئی اہل کتاب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا دروازہ بند کر دو۔ ہاتھ اٹھاؤ اور سب کہو لا الہ الا اللہ۔ صحابہ کرام نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لا الہ الا اللہ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اسی کو آگے پہنچانے کا حکم دیا ہے اور مجھ سے اس پر جنت کا وعدہ کیا ہے تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا تم سب کو بخشش کی خوشخبری ہو۔

غور کریں! غیروں کو نکلوا دینے اور دروازہ بند کرا دینے سے کیا مطلب ہے؟ لا الہ الا اللہ ہی بتانا تھا تو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ کوئی غیر تو نہیں ہے۔ کیا ضرورت تھی فرمانے کی کہ دروازہ بند کر دو۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کیلئے طریقت کا ایک نکتہ ہے کہ غیروں کو بیچ میں سے نکال دیا جائے، اندھیرا کر لیا جائے اور آنکھیں بند کر لی جائیں۔ غیر آدمی کے قلب پر سیاہی ہو تو وہ اتنی آفت ہوتا ہے کہ اس کی نحوست کی وجہ سے دوسروں کا فیض بھی رک جاتا ہے۔ محفل میں کبھی ایک بندہ ایسا بھی آ جاتا ہے کہ بھری محفل اس بندے کی نحوست کی وجہ سے بے کیف اور بے رونق ہو جاتی ہے۔ ہاں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ ایسا آ جاتا ہے کہ اسکے نصیب کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے اس تک پہنچانا ہوتی ہے تو مرشد کا سینہ اتنا کھل جاتا ہے کہ اس دن وہ فیض کے دریا بہا دیتا ہے اور سب کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ فقیر کے اپنے بس میں نہیں ہوتا بلکہ پیچھے سے کرم کی بات ہوتی ہے۔ نصیب والے کا نصیب اس تک پہنچنا ہوتا ہے، اس لیے مرشد کا سینہ اس دن کھول دیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں امام

الواصلین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: طریقت کے تمام سلسلوں میں ہمارے طریقہ کے خلاف کچھ نہ کچھ ناپسندیدہ چیزیں داخل کر دی گئی ہیں اور کچھ چیزوں میں کمی کر دی گئی ہے۔ہمارے زمانے میں روحانی شغل کے تین طریقے رائج تھے اور یہ تینوں طریقے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے مفید ہیں۔وہ تین طریقے یہ ہیں: ذکر، تلاوتِ قرآنِ مجید اور نماز (فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۰۸)۔

(۲)۔فکر

فکر سے مراد اپنی سوچ کو اللہ کی طرف لگا دینا ہے، مختلف فقراء کے لیے فکر بھی مختلف ہوتے ہیں مگر عام طور پر سوچ کو اللہ کی طرف لگانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ مرشد کا تصور رکھا جائے۔زبان پر ذکر جاری ہو اور خیال میں مرشد کی صورت بسی ہوئی ہو۔اس دھیان اور خیال کو مضبوط رکھنے کو فکر کہتے ہیں۔عام طور پر طالبِ طریقت کے لیے صرف ایک ہی ذکر اور ایک ہی فکر کافی ہو جاتا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ کریم جل شانہ نے محبوب کریم ﷺ سے فرمایا وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ یعنی اے محبوب خود جا کر ان لوگوں کے پاس بیٹھا کیجیے جو صبح، شام اللہ کا ذکر کرتے ہیں، وہ اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنی نظریں ان کے چہرے سے مت ہٹایا کریں (الکہف: ۲۸)۔ یہ اصحابِ صفہ کی بات ہو رہی ہے اصحابِ صفہ چاہتے تھے کہ ہمارے پاس محبوب کریم ﷺ بیٹھیں لیکن محبوب کریم ﷺ کے پاس دینی مصروفیات کی وجہ سے اتنا وقت نہیں ہوتا تھا۔اللہ کریم جل شانہ نے پہلے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ میرے محبوب کچھ لوگ صفہ پر بیٹھے ہیں جو اللہ کے دیدار کے متلاشی ہیں اور منتظر ہیں۔پھر حکم فرمایا کہ اے محبوب آپ جا کر ان کے پاس بیٹھا کریں اور اپنی نظریں ان کے چہروں سے نہ ہٹایا کریں۔نظریں نہ ہٹانے سے مراد رغبت اور محبت بھی ہو سکتی ہے اور نظریں نہ ہٹانے سے مراد ان کے چہروں کو دیکھتے رہنا بھی ہو سکتی ہے۔یہیں سے ثابت ہوا کہ اولیاء کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔

حضرت عمرو ابن عاص ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر تین دور آئے ہیں۔ایک دور وہ تھا جب میں نبی کریم ﷺ کا دشمن تھا، اگر میں اس وقت مر جاتا تو میں سیدھا جہنمی تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ میں مسلمان ہو گیا اور پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو گیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عمرو تجھے کیا ہو گیا ہے؟ حضرت عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک شرط ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہاری کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کا اعلان فرما دیجیے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جب انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو پہلی خطائیں ساری معاف ہو جاتی ہیں، جب ہجرت کرتا ہے تو خطائیں معاف ہو جاتی ہیں، جب حج کرتا ہے تو خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ گویا حضرت عمرو ابن عاص ﷺ کی بخشش اور مغفرت کا اعلان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں حضور ﷺ کی اتنی زیادہ محبت پیدا ہو گئی کہ میں محبت اور ادب کی وجہ سے حضور کریم ﷺ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ سکتا تھا، میں نے کبھی غور سے نگاہ جما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا ہی نہیں تھا اور مجھ سے کوئی پوچھ لیتا کہ حضور ﷺ کا حلیہ بیان کرو تو میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں اس حال میں فوت ہو جاتا تو سیدھا جنتی تھا۔ پھر تیسرا وقت آیا کہ ہمیں کچھ امور سونپ دیے گئے، کچھ حکومتیں سونپ دی گئیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ مجھے پبلک ڈیلنگ سے ڈر لگتا ہے کہ پتہ نہیں میری بخشش ہو گی یا نہیں (مسلم حدیث ۳۲۱:)۔

اس حدیث میں حضرت عمرو ابن عاص ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اگر کوئی پوچھتا کہ حضور ﷺ کا حلیہ بتاؤ تو میں نہیں بتا سکتا تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرام آپس میں بیٹھا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کی باتیں کرتے تھے اور آپ ﷺ کا حلیہ مبارک ایک دوسرے سے پوچھا اور بتایا کرتے تھے۔ صورت کی باتیں ہوتی تھیں۔

آخری دنوں میں محبوب کریم ﷺ کو تکلیف تھی جسکی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نمازیں پڑھاتے تھے۔ سوموار کے دن لوگ نماز میں کھڑے تھے کہ حبیب کریم ﷺ نے اپنے حجرہ

مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ ہم سب لوگ بھی عین نماز میں نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور قرآن کے ورق کی طرح تھا کَاَنَّ وَجْهَهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ۔ پھر آپ مسکرائے اور ہمیں خیال آنے لگا کہ کہیں ہم حضور کے دیدار کی خوشی کی وجہ سے نمازیں نہ توڑ بیٹھیں۔ ابوبکر اپنی ایڑیوں کے بل مصلائے امامت سے پیچھے ہٹے کہ شاید نبی کریم ﷺ نماز میں تشریف لانے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو اور پردہ گرادیا۔ اسی دن آپ ﷺ کا وصال ہو گیا (بخاری حدیث: ۶۸۰، مسلم: ۹۴۷)۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سرخ چادر اوڑھ کر آرام فرما رہے تھے، چادر چہرۂ انور سے ہٹی ہوئی تھی، چاند بھی نکلا ہوا تھا، میں ایک نظر رخِ انور کی طرف دیکھتا اور ایک نظر چاند کی طرف دیکھتا تھا، میں نے دیکھا کہ حضور کریم ﷺ کا چہرۂ انور چاند سے زیادہ حسین تھا (شمائل ترمذی صفحہ ۲)۔

ایک آدمی نے حضرت براء ۃ بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح چمکدار تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح چمکدار تھا لَا ، بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ (بخاری حدیث نمبر: ۳۵۵۲)۔

نبی کریم ﷺ کے حلیے کو صحابہ کرام نے اتنا یاد رکھا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے سر مبارک سے لے کر پاؤں مبارک تک سارا حلیہ حدیث شریف کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے بال مبارک ایسے تھے، کان مبارک ایسے تھے، ابرو مبارک ایسے تھے، ناک مبارک ایسی تھی، ہونٹ مبارک ایسے تھے، دانت مبارک ایسے تھے، ہاتھ مبارک، سینۂ اقدس، بال اور پیر مبارک، ناخن تک بتادیے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے گن کر بتادیا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے سر مبارک میں تیرہ بال سفید تھے اور داڑھی مبارک میں چار بال سفید تھے۔ اتنی باریکیوں میں کون جاتا ہے۔ وہی جاتا ہے جس نے حلیۂ مصطفیٰ کو یاد رکھنے کا تہیہ کر لیا ہو، جس نے صورتِ مصطفیٰ کو حفظ کر لینے اور دل میں رکھنے اور سینے کے اندر جمانے کا تہیہ کر لیا ہو، جسکے دل کے اندر صورتِ مصطفیٰ ﷺ بستی ہو اور جنھوں نے صورتِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنا دین سمجھ لیا ہو، اور یہی حق ہے۔ صورتِ مصطفیٰ ﷺ کو دیکھنے والا ہی صحابی ہوتا ہے، اسکے علاوہ دنیا کا کوئی اور آدمی صحابیت کے مرتبے پر نہیں پہنچ سکتا۔ صورت کے

اندر ہی یہ راز ہے کہ جس نے ایمان کی حالت میں اس صورت کو دیکھ لیا وہ صحابی بن گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ: ہم نے حضرت حذیفہ ﷺ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جو سیرت اور عبادت کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ کے زیادہ قریب ہو، تا کہ ہم اس سے دین حاصل کرسکیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود سے زیادہ کسی شخص کو نہیں جانتا جو سیرت، عبادات اور عادت کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ کے قریب ہو (بخاری حدیث: ۳۷۶۲)۔

گویا ان کی بات حضور ﷺ جیسی ہوتی تھی، ان کا کام حضور جیسا ہوتا تھا، ادائیں اور سٹائل حضور جیسے ہوتے تھے۔ ان کو دیکھنے سے حضور ﷺ کی مکمل تصویر نظر آ جاتی تھی۔ گویا جس نے سراپائے رسول ﷺ کو دیکھنا ہو وہ عبداللہ ابنِ مسعود کو دیکھ لے۔ یہ صرف ایک صحابی کی بات ہے کہ تمام صحابہ میں یہ بندہ سب سے زیادہ حضور سے مشابہت رکھتا تھا۔ یہ سب سے زیادہ کا کیا معنی ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ سارے ہی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اب کامیاب کوئی کس قدر ہوتا ہے۔ حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابنِ مسعود کو میں نے سب سے کامیاب دیکھا کہ یہ حضور ﷺ کی مکمل تصویر بنے رہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جو سیرت، عبادت، عادت اور کلام میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہو (ترمذی حدیث: ۳۸۷۲، ابوداؤد حدیث: ۵۲۱۷)۔

حضرت حذیفہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں عبداللہ ابنِ مسعود سے بڑھ کر کسی بندے کو نہیں جانتا جو نبی کریم ﷺ کے بالکل مطابق ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ فرمارہی ہیں کہ میں نے شہزادیٔ رسول سے بڑھ کر کسی کو حضور ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ پتا چل گیا کہ اپنا اپنا تجربہ ہے اور اپنا اپنا مشاہدہ ہے ورنہ غلامانِ مصطفیٰ ایک دوسرے سے بڑھ کر تصورِ محبوب میں مستغرق تھے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذال ذکر کنوں کر فکر گھنیرا ایہہ لفظ تکھا تلواروں ہو
ذاکر اوہی جھڑے فکر کماون ہک پل نہ فارغ یاروں ہو

کڈھن آہیں تے جان جلاون فکر کرن اسراروں ہو
فکر دا پھٹیا کوئی نہ جیوے باہو پٹے مُڈھ پہاڑوں ہو

(۳)۔صحبت

تیسری چیز ہے صحبت، سنگت، صالحین کے پاس جا کر بیٹھنا، مرشد کے پاس بیٹھنا، پیر بھائیوں کے پاس بیٹھنا۔

جب کوئی پودا لگایا جائے تو پودے کا لگ جانا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کی گوڈی بھی کرنی پڑتی ہے اور اس کو پانی بھی دینا پڑتا ہے۔ ذکر کی مثال ایسے ہے جیسے آپ نے پودا لگا دیا ہے، فکر کی مثال ایسے ہے جیسے آپ اس کو گوڈی کر رہے ہیں اور پیر بھائیوں کی صحبت ایسے ہے جیسے آپ اس کو پانی دے رہے ہیں۔ یہ تینوں چیزیں مکمل ہوں گی تو اب الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ھو والی بات سمجھ میں آئے گی۔ اب یہ چنبے کی بوٹی اُگے گی، بڑھے گی، پھولے گی، اپنے اثرات دکھائے گی بشرطیکہ یہ تینوں چیزیں اسے مکمل طور پر فراہم ہوتی رہیں۔ بوٹی لگانا بھی ضروری ہے، اس کی گوڈی کرنا بھی ضروری ہے اور اس کو پانی دینا بھی ضروری ہے۔

صحبت اتنی ضروری ہے کہ صحابی صحبت سے ہی بنا ہے۔ جو صحبتِ رسول میں بیٹھا وہ صحابی بن گیا۔ صحبت اتنی اہمیت کی حامل ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ حکم دے رہا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے پاس آپ جا کر بیٹھا کیجیے، ان کی سنگت میں بیٹھا کیجیے۔ اس سے حضور ﷺ کو فائدہ نہیں ہونا تھا بلکہ حضور کریم ﷺ نے جن کے پاس جا کر بیٹھنا تھا ان کو فیض میسر آنا تھا، ان کو فائدہ پہنچنا تھا۔ اس لیے اللہ کریم جل شانہ نے ان کے فائدے کے پیشِ نظر اپنے محبوب ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے پاس ان کو فیض فراہم کرنے کے لیے بیٹھا کریں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کہیں اللہ کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے تو فرشتے اس محفلِ ذکر کو آ کر ڈھانپ لیتے ہیں پھر جب وہ آسمانوں میں واپس جاتے ہیں تو اللہ کریم جل شانہ ان سے پوچھتا ہے کہ کہاں گئے تھے اور کیا دیکھا۔ وہ بتاتے ہیں ہم زمین پر گئے تھے، ہم نے دیکھا آپ کے بندے آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ وہ کیا چاہتے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کی جنت چاہتے

تھے۔آپ کے عذاب سے بچنا چاہتے تھے۔اللہ کریم فرماتا ہے کہ میری جنت انہوں نے دیکھی ہے۔میری دوزخ انہوں نے دیکھی ہے؟فرشتے کہتے ہیں نہیں۔فرمایا اُن دیکھے اتنی محبت۔فرشتے کہتے ہیں جی۔اللہ فرماتا ہے گواہ ہو جاؤ میں نے ان سب کو بخش دیا۔پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان میں ایک بندہ ایسا تھا جو ذکر کرنے کی نیت سے نہیں گیا تھا وہ کسی کام سے گیا تھا وہاں جا کر بیٹھنا پڑ گیا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں ہوتا گواہ ہو جاؤ میں نے اس بندے کو بھی بخش دیا(بخاری حدیث:۶۴۰۸،مسلم حدیث:۶۸۳۹)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بندہ کسی اللہ کے بندے کی زیارت کی خاطر اپنے گھر سے چل پڑتا ہے،محض اس کو جا کر ملنا چاہتا ہے اور اسے راستے میں کوئی اور کام بھی نہیں ہوتا۔اللہ کا فرشتہ اس کو انسان کی شکل میں ملتا ہے۔وہ پوچھتا ہے کہ کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہتا ہے میں فلاں بندے سے ملنے جا رہے ہوں۔تو فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے اس سے کوئی غرض ہے؟ وہ کہتا ہے نہیں، میں صرف اللہ کی خاطر اس کی زیارت کرنے جا رہا ہوں۔فرشتہ کہتا ہے کہ اللہ نے تیرے لیے پیغام بھیجا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔محض اس لیے کہ تو میرے بندے سے میری خاطر محبت کرتا ہے(مسلم حدیث:۶۵۴۹)۔

غور کریں اس حدیث میں اتنی دلچسپ بات ہے گویا جس بندے سے وہ ملنے جا رہا ہے وہ حقیقتاً اللہ کا نیک بندہ ہے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے۔اس بندے کا خیال ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ ہے، وہ اللہ کی خاطر اس سے ملنے چل پڑا ہے تو اللہ کی طرف سے اس کو بخشش کا پروانہ نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔تجھے کیا پڑی ہے کسی کے بارے میں غور و خوض کرنے کی کہ وہ بندہ کیسا ہے تو کسی کے بارے میں کیا سوچتا ہے، تجھے اپنے نفس کے بارے میں بدگمانی سے اور دوسروں کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا چاہیے۔اچھی سوچ رکھ اور گھر سے اس کی زیارت کے لیے چل پڑ، اگر وہ آدمی برا بھی ہے تو تیری نیت تیرا بیڑا پار کر دے گی اور تیرا فائدہ ہو جائے گا۔کون ہے اس زمانے میں جو معصوم ہے، معصوم تو انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے اور اب ختم نبوت کے بعد انبیاء کا سلسلہ ہی ختم ہو چکا ہے۔تو کس معصوم کی تلاش میں ہے؟ کسی میں کوئی خطا ہو گی، کسی میں کوئی خطا ہو گی۔تمام انسان آدم کی اولاد ہیں۔یہ انبیاء نہیں بلکہ عام انسان

ہیں اور یہ خطا کار ہوتے ہیں۔ لہٰذا حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے کسی کے پاس چلے جانا کسی کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرنا یہ انسان کی بخشش کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اچھی محفل کی مثال ایسے ہے کہ جیسے عطار ہو۔ یا وہ تمہیں خوشبو تحفے میں دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا کم از کم خوشبو تم تک پہنچ جائے گی اور بری محفل کی مثال ایسے ہے جیسے کوئلوں کو پھونک مارنے والا ہو۔ یا وہ تیرے کپڑے جلائے گا یا گندی بدبو تجھ تک پہنچ جائے گی (بخاری حدیث: ۲۱۰۱)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ** یعنی آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے، غور کر لیا کرو کہ تمہارا اٹھنا، بیٹھنا کن لوگوں میں ہے (ترمذی حدیث: ۲۳۷۸، ابوداؤد حدیث: ۴۸۳۳)۔ جن لوگوں میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا ہو گا تم انہیں کے مذہب پر ہو، جن سے تمہیں محبت ہے تم ان کے مذہب پر ہو، جن کے ساتھ تمہاری سنگت ہے، جس کے ساتھ تمہارے تعلقات ہیں، جن کو تم نے دل دے دیا ہے تم ان کے مذہب پر ہو۔ بے شک انسان بظاہر کلمہ پڑھتا رہے لیکن اگر اس کے دل میں عیسائی بسے ہوئے ہیں، مرزائی بسے ہوئے ہیں، ان کی محبتیں بسی ہوئی ہیں تو وہ بے شک کلمہ پڑھتا رہے، اس حدیث کی روشنی میں وہ اللہ کے ہاں عیسائی اور مرزائی لکھا ہوا ہے۔

لہٰذا سوچ کے دوستیاں لگایا کرو، سوچ سمجھ کر اُٹھا بیٹھا کرو، سوچ سمجھ کر یار بنایا کرو۔ یہ یاریاں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ صرف کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے۔ کلمے کی حقیقت اس بندے کو نصیب ہوتی ہے جس کا بیٹھنا کلمے والوں کے پاس ہوتا ہے۔ خاص طور سے پیر بھائیوں کا آپس میں بیٹھنا، آپس میں باتیں کرنا، اس سے بہت زیادہ فیض میسر آتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں بیٹھتے تھے، آپس میں دینی مسائل پر بحث کرتے تھے۔ قرآن پر، دین پر اور حضور کریم ﷺ کی ذات مبارک پر بات کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا حلیہ مبارک ایک دوسرے سے پوچھتے تھے، حضور ﷺ کی ادائیں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے، کوئی صحابی اگر کہیں چلے جاتے تو واپس آ کر باقی صحابہ کرام سے پوچھتے تھے کہ پیچھے حضور کریم ﷺ نے کیا باتیں کیں مجھے بتاؤ۔ بے شمار احادیث ایسی ہیں جو صحابی نے صحابی سے روایت کی ہیں کہ صحابی کہتا ہے کہ میں نے فلاں

صحابی سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ حضور کریم ﷺ نے یوں فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو صحابہ حضور ﷺ سے سنتے تھے، دوسرے صحابہ ان سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح حضور کریم ﷺ کی باتیں آپس میں ہوتی رہتی تھیں۔ صحابہ کرام پر ہر وقت یہی دھن سوار رہتی تھی کہ ہم دین کی باتیں کسی طریقے سے سن لیں، سمجھ لیں اور ان پر عمل کر لیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ حضور کریم ﷺ کی پیدائش کے سال میں پیدا ہوئے تھے لیکن حضور سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت قباث سے پوچھا: بتایئے حضور ﷺ بڑے ہیں یا آپ بڑے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: **رَسُولُ اللهِ ﷺ اَكْبَرُ مِنِّي وَاَنَا اَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْمِيْلَاد** یعنی رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں لیکن پیدا میں پہلے ہوا تھا (ترمذی حدیث:۳۶۱۹)۔

عام انسان اگر یہ سوچے تو یہ کام کوئی فائدہ مند چیز نہیں کہ کون پہلے پیدا ہوا اور کون بعد میں پیدا ہوا لیکن عشق والوں کے لیے یہ بڑے کام کی اور بڑے مطلب کی بات ہے۔ اس لیے کہ جب آپس میں بیٹھیں تو اپنے محبوب کی بات کریں، ان کی صورت کی باتیں کریں، ان کے حلیے کی باتیں کریں، ولادتِ باسعادت کی باتیں کریں۔ جسکا تعلق محبوب سے ہو وہ بات خواہ مشرق کی ہو یا مغرب کی ہو وہ عین ایمان ہے اور وہ بات عین فیض کا سبب ہے۔ صحابہ کرام کا یہی رویہ تھا، یہی وطیرہ تھا، یہی انکو تعلیم دی جاتی تھی اور اسی پر وہ عمل کرتے تھے اور یہی راستہ وہ ہمیں عطا کر گئے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ** یعنی جو لوگ آپس میں میری خاطر محبت کرتے ہیں، میری خاطر آپ میں مل بیٹھتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے کیلئے جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے پر پیسا خرچ کرتے ہیں، ان کیلئے میری محبت واجب ہے یعنی میں نے از راہِ رحمت وشفقت ان سے محبت کرنا اپنے اوپر واجب کر لیا ہے (مؤطا امام مالک کتاب الشعر باب ماجاء فی المتحابین فی حدیث:۱۶، مسند احمد حدیث:۲۲۱۹۲)۔

دو پیر بھائی جب آپس میں بیٹھتے ہیں تو ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک قصاب کی دو چھریاں ہوں۔ جب وہ ایک چھری کو دوسری چھری پر مارتا ہے تو دونوں چھریاں تیز ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح جب دو پیر بھائی آپس میں بیٹھتے ہیں اور آپس میں دین کی بات کرتے ہیں، طریقت کی بات کرتے ہیں تو دونوں کی اصلاح ہوتی ہے دونوں چھریاں تیز ہوتی ہیں۔ بات کے دوران عین ممکن ہے دو پیر بھائیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو وہ جھگڑا بھی ان کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ ان کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کی اصلاح کر رہے ہیں۔ ایک پیر بھائی دوسرے پر تنقید کر دیتا ہے تو وہ تنقید دوسرے کے لیے بڑے فائدے کی چیز ہے، اس سے اسکا نفس مرے گا، اس کی اصلاح ہو گی۔ جو بتانے والا ہے اسے اجر ملے گا۔ یوں دین پھیلتا ہے اور یوں ایک دوسرے تک فیض پہنچتا ہے اور منتقل ہوتا ہے۔

صحبت اتنی بھاری چیز ہے، اتنی زبردست چیز ہے کہ ایک اللہ کے ولی تھے انہیں مجذوب بابا کہتے تھے۔ ان کے پاس ان کا ایک مرید اپنے کسی ساتھی کو لے گیا۔ اس کا ساتھی پیروں کو مانتا ہی نہیں تھا اور وہ اسے زبردستی لے گیا تا کہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ وہاں پہنچے تو بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کے ساتھی نے اشارے کرنا شروع کر دیے کہ یہاں سے چلو اس نے کہا تھوڑی دیر بیٹھو۔ آخر اس کا ساتھی وہاں سے کھسک آیا۔ مرید دوسرے دن پھر اسے پکڑ کر لے گیا۔ وہاں پہنچ کر پھر وہ کہنے لگا اچھا یار میں چلتا ہوں، پھر وہ نکل گیا۔ تیسرے دن وہ پھر اسے پکڑ کر لے آیا مگر تیسرے دن وہ بیٹھا تو بیٹھا ہی رہا، اٹھ ہی نہیں رہا تھا یعنی دل لگ گیا۔ بزرگ بول پڑے فرمایا بتاؤ آپ کل بھی آئے تھے اور پرسوں بھی آئے تھے کل بھی جلدی چلے گئے اور پرسوں بھی جلدی چلے گئے لیکن آج آپ جا ہی نہیں رہے ہو؟ اس بندے نے کہا کہ آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور آپ نے مجھے معاف کر بھی دیا تو آپ کے مرید تو مجھے مار ہی ڈالیں گے۔ ان بزرگوں نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اسے کچھ بھی نہیں کہنا، یہ سچ بولے گا اسے بولنے دینا۔ سب کو پہلے سمجھا دیا پھر اس سے کہا کہ اب بتاؤ۔ اس نے کہا میں پہلے دن آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہیں بیٹھے ہوئے بلکہ آپ کی جگہ پر خنزیر بیٹھا ہوا ہے۔ میں دوسرے دن آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہیں بیٹھے بلکہ آپ کی جگہ پر کتا بیٹھا ہوا ہے۔ آج میں تیسرے دن آیا ہوں تو آج میں نے دیکھا ہے کہ آپ انسان ہیں آپ اپنی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں کل بھی چلا گیا اور پرسوں بھی چلا گیا اور آج بیٹھا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا کہ

اس نے حق کہا۔ دراصل یہ پہلے دن آیا تو یہ خود خنزیر جیسی حالت میں تھا اور ہمارے آئینے میں اسے اپنی شکل نظر آ رہی تھی۔ اللہ نے اس کو خنزیر سے بہتر کر دیا اور صحبت کے اثر کی وجہ سے اسے خنزیر سے کتے تک پہنچا دیا۔ دوسرے دن اپنے آپ کو ہمارے اندر کتے کی شکل میں دیکھ لیا اور تیسرے دن آیا تو دو دن کی برکت سے اللہ کریم جل شانہ نے اسے انسانیت کے مرتبے پر پہنچا دیا۔ آج اس نے اپنے آپ کو ہمارے اندر صحیح معنی میں دیکھ لیا ہے، آج یہ انسان کے مرتبے پر پہنچ چکا ہے۔ ہم پہلے بھی وہی تھے اور آج بھی وہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ** یعنی مومن مومن کا آئینہ ہے۔ یہ انقلاب اس کے اپنے اندر آ رہے تھے۔ یہ محفل کی برکت ہے اور اللہ کے ولی کے پاس جا کر بیٹھنے کا فیض ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **دواء القلب خمسة اشياء : قراءة القرآن بالتدبر ، و خلاء البطن ، و قيام الليل ، والتضرع عند السحر ، و مجالسة الصالحين** یعنی پانچ چیزیں دل کے لیے دوا کا کام کرتی ہیں۔ تدبر کے ساتھ قرآن پڑھنا، پیٹ کا خالی ہونا، رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا، سحر کے وقت اللہ کے سامنے گڑگڑانا اور صالحین کی صحبت میں بیٹھنا (رسالہ قشیریہ صفحہ ٦٥)۔

پھر آپ نے فرمایا کہ: مبتدی یعنی نئے طالب کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے مرشد کی صحبت میں رہے۔ ایک گھڑی کے لیے بھی اس کی صحبت سے علیحدہ نہ ہو کیونکہ:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

ترجمہ: اولیاء اللہ کے حضور ایک گھڑی کی صحبت اختیار کرنا سو سال بے ریاء عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

عامی آدمیوں اور عورتوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ پس اگر اتفاقاً اپنے مرشد کی صحبت سے جدا رہنا پڑ جائے تو اس وقت اس کو چاہیے کہ اپنے مرشدِ کامل کے مناقب اور وعظ و نصیحت کی باتوں میں مشغول رہے (مخزن فیضان صفحہ ۲۸)۔

حضرت ابوعمرز جاجی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تو کسی شیخ کی مجلس میں بیٹھے اور وہ کسی علم پر گفتگو فرما رہے ہوں اور اس وقت تجھے پیشاب کی اشد ضرورت پڑ جائے تو ایسی حالت میں اگر تو اسی جگہ پر پیشاب کر دے تو یہ بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشاب تو پانی سے دھو کر پاک کیا جا سکتا ہے مگر وہاں سے اٹھ جانے سے جو فوائد تم کھو دو گے انہیں تم کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے (کتاب اللمع صفحہ ۲۷۲)۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحبت سپرین جی ہی پن وڈی حاج

قضا کج نماز وقت ورائن سہنجڑو

ترجمہ: محبوب کی صحبت بہت ضروری چیز ہے۔ اس کی خاطر نماز قضا کر دے، نماز کا وقت واپس لوٹایا جا سکتا ہے مگر محبوب کی صحبت کا وقت دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔

اللہ کریم جل شانہ مجھے اور آپ کو ان تینوں نکتوں کو ہمیشہ یاد رکھ کر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیعت کے بعد کیفیات

کثرتِ ذکر اور شیخ کی توجہ کی برکت سے ابتدائی طور پر فقیر کا قلب جاری ہوتا ہے۔ اچھے اچھے خواب آتے ہیں۔ اپنے مرشد اور مختلف بزرگوں کی زیارت ہوتی ہے، بعض کا مراقبہ کھل جاتا ہے۔ اچھے طالبوں کو کشف بھی ہونے لگتا ہے۔

ایسے ہی فقراء کے دل میں وسوسے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی اپنے مرشد کریم کے بارے میں کبھی راہِ طریقت کے بارے میں اور کبھی دینِ اسلام کے بارے میں۔ حتیٰ کہ بعض طالب ایسے ایسے وسوسوں کا شکار ہوتے ہیں کہ وہ قابلِ بیان ہی نہیں۔ حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں ایسے ایسے وسوسے آتے ہیں کہ بیان کے قابل نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ عرض کیا جی حضور۔ فرمایا ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ یہ عین ایمان کی نشانی ہے (مسلم حدیث: ۳۴۰)۔

بعض فقراء جب ذکر فکر شروع کرتے ہیں تو انہیں دنیاوی نقصان ہونے لگتا ہے، یہ بھی بہت بلند پایہ فقیر ہونے کی نشانی ہے۔ دراصل ان کی روح میں جمود نہیں ہوتا بلکہ ان کی روح کیفیت کو قبول کرتی ہے اور کیفیت ان پر واردات کرتی ہے۔ ایسا فقیر معرفت میں تیز ہوتا ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ تین مرتبہ یہی کہا۔ فرمایا، اگر سچ کہتے ہو تو پھر فقر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے فقر اس کی طرف اس طرح بڑھتا ہے جیسے سیلاب اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے (ترمذی حدیث: ۲۳۵۰)۔

بعض طالبوں کے لیے ان کا علم حجاب بنتا ہے اور وہ سمجھ سے بالاتر باتوں پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے سیدنا موسیٰ وخضر علیہما السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ مشائخ علیہم الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں کہ لَا تَعْتَرِضْ عَلٰی شَیْخِکَ اَیُّھَا الْمُرِیْدُ یعنی اے مرید اپنے شیخ پر اعتراض مت کر۔ بعض طالبوں کا قلب اور دیگر لطائف فوراً جاری ہو جاتے ہیں اور بعض کے لطائف دھڑکنے لگتے ہیں اور بظاہر لطائف کا پھڑکنا ہر کسی کو نظر آتا ہے۔ یہ چیز ایسے طالبوں کے لیے تکبر کا سبب بن جاتی ہے اور شہرت اور تماشے کا سبب بھی بنتی ہے۔ جب کہ شہرت ممنوع ہے۔ نیز اس سے اگلی کیفیات میں جا کر یہ لطائف کا اجراء مصیبت بن جاتا ہے۔ اس لیے گہرے اور سنجیدہ مشائخ ایسی چیزوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ الٹا ناپسند کرتے ہیں۔ دراصل ان چیزوں کی مثال تنکوں کی آگ جیسی ہے۔ جو فوراً بھڑک اٹھتی ہے مگر فوراً بھسم بھی ہو جاتی ہے۔ ہمارے پیشواء ومقتدا حضرت علی محمد عرف میاں سائیں قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ:

ہی ککھن جی بھاہ آہی　　　یعنی یہ تنکوں کی آگ ہے۔

ہلکی آنچ کی دیگ میں پکنا ہی لذت، عروج اور گہرائی فراہم کرتا ہے۔ طریقت کے اس سفر میں دو کیفیات کو یاد رکھنا ضروری ہے۔

قبض اور بسط

قبض اور بسط دراصل دو احوال ہیں جو منتہی لوگوں پر آتے ہیں۔ لیکن مبتدی طالب پر بھی ان سے ملتی جلتی کیفیت آتی ہے جسے انہی لفظوں سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ ایک انجانی سی گھٹن

، پریشانی اور انقباض کا نام قبض ہے۔قبض والے فقیر کا دل خاموش رہنے کو چاہتا ہے اور دنیا میں کہیں اس کا دل نہیں لگتا۔یوں کہہ لیں کہ دنیا سے بے زاری اور اللہ کی طرف رغبت کا نام قبض ہے۔اس کے بالکل برعکس ایک انجانی سی خوشی اور کشادگی کا نام بسط ہے۔اگر ابتدائی طالب پر یہ دو کیفیات آ جائیں تو اس کے لیے مبارک ہے۔طریقت میں اس کا قدم مضبوط ہو چکا ہے۔

طریقت والوں کے لیے سفر ایک بے بہا دولت ہے۔حج یا عمرے کو جانا، دریا کی سیر کرنا اور پہاڑوں میں جا کر کچھ وقت گزارنا کامیابی کی راہیں کھولتا ہے۔سفر کرنے سے اچھے اچھے خیالات آتے ہیں اور الہام کا دروازہ کھلتا ہے۔فقیر اپنی کیفیت کو آسانی سے سمجھنے لگتا ہے اور اچھی اچھی تدبیریں اللہ کریم کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔قبض کے دنوں میں بلندی کی طرف سفر کرنا اور بسط کے دنوں میں پستی کی طرف سفر کرنا زیادہ تر فائدہ مند ہوتا ہے۔

طالب طریقت کو سب سے پہلے مرشد مرشد کرنا پڑتی ہے۔جب وہ اپنے آپ کو مرشد کی محبت میں گم کر بیٹھتا ہے تو اسے فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔پھر وہ اپنے آپ کو حضور محبوب کریم رؤف رحیم ﷺ کی محبت میں گم کر دیتا ہے تو اسے فنا فی الرسول کہتے ہیں اور جب وہ اپنے آپ کو اللہ کریم جل شانہ کی ذاتِ اقدس میں اور اس کی محبت میں گم کر دیتا ہے تو اسے فنا فی اللہ کہتے ہیں۔

یقین کی دولت

یقین ایک دولتِ عظمیٰ ہے، اس کی متعدد جہات ہیں۔اللہ تعالیٰ کو اپنے خدا ہونے کا یقین ہے۔وہ جو بھی چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔

حدیثِ قدسی ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِی یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں (بخاری حدیث: ۷۴۰۵)۔اگر بندہ یہ یقین رکھ لے کہ میرا رب مہربان ہے مجھے ضرور معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گمان کے مطابق ہی اس سے سلوک فرمائے گا۔

جو طالبِ طریقت رب کو اپنا محبوب سمجھتے ہیں انکے ساتھ اسکا رویہ مختلف ہوتا ہے اور جو لوگ رب کو اپنا محبّ سمجھتے ہیں اور خود کو محبوب سمجھتے ہیں انکے ساتھ اسکا رویہ دوسرا ہوتا ہے۔اگر خدانخواستہ کسی طالب سے گناہ سرزد ہو جائے تو بعض اوقات گناہ کا احساس اسکے دل میں گھر کر لیتا

ہے۔رب کے ہاں سے معافی کا ہوجانا ایک الگ بات ہے مگر وہ خود ہی اپنے آپکو معاف نہیں کرتا۔

۱۹۹۰ء میں فقیر ایک اپنے روحانی بھائی عبدالرؤف کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی رہا تھا۔فقیر نے پوچھا کیا آپکو اللہ تعالی سے ڈرلگتا ہے؟انہوں نے کہا مجھے اس قدر ڈرلگتا ہے کہ کہیں یہ چھت سے بجلی کا پنکھا نہ مجھ پر گرادیا جائے۔پھر انہوں نے فقیر سے پوچھا کیا آپکو بھی ڈرلگتا ہے؟فقیر نے کہا ڈر تو لگتا ہے مگر مجھے اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈر نہیں لگتا بلکہ مجھے اس کی بے نیازی سے ڈرلگتا ہے۔وہ اگر چاہے تو مجھے گناہوں کے باوجود بخش دے اور اگر چاہے تو نیکیوں کے باوجود پکڑ لے۔

فقیر نے کہا کہ انسان خود ہی خطا کرتا ہے،خود ہی خود پر گرفت کرتا ہے،خود ہی پچھتاتا ہے،خود ہی استغفار کرتا ہے اور خود ہی خود کو معاف کرتا ہے۔انہوں نے فرمایا بالکل حق ہے۔

جب تک انسان اپنے گناہوں پر نادم نہ ہو محض توبہ توبہ کی تسبیح نکالنے کا فائدہ نہیں۔

حدیث مرفوع بھی ہے اور سیدنا ابن مسعود ﷛ بھی فرماتے ہیں کہ:اَلنَّدْمُ تَوبَۃٌ وَ التَّائِبُ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ ندامت اصل توبہ ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (شرح السنہ للبغوی حدیث:۱۳۰۷)۔نتیجہ یہ نکلا کہ ندامت ہی معافی ہے۔

یقین کی ایک جہت یہ ہے کہ اپنے مرشد جیسا کسی کو نہ سمجھا جائے۔ہم نے اپنے مرشد کریم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مرید اپنے مرشد کو فنافی الشیخ سمجھے گا وہ فنافی الشیخ ہوجائے گا۔جو اپنے مرشد کو فنافی الرسول سمجھے گا وہ فنافی الرسول ہوجائے گا اور جو اپنے مرشد کو فنافی اللہ سمجھے گا وہ فنا فی اللہ ہوجائے گا۔اگر مان لیا جائے تو مسجد ہے،اگر نہ مانا جائے تو محض ایک کمرہ ہے۔

یقین کی ایک جہت یہ ہے کہ طالب طریقت جب اس مقدس راستے میں قدم رکھے تو اس یقین کے ساتھ رکھے کہ منزل مقصود تک پہنچنا محال نہیں۔اگر حصول مقصد میں دیر لگے تو اپنے مشن سے باز نہ آئے۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے زمین میں کنواں کھودتے وقت پانی نکلنے میں دیر لگ جائے مگر کھودنے والے کو سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ نیچے پانی موجود ہے۔اس صورت میں یقین کی ضد مایوسی ہے۔اور مایوسی گناہ ہے۔

ایک مرتبہ ہمارے ایک پیر بھائی سے ہمارے مرشد کریم نے فرمایا کہ تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوگئی۔مگر اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ

یہ بیٹی نہیں بیٹا ہے۔ میرے مرشد کی بات غلط نہیں ہوسکتی۔ اس نے اس کا لڑکوں والا نام رکھا۔ لڑکوں والا لباس پہنایا۔ لڑکوں کی طرح پرورش کی۔ مگر سب کو معلوم تھا کہ یہ لڑکی ہے۔ جب وہ لڑکی جوان ہوگئی تو اس کے باپ نے اس کے لیے اپنے بھائی کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ اس کے بھائی نے کہا اس سے پہلے میرا خیال تھا کہ تم محض اپنے پیر سے خوش عقیدگی کا شکار ہو۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ تم واقعی پاگل ہو۔ رشتے کا پرزور مطالبہ جاری تھا۔ آخرکار بھائی نے تنگ آ کر رشتہ دے دیا اور کہا کہ اس سے میری جان چھڑاؤ، اس کی لڑکی کے پاس میری لڑکی چلی جائے گی تو کونسی گالی ہے؟ نکاح ہوگیا۔ رات گزری تو لڑکی نے بتایا کہ میرا شوہر مرد ہے۔ یہ درگاہ عالیہ مشوری شریف کا سچا واقعہ ہے اور اس کے گواہ آج بھی موجود ہیں۔

مرشد کا کامل ہونا ضروری ہے مگر مرید کا کامل ہونا بھی اشد ضروری ہے اور مرید کے کامل ہونے سے مراد صاحبِ یقین ہے۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں ہمیں مرشدِ کامل نہیں ملتا، میں کہتا ہوں مجھے مرید کامل نہیں ملتا۔

یقین کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ انسان دو مختلف خیالات نہ آنے دے۔ یعنی ڈبل مائنڈڈ نہ ہو۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سڑک پار کرتے وقت اکثر وہی لوگ حادثے کا شکار ہوتے ہیں جو آگے گزر جانے یا پیچھے ہٹ جانے کا فیصلہ نہیں کر پاتے۔ اسی لیے ایک مرید بھی دو مرشدوں کے درمیان کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ اسی لیے یک سوئی اور ذہنی ارتکاز ضروری ہے۔ ایک اللہ، ایک رسول، ایک مرشد، ایک تصور اور ایک ہی خیال۔ ورنہ طریقت کا مشرک ٹھہرے گا اور شرک سراسر انتشار ہے۔

یقین کی ایک جہت کا تعلق اسلامی عقائد اور نظریات سے ہے۔ خاص طور سے اس دور میں روافض کی طرف سے پھیلائی جانے والی باتیں کچے طالبوں کے لیے بے یقینی اور تذبذب کا سبب بنتی ہے۔ واضح رہے کہ شیعہ مذہب سراسر بدشگونیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی باتیں سن کر اچھے خاصے لوگ اپنی تقریر کا رخ بدل دیتے ہیں۔ اپنی تحریر میں موضوع روایات لے آتے ہیں اور بعض تو بدحواس ہو کر قلم رکھ دیتے ہیں۔

اسی یقین کی ایک جہت کا تعلق بدشگونیوں سے ہے۔ بلی نے راستہ کاٹ لیا تو ڈر گئے، کسی نے ٹیڑھی نظر سے دیکھ لیا تو گھبرا گئے، کسی نے کہہ دیا میں تمہیں نگاہ سے جلا دوں گا تو اس کے

پاؤں پکڑ لیے، کسی نے کہہ دیا کہ میں فلاں مزار سے آیا ہوں تو اس سے توقعات وابستہ کر لیں، کسی نے کوئی شعبدہ دکھا دیا تو اسے ولی سمجھ لیا۔ اس قسم کی باتوں کے معاملے میں فقیر کو یقین کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ایسے لوگوں کو ماشاء اللہ کہہ کر جان چھڑا لینی چاہیے مگر کھری کھری سنانے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے کیے کا بدلہ اللہ کریم سے پالے گا۔

یقین کی ایک جہت کا تعلق توکل کے ساتھ ہے۔ اسباب کو اختیار کرنا اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دینا توکل کی ایک حد ہے۔ اصل اور کامل توکل یہ ہے کہ اسباب سے صرفِ نظر کر لیا جائے۔ محبوب کریم رؤف رحیم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر لوگ توکل کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو رزق اس طرح فراہم کرے جیسے پرندوں کو فراہم کرتا ہے جو صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں (ترمذی حدیث: ۲۳۴۴، ابن ماجہ حدیث: ۴۱۶۴)۔

شیخ اکبر قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی اللہ کے ولی سے پوچھا گیا کہ کوئی وصیت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا یَـابُنَیَّ سُدِّ الْبَابَ وَاقْطَعِ الْاَسْبَابَ وَ جَالِسِ الْوَهَّابَ یَكْفُلُكَ مِنْ غَیْرِ حِجَابٍ ش اے بیٹے دروازہ بند کر دے، اسباب ختم کر دے، وہاب کے پاس بیٹھ جا، وہ بغیر کسی حجاب کے تمہاری کفالت کرے گا۔

حضرت میاں محمد بخش صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

بیڑی روہڑ اسباباں والی عشق ندی دے ٹھاٹھوں

فقیر کی نظر سبب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہونی چاہیے۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

چوں رزق حقدار است کم کوشی بہ　　چوں گفتہ نویسند خاموشی بہ

پنجابی میں محاورہ ہے۔

بھج بھج تھکاں بھراں کلاوے　　جو کجھ لکھیا اوہا کجھ آوے

یقین کی ایک جہت کا تعلق غیر اللہ سے بے خوف ہو جانے سے ہے۔ یقین کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ فقیر کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بات پر یقین ہو کہ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں میرے محبوب کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ ایک مولانا صاحب نے بسم اللہ کی برکات پر وعظ فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اگر آپ دریا

میں بھی چھلانگ لگا دیں تو بخیریت پار چڑھ جائیں گے۔ایک گڈریا نے یہ وعظ سنا اور اس نے اس پر یقین کامل رکھ لیا اسے جب بھی پار جانا ہوتا بسم اللہ پڑھ کر دریا پر قدم رکھ دیتا اور پار چلا جاتا۔ایک دن وہی مولانا صاحب دریا کے کنارے کشتی کا انتظار فرما رہے تھے۔گڈریا وہاں سے گزرا تو اس نے پوچھا قبلہ آپ کیوں کھڑے ہیں۔مولانا نے فرمایا کشتی کا انتظار ہے۔گڈریے نے عرض کیا حضور بسم اللہ پڑھیے اور پار چلے جایئے۔میں نے آپ سے یہ مسئلہ سنا ہے اور اسی پر عمل کرتا ہوں۔مولانا نے فرمایا اگر ایسا ہے تو میں بھی بسم اللہ پڑھ کر دریا میں پاؤں رکھتا ہوں۔لیکن احتیاطاً میرے پاؤں کے ساتھ رسی باندھ دو تاکہ اگر بسم اللہ نے اپنا کام دکھایا تو ٹھیک ورنہ رسی کھینچ کر مجھے ڈوبنے سے بچالینا۔

اس طرح کا ڈھیلا یقین ہو تو بسم اللہ کے ذریعے کبھی پار نہیں چڑھا جا سکتا۔صوفیائے کرام علیہم الرضوان نے یقین کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔علم الیقین ،عین الیقین اور حق الیقین۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے سن رکھا ہو کہ آگ جلا دیتی ہے، یہ علم الیقین ہے۔اگر کسی نے کسی دوسرے کو آگ میں جلتے دیکھا ہو تو یہ عین الیقین ہے اور اگر کسی نے خود آگ میں جل کر دیکھا ہو تو یہ حق الیقین ہے۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہ فرماتے ہیں: علم الیقین علماء کا درجہ ہے جو احکام و اوامر پر استقامت رکھتے ہیں اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے جو موت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور حق الیقین محبوبان خدا کے فنا کا مقام ہے جو تمام موجودات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔علم الیقین مجاہدے سے ہوتا ہے، عین الیقین اُنس و محبت سے اور حق الیقین مشاہدے سے۔پہلا عام ہے دوسرا خاص تیسرا اخص الخواص، واللہ اعلم (کشف المحجوب صفحہ ۴۳۱)۔

ہم نے تجربہ کیا ہے کہ صوفیائے کرام علیہم الرضوان کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے، صوفیاء اور فقراء کی صحبت میں بیٹھنے اور صوفیاء کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے اور ان کی سچی حکایات سننے سے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔بزرگوں کے ملفوظات زمین میں اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جن کے ذریعے نفس اور شیطان کے خلاف فتح نصیب ہوتی ہے۔خوب سمجھ لو۔

ایک مرتبہ ہم چند پیر بھائی آپس میں مل کر بیٹھے تھے۔فقیر کو ان میں سے جناب محمد امین جاوید صاحب اچھی طرح یاد ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ طریقت کے جن پیچیدہ مسائل سے آج کل

ہمیں واسطہ پڑ گیا ہے، ان حالات میں ہمیں نہایت گہرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے حالات اور فرمودات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ خصوصاً سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے راہنمائی لینی چاہیے۔

حضرت ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اس امت میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان پر اشارۂ صوفیاء کی بات ظاہر ہوئی جس سے اہل فہم نے ایسے لطائف نکالے، جن میں عقل مندوں کو بھی وسوسے آنے لگے۔ حضرت شیخ ابونصر سراج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: واسطی نے اپنے اس قول میں کہ صوفیانہ بات سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان پر ظاہر ہوئی، اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام املاک اللہ کی راہ میں نکال دیں اور نبی ﷺ نے انہیں فرمایا: تو اپنے اہل وعیال کیلئے کیا چھوڑ آیا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا: اللہ اور اللہ کا رسول چھوڑ کر آیا ہوں۔ ابوبکر نے پہلے اللہ کا ذکر کیا اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر بعد میں کیا۔ حقائق تفرید میں اہل توحید کیلئے یہ اپنی نوعیت کا بہت بڑا اشارہ ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس کے علاوہ دیگر اشارات بھی ہیں جن سے مزید لطائف نکالے جاتے ہیں، اہل حقائق کو ان لطائف کا علم ہے اور ان پر لگے رہنے اور اپنانے کے لیے وہ انہیں خوب سمجھتے ہیں (کتاب اللمع صفحہ ۱۹۴)۔

فقیر راقم الحروف نے حسبِ توفیق سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے احوال کا مطالعہ کیا ان کے حالات اور محبوب کریم ﷺ کے ساتھ انکی عارفانہ گفتگو اور راز و نیاز کی باتیں کافی حد تک مطالعہ میں آئیں۔ ان باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے محبوب کریم رؤف رحیم ﷺ سے ایک خصوصی دعا روایت فرمائی ہے جو ہماری بیان کردہ یقین کی تمام جہات میں کامیابی کی کنجی ہے۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ یَا اَیُّھَا النَّاسُ ، اِنَّ النَّاسَ لَمْ یُعْطُوا فِی الدُّنْیَا خَیْراً مِنَ الْیَقِیْنِ وَالْمُعَافَاۃِ ، فَاسْئَلُوْ ھُمَا اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! دنیا میں اللہ تعالیٰ نے یقین اور عفو سے بڑھ کر کسی کو کوئی دولت عطا نہیں فرمائی۔ اللہ عزوجل سے یقین اور عفو مانگا کرو (مسند احمد حدیث: ۳۹)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: سَلُوا اللّٰہَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَالْیَقِیْنَ فِی الآخِرَۃِ وَ الْاُولٰی یعنی اللہ سے دنیا اور آخرت میں عفو اور یقین کا سوال کرو (مسند احمد حدیث: ٦)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اَلَا اِنَّـهٗ لَمْ یُقْسَمْ بَیْنَ النَّاسِ شَیْءٌ اَفْضَلَ مِنَ الْمُعَافَاةِ بَعْدَ الْیَقِیْنِ یعنی خبردار! لوگوں میں عفو اور یقین سے افضل کوئی چیز تقسیم نہیں کی گئی (مسند احمد حدیث:۵۰)۔

ان سب احادیث کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمیں دعا مانگتے وقت یوں عرض کرنا چاہیے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْیَقِیْنَ

اے اللہ میں تجھ سے عفو اور یقین کا سوال کرتا ہوں۔

☆......☆......☆

دوسرا باب

اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے

اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ لِقُلُوْبِهِمْ

حدیث قدسی ہے کہ: اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ لِقُلُوْبِهِمْ میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔ اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، انہی دنوں میں ابو طالب بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس سال کا نام غم کا سال (عام الحزن) رکھا گیا۔ کفار نے پریشان کرنے میں انتہا کر دی۔ طائف میں جا کر تبلیغ فرمائی تو لوگوں نے پتھر مارے۔ دل ٹوٹ گیا تو معراج نصیب ہوئی۔ دل بہلانے کے لئے آسمانوں کی سیر کرائی گئی، جنت کی بہاریں دکھائی گئیں، استقبال کے اہتمام کئے گئے، عرش کے پار دیدارِ الٰہی کا شرف بخشا گیا، فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی کے راز و نیاز ہوئے۔ بِمَ اُشَرِّفُکَ یَا مُحَمَّدُ ﷺ فرما کر منہ مانگی فرمائش پوری کی گئی۔ دل کا ٹوٹنا ان ساری کرم نوازیوں کا سبب بنا۔

حدیث میں ہے کہ: اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهَا لَیْسَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ

یعنی مظلوم کی آہ سے ڈر، مظلوم کی آہ اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا (بخاری حدیث: ۲۴۴۸)۔ بھوک، پیاس، بیماری اور غربت بھی دل توڑ دیتی ہیں اور اللہ کے قرب کا سبب بنتی ہیں۔ یہ نکتہ ہمیں سمجھ آ جائے تو ہم سہولتوں سے منہ موڑ لیں اور دکھوں کو گلے لگانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مرادیں مانگنا چھوڑ دیں اور نامرادی کے لیے تیار ہو جائیں۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نامرادی جے نہ جھرے پیھی پس اللہ
چٹور بانی راہ پر مرادن کھنیں مخفی کیو

اگر انسان نامرادی کے لیے تیار ہو جائے تو اللہ سامنے ہے۔ صاف خدائی راستہ ہے جسے ہم نے مرادوں کی وجہ سے چھپا دیا ہے۔

یہ راز اگر ہم پر فاش ہو جائے تو پھر ہم جیتنے کی خواہش ترک کر دیں اور ہار جانے کو تیار ہو جائیں۔ حضرت میاں محمد بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جتّن جتّن ہر کوئی کھیڈے توں ہارن کھیڈ فقیرا
جتّن دا مُل کوڈی ہوندا ہارن دا مُل ہیرا

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کا دن ہوگا، اللہ پاک جل شانہ ایک بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار تھا تو مجھے پوچھنے نہیں گیا۔ بندہ کہے گا یا اللہ تو بیمار ہونے سے پاک ہے میں تجھے پوچھنے کیسے جاتا؟ اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اسے پوچھنے چلا جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ بندہ اسی طرح کہے گا کہ اے اللہ تو کھانا کھانے سے پاک ہے میں تجھے کھانا کیا کھلاتا۔ اللہ پاک فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو اس کا اجر مجھ سے پا لیتا۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تم نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا۔ بندہ عرض کرے گا باری تعالیٰ تو رب العالمین ہے میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تم نے اسے پانی نہیں دیا تھا۔ اگر تم اسے پانی پلا دیتے تو آج اس کا اجر مجھ سے پا لیتے۔

مطلب یہ ہے کہ بھوکے کو جب بھوک لگی ہوتی ہے۔اور پیٹ خالی ہوتا ہے تو اس وقت بھی بندہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔اس بھوک کو معمولی چیز نہ سمجھنا چاہیے۔بھوک اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ اسلام غربت سے شروع ہوا،غربت میں ہی رہے گا اور غریبوں کو مبارک ہو۔بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْباً وَسَیَعُودُ غَرِیْباً فَطُوبیٰ لِلْغُرِبَاءِ۔

اس لیے کہ غریب ہی بھوکا ہوا کرتا ہے،غریب کا دل ہی زیادہ سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہوتا ہے۔غریب ہی پیاسا رہا کرتا ہے،غریب ہی میلا کچیلا رہا کرتا ہے اور غریب جو میلا کچیلا اور بھوکا پیاسا رہتا ہے تو بھوک اور پیاس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہوتا ہے۔رَجے ہوئے بندے اکثر اللہ سے غافل ہو جایا کرتے ہیں،اس لیے کہ رجے ہوئے بندے کا دل نہیں ٹوٹا کرتا۔

صوفیاء کا ایک قول ہے: اَلْجُوعُ طَعَامُ اللّٰہِ بھوک اللہ کی طرف سے کھانا ہے۔

ایک مانگنے والا گلی میں جا رہا تھا،کہہ رہا تھا۔خدا کے بندو خدا کی قسم میں تین دن سے بھوکا ہوں،خدا کے لیے مجھے کچھ کھلاؤ۔اللہ کے ایک ولی نے یہ آواز سنی تو فرمایا: تو جھوٹ بولتا ہے،تو اللہ پر بہتان باندھتا ہے،تو تین دن سے بھوکا نہیں ہے۔اس نے کہا کیسے؟ اس اللہ کے ولی نے فرمایا بھوک اللہ کا تحفہ ہے،اللہ کا کھانا ہے۔اگر تو واقعی بھوکا ہوتا تو تجھے خداوند قدوس کے کھانے کی قدر ہوتی اور یہ شکایت اپنی زبان پر کبھی نہ لاتا۔

اللہ پاک کو جس بندے سے محبت ہوتی ہے جب بندہ اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ پاک جل شانہ اسکو بعض اوقات پریشانی میں یا کسی نہ کسی مشکل میں مبتلا کر دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: **إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِي جَسَدِهِ أَوْ فِي مَالِهِ أَوْ فِي وَلَدِهِ ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلَى ذٰلِكَ حَتَّى يُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِي سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى** یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ جب کسی بندے کے لیے ایک منزل مقرر کر دیتا ہے،مگر وہ بندہ اس منزل تک عمل کے ذریعے سے نہیں پہنچ پاتا۔اللہ تعالیٰ اسکو امتحان میں مبتلا کر دیتا ہے۔وہ امتحان جسمانی ہوتا یا مالی ہوتا ہے یا اولاد کا ہوتا ہے۔پھر اس کو اللہ پاک اپنے پاس سے صبر کی توفیق دیتا ہے۔حتیٰ کہ اللہ پاک اس بندے کو اس منزل تک پہنچا کر چھوڑتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر رکھی ہوتی ہے(ابوداؤد:۳۰۹۰)۔گویا یہ

امتحانات اور مشکلات منازلِ سلوک طے کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت قیامت کے دن دکھیوں کو اللہ کریم اجر دے گا تو سکھی لوگ ان کا اجر تقسیم ہوتا ہوا جب دیکھیں گے تو اس وقت وہ کہیں گے کہ **لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ** کاش دنیا میں ان کے جسم دنیا میں قینچی کے ساتھ کترے گئے ہوتے (ترمذی:۲۴۰۲)۔

آج جو شخص خود بیمار ہے، جسکی بیوی بیمار ہے، جسکی اولاد بیمار ہے، جس کی ماں بیمار ہے اور وہ خدمت کرنے پر لگا ہوا ہے یا اس کو خود کسی قسم کا دکھ ہے، وہ دراصل گھی کے گھونٹ بھر رہا ہے۔ قیامت کے دن اس کو سمجھ آجائے گی کہ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت تھی۔

صحیح حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا **اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ** یعنی دنیا مومن کا پنجرہ ہے اور کافر کی جنت ہے (مسلم حدیث:۷۴۱۷)۔ جو دنیا میں قید کی طرح رہ رہا ہے، دکھوں میں وقت گزار رہا ہے اسے مبارک ہو۔ اور جو چاہتا ہے کہ میں دنیا میں عیش وعشرت کروں، رج کھاؤں اور میرے جیسا دنیا میں اور کوئی نہ ہو، وہ بندہ دھوکے میں ہے، وہ اللہ پاک جل شانہ سے دوستی نہیں مانگ رہا۔ عین ممکن ہے کہ اس کا یہ رزق، یہ دولت، یہ آسائشیں، یہ سہولتیں اس کو اللہ پاک سے غافل کر دیں۔

ہمارے مرشد کریم حضرت قبلہ مشوری والے سائیں قدس سرہ نے ساری زندگی اپنی ذاتی گاڑی نہیں خریدی، ہمیشہ زمین پر بیٹھے اور رقاق غالب رہا۔ اپنے دونوں شہزادوں حضرت میاں سائیں اور حضرت سائیں نالے مٹھا علیہما الرحمۃ والرضوان کی ایسی تربیت فرمائی کہ انکسار کے پیکر تھے اور تصنع نام سے نفرت تھی، حضرت میاں سائیں قدس سرہ مسجد شریف کے باہر دیوار کے ساتھ اس طرح بیٹھے رہتے تھے کہ ناواقف آدمی دیکھ کر یوں سمجھتا تھا جیسے کوئی مرید مرشد خانے پر آیا ہے۔

حضرت قبلہ مرشد سائیں نالے مٹھا قدس سرہ العزیز کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سرگودھا کے ایک احسان نامی فقیر نے اپنے ہاتھ کا بنا ہوا تاج شریف پیش کیا۔ آپ نے

تنگ تاج شریف کی بجائے ذرا کھلا تاج پسند فرمایا۔ سر مبارک پر پہن کر فرمانے لگے: دھونے سے پورا ہو جائے گا۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس جدید اور ماڈرن دور میں ایسے فراخ دست صاحبزادے تاج شریف کو دھو دھو کر پہنتے ہوں گے۔

ہمارے مرشدِ اعلیٰ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک مرید تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگا حضور ایک مسئلہ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ فرمایا کیا ہے؟ اس نے عرض کیا حضور ہم دعائیں کرتے رہتے ہیں مگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ آپ جیسے ہی ہاتھ اٹھاتے ہیں، دعا قبول ہو جاتی ہے۔ یہ فرق کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زبانی سمجھا دوں یا پریکٹیکل کرا دوں۔ اس نے کہا پریکٹیکل کرا دیں۔ آپ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اسے اٹھاؤ اور پانی میں پھینک دو۔ اس کو تالاب میں ڈال دیا گیا۔ آپ نے پانی کو حکم دیا کہ اس کو غوطے دو۔ پانی نے اسے اوپر نیچے غوطے دینا شروع کر دیے۔ اس نے کہا امام صاحب خدا کے لیے مجھے بچا لیں۔ آپ نے کچھ نہیں فرمایا خاموش رہے۔ بالآخر اس نے کہنا شروع کر دیا یا اللہ اب تو ہی مجھے بچا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اب اسے پکڑ کر باہر نکالو۔ کچھ بندے آگے بڑھے اسے پکڑ کر باہر رکھ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس بندے سے پوچھا بتاؤ یہ تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ کہنے لگا حضور پہلے تو میں آپ کو بلاتا رہا، پھر جب بے بس ہو گیا اور تسلی ہو گئی کہ اب موت کے سواء کوئی چارہ نہیں تو اس وقت میرا ذہن ایک وحدہ لاشریک کی طرف لگ گیا اور مجھے اپنے قلب کے اندر ایک سوراخ نظر آیا جس کے اندر ایک روشنی محسوس ہوئی اور میں نے اس روشنی میں کہا اے اللہ اب تو ہی میری مدد کر سکتا ہے۔ جیسے ہی میں نے اللہ سے عرض کیا تو آپ نے اپنے مریدوں سے کہہ دیا کہ اسے باہر نکالو۔ آپ نے فرمایا وہ جو موت کا منظر تمہیں اس وقت نظر آ رہا تھا وہ منظر ہم پر ہمیشہ طاری رہتا ہے۔ اس لیے ہماری ہر دعا قبول ہو جایا کرتی ہے۔

فقیر سے ایک دوست نے پوچھا مراقبہ کیسے کھلتا ہے۔ فقیر نے ہنس کر کہا اگر دو بڑے منہ والے کتے تمہارے پیچھے لگا دیے جائیں تو فوراً مراقبہ کھل جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ مراقبہ کھولنے کے لیے فکر کا قائم ہونا ضروری ہے۔

اللہ والے اللہ کی بارگاہ میں ہر وقت حاضر رہتے ہیں، اور اس طرح حاضر رہتے ہیں کہ بس اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے۔ ایسی حالت میں مانگی ہوئی دعائیں تو کیا ایسی حالت میں آنے والا خیال بھی اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتا ہے۔ یہ حاضری اللہ کریم جل شانہ اپنے فضل سے ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

حضرت سیدنا کعب بن مالک ﷺ کی توبہ کا واقعہ

حضرت سیدنا کعب بن مالک ﷺ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔ جب حضور کریم ﷺ غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت کعب بن مالک ﷺ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ خود اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

جب میں نے سلام عرض کیا تو آپ ﷺ مسکرائے جیسے کوئی ناراض آدمی مسکراتا ہے، آپ نے فرمایا آؤ، میں آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا تمہارے نہ آنے کی کیا وجہ تھی؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بخدا اگر میں آپ کے علاوہ کسی دنیادار کے پاس بیٹھا ہوتا تو مجھے معلوم ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا، کیونکہ مجھے کلام پر قدرت عطا کی گئی ہے، لیکن بخدا مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے آج آپ سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی حتیٰ کہ آپ اس سے راضی ہو بھی گئے، تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اور اگر میں آپ سے سچی بات کہوں تو آپ مجھ سے ناراض ہوں گے اور بے شک مجھ کو سچ میں اللہ تعالیٰ سے حسن عاقبت کی امید ہے، بہ خدا میرا کوئی عذر نہیں تھا، اور جس وقت میں آپ کے پیچھے رہ گیا تھا تو مجھ سے زیادہ خوش حال کوئی نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہر حال اس شخص نے سچ بولا ہے، تم یہاں سے اٹھ جاؤ، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے، میں وہاں سے اٹھا اور بنو سلمہ کے لوگ بھی اٹھ کر میرے پاس آئے، انہوں نے مجھ سے کہا بخدا ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہو، کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس قسم کا کوئی عذر پیش کرتے جس طرح دیگر نہ جانے والوں نے عذر پیش کیے تھے، تمہارے گناہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کا تمہارے لیے استغفار کرنا کافی تھا، بخدا وہ

مجھ کو مسلسل ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس دوبارہ جاؤں اوراپنے پہلے قول کی تکذیب کردوں، پھر میں نے ان سے پوچھا کیا کسی اور کو بھی میرے جیسا معاملہ پیش آیا ہے، انہوں نے کہا دو اور شخصوں نے بھی تمہاری طرح کہا ہے ان سے بھی حضور نے وہی فرمایا ہے جو تم سے فرمایا تھا، میں نے پوچھا وہ کون ہیں، انہوں نے کہا وہ مرارہ بن ربیعہ عامری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں، انہوں نے مجھ سے ان دو نیک شخصوں کا ذکر کیا جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ میرے لیے نمونہ تھے، جب ان لوگوں نے ان دو صاحبوں کا ذکر کیا تو میں اپنے پہلے خیال پر قائم رہا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے گفتگو کرنے سے منع فرمادیا۔ جو آپ سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر مسلمانوں نے ہم سے اجتناب کرلیا اور ہمارے لیے اجنبی ہوگئے، حتیٰ کہ زمین بھی میرے لیے اجنبی ہوگئی۔ یہ وہ زمین نہیں تھی جس کو میں پہلے پہچانتا تھا، ہم لوگوں کو اسی حال پر پچاس راتیں گذر گئیں، میرے دو ساتھی تو خانہ نشین ہوگئے تھے، وہ اپنے گھروں میں ہی پڑے روتے رہتے تھے، لیکن ان کی بہ نسبت میں جوان اور طاقتور تھا، میں باہر نکلتا تھا، نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا، مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا، میں رسول اللہ کی خدمت میں آتا، اور نماز کے بعد جب آپ اپنی نشست پر بیٹھتے تو میں آپ کو سلام عرض کرتا، میں اپنے دل میں سوچتا کہ آیا حضور نے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا اور نظریں چُرا کر آپ کو دیکھتا سو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو مجھ سے اعراض کرتے، حتیٰ کہ جب مسلمانوں کی بے رخی زیادہ بڑھ گئی تو میں ایک روز اپنے چچا زاد حضرت ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ مجھ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے، میں نے ان کو سلام کیا، بخدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے ان سے کہا: اے ابوقتادہ! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، وہ خاموش رہے، میں نے دوبارہ ان کو قسم دے کر سوال کیا، وہ پھر خاموش رہے، میں نے پھر ان کو قسم دی تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے، میری آنکھوں سے آنسو

جاری ہو گئے، میں نے دیوار پھاندی اور واپس آ گیا، ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا، تو اہلِ شام کا ایک شخص مدینہ میں غلہ بیچنے کے لیے آیا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی ہے جو مجھے کعب بن مالک سے ملا دے، لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے غسّان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں چونکہ پڑھا لکھا تھا، اس لیے میں نے اس کو پڑھا اس میں لکھا تھا: ''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر ظلم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت اور رسوائی کی جگہ پر رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا، تم ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہاری دلجوئی کریں گے''۔ میں نے جب یہ خط پڑھا تو میں نے کہا یہ بھی میرے لیے ایک آزمائش ہے، میں نے اس خط کو تنور میں پھینک کر جلا دیا، حتیٰ کہ جب پچاس میں سے چالیس دن گذر گئے، اور وحی رکی رہی تو ایک دن رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد میرے پاس آیا، اس نے کہا رسول اللہ ﷺ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ، میں نے پوچھا آیا میں اس کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس نے کہا نہیں بلکہ تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ، اور اس کے قریب نہ جاؤ، حضرت کعب نے کہا رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھیوں کو بھی یہی حکم بھیجا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے، حضرت کعب نے کہا پھر حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا یا رسول اللہ! بے شک حضرت ہلال بن امیہ بہت بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے کیا آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں، آپ نے فرمایا نہیں، لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کرے، ان کی بیوی نے کہا بخدا وہ تو کسی چیز کی طرف حرکت بھی نہیں کر سکتے، اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے بہ خدا وہ اس دن سے مسلسل روتے رہتے ہیں، مجھ سے میرے بعض گھر والوں نے کہا تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح اجازت لے لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے، میں نے کہا میں اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں لوں گا، مجھے پتا نہیں کہ اگر میں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ اس معاملہ میں کیا فرمائیں گے۔ اور میں ایک جوان شخص ہوں، پھر میں اسی حال پر دس راتیں ٹھہرا رہا، پھر جب

رسول اللہ ﷺ نے ہم سے گفتگو کی ممانعت کی تھی اس کو پچاس دن گذر چکے تھے، حضرت کعب کہتے ہیں کہ پچاس روز کے بعد ایک صبح کو میں اپنے گھر کی چھت پر صبح کی نماز پڑھ رہا تھا، پھر جس وقت میں اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا، جس کا اللہ عزوجل نے ہمارے متعلق ذکر کیا ہے: کہ مجھ پر میرا نفس تنگ ہو گیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی، اچانک میں نے سلع پہاڑ کی چوٹی سے ایک چلانے والے کی آواز سنی، جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا، اے کعب بن مالک! بشارت ہو میں نے جان لیا کہ اب کشادگی ہو گئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد لوگوں میں اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے، پھر لوگ آ کر ہم کو مبارک باد دیتے تھے، پھر میرے ان دو ساتھیوں کی طرف لوگ مبارک باد دینے کے لیے گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف روانہ ہوا، اور قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے مجھے ندا کی، اور اس کی آواز گھوڑے سوار کے پہنچنے سے پہلے مجھ تک پہنچی، جب میرے پاس وہ شخص آیا، جس کی بشارت کی آواز میں نے سنی تھی، میں نے اپنے کپڑے اتار کر اس شخص کو بشارت کی خوشی میں پہنا دیے، بخدا اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی اور میں نے کسی سے کپڑے لے کر پہنے، پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا، ادھر میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج لوگ مجھ کو مبارک باد دینے کے لیے آ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا مبارک ہو، جب میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ مسجد میں تشریف فرما تھے، اور آپ کے ارد گرد صحابہ بیٹھے تھے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ جلدی سے اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، بخدا مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا تھا، حضرت کعب طلحہ کو نہیں بھولتے تھے، حضرت کعب نے کہا جب میں نے رسول اللہ کو سلام کیا تو خوشی سے آپ کا چہرہ چمک رہا تھا اور آپ ﷺ فرما رہے تھے مبارک ہو، جب سے تم کو تمہاری ماں نے جنا ہے، اس سے زیادہ اچھا دن تمہارے لیے نہیں آیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ (قبولیتِ توبہ) آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ اس طرح منور ہو

جاتا تھا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو، حضرت کعب نے کہا ہم اس علامت کو پہچانتے تھے، انہوں نے کہا جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنے مال کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے لیے کچھ مال کو رکھ لو وہ تمہارے لیے بہتر ہے، میں نے کہا میں اپنے اس مال کو رکھ لیتا ہوں جو خیبر میں ہے اور میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے صدق کی وجہ سے نجات دی ہے اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا، انہوں نے کہا بخدا! مجھے یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس طرح سزا میں مبتلا کیا ہو اور جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تھا اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا، اور آئندہ کے لیے بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ کی ۱۱۷-۱۱۸ آیتیں نازل کیں: **لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ الخ** (مسلم حدیث:۷۰۱۶، بخاری:۴۴۱۸)۔

اس حدیثِ پاک پر غور کیجیے۔ جن لوگوں نے عذر اور بہانہ پیش کیا اور ان کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا اور استغفار فرمایا، انہیں سزا کیوں نہ ملی؟ اور جنہوں نے سچ بولا انہیں سزا کیوں ملی؟ کیا سچ بولنے پر سزا ملنی چاہیے تھی؟ کیا حضرت کعب اور ان کے دو ساتھیوں رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو کچھ ہوا یہ واقعی کوئی سزا تھی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ سیدھی بات کرنے والوں کی آہیں نکلوا نکلوا کر انہیں سلوک کی منازل طے کرائی گئی ہوں۔

ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ سچ بولنے کی سزا نہیں تھی بلکہ اللہ کریم کا خاص انعام تھا۔ محبوب کی ناراضگی، بھائیوں کا بائی کاٹ، بیوی سے علیحدگی، بستر پر گوشہ نشینی، ذہنی کوفت، غیروں کی طرف سے پیش کش، ان ساری باتوں پر ثابت قدمی اور محبوب کا در چھوڑ کر کہیں نہ جانا، وہ آہیں جو عرش کے پار گئیں۔ یہ سب باتیں اس کی سمجھ میں آ سکتی ہیں جو آہوں اور سسکیوں کا قدر شناس ہو۔

آں جا کہ زاہداں بہ ہزار اربعیں رسند
مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسند

وطن چھوڑنا پڑسکتا ہے

بے شمار انبیاء علیہم السلام نے اپنے وطن چھوڑے۔ محبوب کریم ﷺ نے مکہ شریف جیسا عظیم البرکت شہر چھوڑا، بے شمار صحابہ وصحابیات واہل بیت اطہار علیہم الرضوان نے ہجرت فرمائی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ جو کوئی جس چیز کو اللہ کی خاطر قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اسے احسن طریقے سے واپس کر دیتا ہے۔ جو دال قربان کر کے آتا ہے اسے دال مل جاتی ہے۔ جو مرغی قربان کر کے آتا ہے اسے مرغی مل جاتی ہے۔ جو بیوی قربان کر کے آتا ہے اسے بیوی مل جاتی ہے اور جو تخت وتاج قربان کر کے آتا ہے اسے بادشاہی مل جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ اور دیگر مہاجرین کو بھی اپنا قربان کیا ہوا وطن واپس دیا گیا، لیکن حدیثوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ شریف میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ اللہ کی بارگاہ میں اس قدر جھک رہے تھے کہ آپ کا سر مبارک اونٹنی کے پالان کی اگلی لکڑی کے ساتھ لگ رہا تھا۔

بِک جانا پڑتا ہے

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو چھوٹی سی عمر میں ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا، کسی نے وہاں سے نکال کر مصر کے بازار میں بیچ دیا، ماں باپ سے دور پردیس میں عرصہ دراز گزارنا پڑا، بہت بڑی الزام تراشی کا سامنا کرنا پڑا، بے گناہ جیل میں رہنا پڑا۔ تب جا کر تختِ شاہی نصیب ہوا۔ یہ سارا عرصہ عروج کا تھا۔ اس کے بعد واپس اپنے ماں باپ کے پاس جانے کے اسباب بنے اور جہاں سے ابتداء ہوئی تھی وہیں پر انتہا ہوئی۔

اللہ والے بدلہ نہیں لیتے

حضرت یوسف علیہ السلام جب اپنے بھائیوں سے ملے تو ان سے بدلہ نہیں لیا۔ بلکہ فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یعنی آج تم پر کچھ ملامت نہیں (یوسف:۹۲)۔

جب مکہ شریف زادھا اللہ شرفاً فتح ہوا تو محبوب کریم ﷺ نے بھی مکہ والوں سے فرمایا: کہ میں بھی وہی یوسف والی بات کہتا ہوں جو انہوں نے اپنے بھائیوں سے فرمائی تھی: لَا تَثْرِیْبَ

عَلَيْكُمُ الْيَومَ ۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ: عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ وَمَعَهُ أَصْحَابُهُ وَقَعَ رَجُلٌ بِأَبِى بَكْرٍ فَآذَاهُ فَصَمَتَ عنه أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ آذَاهُ الثَّانِيَةَ فَصَمَتَ عَنْهُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ آذَاهُ الثَّالِثَةَ فَانْتَصَرَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ انْتَصَرَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَوَجَدْتَ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَزَلَ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ يُكَذِّبُهُ بِمَا قَالَ لَكَ فَلَمَّا انْتَصَرْتَ وَقَعَ الشَّيْطَانُ فَلَمْ أَكُنْ لأَجْلِسَ إِذْ وَقَعَ الشَّيْطَانُ ۔

ترجمہ: ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، ایک آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بدزبانی کرنے لگا، حضرت ابوبکر صدیق خاموش رہے، اس آدمی نے دوبارہ بدزبانی کی، آپ پھر بھی خاموش رہے، اس نے پھر بدزبانی کی، اس دفعہ حضرت ابوبکر صدیق نے اسے اسی طرح کا جواب دے دیا، رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے، حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ کو میرا بولنا برا لگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسمان سے ایک فرشتہ اترا تھا جو آپ کی طرف سے اس آدمی کو جواب دے رہا تھا، جب آپ نے خود جواب دیا تو شیطان کود پڑا، جب شیطان کود پڑے تو مجھ سے نہیں بیٹھا جاتا (ابوداؤد حدیث: ۴۸۹۶)۔

اللہ والے اپنا کیس خود ٹیک اوور نہیں کرتے، اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں اور جب اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ جل شانہ بدلہ لینے کے لیے فرشتے مقرر کر دیتا ہے۔

ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں موجود تھے۔ ایک شخص آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سخت مخالف تھا۔ اس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام اعظم باہر نکلے۔ اس بندے نے سلام دعا کے بعد کہا کہ امام صاحب میں آپ کے پاس شریعت کے مطابق ایک مسئلہ لے کر آیا ہوں، میری بات شریعت کے خلاف نہیں ہوگی۔ کہنے لگا میں اپنے لیے آپ کی ماں کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔ امام اعظم کی والدہ اندر موجود تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے تمہاری بات شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن میری ماں عاقلہ بالغہ ہے۔ وہ اپنے بارے میں جو خود فیصلہ کرے گی میں اس کے مطابق تمہیں آ کر جواب دوں گا، مجھے اندر جا کر اپنی والدہ سے پوچھ

لینے دو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت صبر وتحمل سے کام لیتے ہوئے اندر چلے گئے۔ اپنی والدہ سے پوچھا۔ والدہ سے جواب لے کر باہر تشریف لائے تو وہ شخص دروازے کے سامنے کتے کی طرح مر چکا تھا۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنا بولا کہ: اس ظالم کو میرے صبر نے ہلاک کر دیا۔

امام اعظم کی طرف سے اللہ کریم جل شانہ نے خود بدلہ لے لیا۔ مقصد یہ ہوا کہ اللہ والے اپنے معاملات اللہ پر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اللہ کریم جل شانہ ان کی طرف سے خود بدلے لیا کرتا ہے۔

خوف اور امید

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: وَادْعُوهُ خُوفاً وَّطَمْعاً یعنی اپنے رب سے دعا کرو ڈرتے ہوئے اور طمع کرتے ہوئے (اعراف: ۵۶)۔

کسی دانا نے کیا خوب فرمایا ہے: اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوفِ وَالرَّجَآء یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کریم کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ میں نے سب لوگوں کو بخش دیا سوائے ایک آدمی کے تو خوف آتا ہے کہ کہیں وہ ایک آدمی میں ہی نہ ہوں۔ اور اگر اللہ کریم کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ تمام لوگ گرفتارِ عذاب ہوئے سوائے ایک آدمی کے تو مجھے امید رہتی ہے کہ شاید وہ اکیلا آدمی میں ہوں۔

جن لوگوں پر امید، خوشی اور ترنگ کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ خوفِ خدا نام کی چیز سے ہی آشنا نہیں رہتے۔ ایسے لوگ سخت خطرے میں مبتلا ہوتے ہیں۔

محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیمِ یعنی اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے (بخاری حدیث: ۶۶۰۷)۔

اولیاء اللہ خواہ کتنی ہی عبادت وریاضت کر لیں انہیں اس بات کا خوف رہتا ہے کہ خدا جانے موت کے وقت کلمۂ شہادت نصیب ہوگا کہ نہیں۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہی خوف ان کا خاتمہ بالایمان ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

دراصل صوفی جب کسی چیز کے لیے متفکر ہوتا ہے تو اس فکر کی وجہ سے ایک توجہ قائم ہو

جاتی ہے جس سے کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا یعنی فرما دیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے (الزمر: ۵۳)۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک قصہ گو آدمی وعظ کر رہا تھا اور وہ لوگوں کو آگ اور طوق سنا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: یَا مُذَکِّرُ لِمَ تُقَنِّطُ النَّاسَ ؟ پھر یہ آیت پڑھی: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (بغوی جلد ۴ صفحہ ۲۳)۔

حضرت امام قشیری علیہ الرحمہ نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی خوبصورت بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں: یَا عِبَادِی کہہ کر پکارنا مدح ہے اور اَلَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا کہہ کر پکارنا ذم ہے، جب فرمایا یا عبادی تو اطاعت گزاروں نے خود کو اسکا مخاطب سمجھا اور اپنے سر اٹھائے۔ گناہگاروں نے اپنے سر جھکا لیے اور کہنے لگے کہ ہم کون ہوتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کہہ کر پکارے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا کے الفاظ فرمائے تو صورتِ حال بدل گئی اور انجام کچھ اور ہی نکلا۔ جن لوگوں نے اپنی گردنیں جھکا لی تھیں وہ عش عش کر اٹھے، ان کی خطائیں خطا ہو گئیں۔ جن لوگوں نے اپنے سر اٹھائے تھے ان کی گردنیں جھک گئیں اور ان کا مان ٹوٹ گیا لَمَّا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا اِنْقَلَبَ الْحَالُ وَتَقَلَّبَ الْمَآلُ فَالَّذِیْنَ نَکَسُوْا رُؤُسَهُمْ عَشْعَشُوْا زَلَّتْ زَلَّتُهُمْ ، وَالَّذِیْنَ رَفَعُوْا رُؤُسَهُمْ اَطْرَقُوْا وَ ارْتَفَعَتْ صَوْلَتُهُمْ (الزبدۃ العمدۃ صفحہ ۱۱۷۔۱۱۸)۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے یہ بات اپنی کتاب الزبدۃ العمدہ فی شرح القصیدۃ البردۃ میں جس شعر کی شرح میں نقل کی ہے وہ شعر یہ ہے:

یَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِیْ مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ
اِنَّ الْکَبَائِرَ فِی الْغُفْرَانِ کَاللَّمَمِ

ترجمہ:۔ اے دل، اپنے بڑے بڑے گناہوں کی وجہ سے مایوس نہ ہو، بے شک بڑے گناہ بھی بخشش کے سامنے چھوٹی خطاؤں کی طرح ہوتے ہیں۔

غلغلِ تسبیح شیخ از چند مقبول است لیک
آہ دردآلودِ رنداں راقبولے دیگراست

ترجمہ: شیخ کی تسبیح کا غلغلہ بلا شبہ مقبول ہے لیکن رندوں کی درد بھری آہ کی قبولیت کی شان دوسری ہے۔

آنجا کہ زاہداں بہ ہزار اربعیں رسند
مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسد

ترجمہ: زاہد لوگ چالیس ہزار سال کی عبادت سے جس مقام تک پہنچتے ہیں، مستِ شرابِ عشق ایک آہ سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی تھا جس نے ننانوے افراد کو قتل کیا تھا۔ اس نے زمین کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا۔ اسے ایک راہب کا پتا بتایا گیا تو وہ اس کے پاس گیا۔ کہنے لگا میں نے ننانوے افراد کو قتل کیا ہے کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس نے اسے بھی قتل کر دیا اور اس طرح سو پورے کر لیے۔ پھر اس نے دنیا کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا۔ اسے ایک آدمی کا پتا بتایا گیا۔ اس سے جا کر کہنے لگا میں نے سو آدمی قتل کیے ہیں۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اللہ اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے۔ تم فلاں فلاں علاقے میں چلے جاؤ۔ وہاں کچھ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ ہو کر اللہ کی عبادت کرو اور اپنے علاقے میں کبھی نہ آنا کہ یہ برائی کا علاقہ ہے۔ وہ چلا گیا حتیٰ کہ جب آدھا راستہ گزر گیا تو اسے موت آ گئی۔ اب رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف اپنے دل کو جھکاتے ہوئے آیا ہے اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے ہرگز کوئی نیکی نہیں کی۔ ان کے پاس آدمی کی صورت میں ایک فرشتہ آیا۔ انہوں نے اسے ثالث مان لیا۔ اس نے کہا دونوں

طرف کی زمین ناپو۔ یہ جس علاقے کے قریب ہوگا، اسی علاقے کا ہوگا۔ انہوں نے زمین کو ناپا تو وہ جدھر جا رہا تھا اس زمین کے قریب پایا گیا۔ اسے رحمت والے فرشتوں نے قبضے میں لے لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے اِدھر والی زمین کو حکم دیا کہ دور ہو جا اور اُدھر والی زمین کو حکم دیا کہ قریب ہو جا (بخاری حدیث: ۳۴۷۰، مسلم حدیث: ۷۰۰۸)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اطْحَنُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَقَالَ اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ وَقَالَ غَيْرُهُ مَخَافَتُكَ يَا رَبِّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی بہت گناہ گار تھا، جب اسکی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، پھر مجھے پیس دینا، پھر مجھے ہوا میں بکھیر دینا، اللہ کی قسم اگر میرے رب نے مجھ پر قابو پا لیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی دوسرے کو نہ دیا ہو، جب وہ مر گیا تو اسکی وصیت کے مطابق عمل کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اسکے تمام اجزاء کو جمع کر دے، زمین نے حکم مانا، وہ شخص سیدھا کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہنے لگا: اے میرے رب میں نے تجھ سے ڈرتے ہوئے ایسا کیا ہے، اللہ نے اسے معاف کر دیا (بخاری حدیث: ۳۴۸۱، مسلم حدیث: ۶۹۸۱)۔

ایک مرتبہ حضرت قطب الاقطاب پیر سائیں مفتی محمد قاسم مشوری قدس اللہ سرہ الاقدس اپنے آستانہ عالیہ مشوری شریف میں پچھلے دروازے ''باب ساقی'' سے جلوہ گر ہوئے۔ ایک فقیر پاؤں پر گر پڑا اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کچھ اس انداز سے کرنے لگا کہ سب حاضرین بھی رونے لگ گئے۔ آپ نہایت تحمل سے اسکی آہ وزاری سنتے رہے۔ جب اسکے آنسوؤں کا تلاطم کچھ تھما تو آپ نے صرف ایک بات فرمائی اور فوراً واپس تشریف لے گئے۔ فرمایا: ''در مت چھوڑنا''۔

اے اللہ کریم! اس عاجز مسکین، روسیاہ اور ذلیل وخوار سے ان بزرگوں کے طفیل در

گزرفرما۔ہمیں کبھی نہ آزمانا، ورنہ ہم ہرگز پورے نہ اتر سکیں گے۔ہمیں ''درنہ چھوڑنے'' کی توفیق عطافرمااور استقامت کی دولت سے مالامال فرما۔آمین

استقامت

اللہ کریم ارشادفرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ یعنی جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارارب ہے پھراس پراستقامت اختیار کی، ان پرفرشتے نازل ہوتے ہیں کہ مت ڈرواورغم نہ کرواور جنت کی خوشخبری سنوجسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا(فصلت:۳۰)۔

سیدناابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ تم اس آیت إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟انہوں نے عرض کیا اِ سْتَقَامُوا کا معنی یہ ہے کہ گناہ نہ کیااوراپنے ایمان کوخطاؤں میں ملوث نہ کیا۔آپ نے فرمایاتم نے اسے صحیح معنی پرمحمول نہیں کیا۔ثُمَّ اسْتَقَامُوا کا معنی یہ ہے کہ: فَلَمْ يَلْتَفِتُوا اِلٰى اِلٰهٍ غَيْرِهٖ یعنی اللہ کے سواءکسی معبود کی طرف متوجہ نہیں ہوئے (قرطبی جلد۱۵صفحہ۳۱۲)۔

امام نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَمْ يَحِيْدُوا عَنِ التَّوحِيْدِ وَالْتَزَمُوا طَاعَتَهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اِلٰى اَنْ تُوَفُّوا عَلٰى ذٰلِكَ یعنی ثُمَّ اسْتَقَامُوا کا معنی یہ ہے کہ وہ توحید کی راہ سے نہیں ہٹے اوراللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کاالتزام کیاحتیٰ کہ انکی وفات ہوگئی(شرح نووی علیٰ مسلم جلد۱صفحہ۴۸)۔حضرت شیخ اکبرمحی الدین ابن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: ثُمَّ اسْتَقَامُوا اِلَيْهِ بِالسُّلُوكِ فِيْ طَرِيْقِهٖ وَالثُّبَاتِ عَلٰى صِرَاطِهٖ مُخْلِصِيْنَ لِاَعْمَالِهِمْ عَامِلِيْنَ لِوَجْهِهٖ ، غَيْرَ مُلْتَفِتِيْنَ بِهَا اِلٰى غَيْرِهٖ یعنی استقامت سے مراداللہ کے راستے میں اسی کی طرف سفرکرنااوراس کے راستے میں مخلصانہ طریقے سے عمل کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا، اسی کی رضا کے لیے عمل کرنا، اورعمل کے ذریعے کسی غیر کی طرف التفات نہ کرنا ہے (تفسیرابن عربی جلد۲صفحہ۲۱۰)۔

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْأَلُ عَنْهُ اَحَداً بَعْدَكَ ، قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ یعنی یا

رسول اللہ مجھے ایسی نصیحت فرمائیں کہ پھر آپکے علاوہ مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ فرمایا کہہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر استقامت اختیار کر (مسلم حدیث: ۳۸)۔

قرآن شریف کی آیت **ثُمَّ اسْتَقَامُوْا** کی مذکورہ بالا تفسیر میں اور یہ **ثُمَّ اسْتَقِمْ** والی حدیث پڑھ کر ظاہر بین کا ذہن محض بت پرستی کے مقابلے پر توحید پرستی کی تعلیم کی طرف جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس آیت اور حدیث میں اللہ کریم کی ذات پر توکل، اعتماد اور اس کے دروازے سے نہ ہٹنے کی صوفیانہ تعلیم موجود ہے، جس کے نتیجے میں شرک اور بت پرستی کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو جاتی ہے۔

اس موضوع پر حضرت امام عبدالکریم ہوازن القشیری قدس سرہ نے مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "الاستقامۃ"۔ امام نووی علیہ الرحمہ اس رسالہ سے اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **اَلْاِسْتِقَامَةُ لَا يُطِيْقُهَا اِلَّا الْاَكَابِرُ لِاَنَّهَا الْخُرُوْجُ عَنِ الْمَعْهُوْدَاتِ وَ مُفَارَقَةُ الرُّسُوْمِ وَالْعَادَاتِ ، وَالْقِيَامُ بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى حَقِيْقَةِ الصِّدْقِ وَلِذٰلِكَ قَالَ ﷺ اِسْتَقِيْمُوا وَلَنْ تُحْصُوا وَقَالَ الْوَاسِطِىُّ اَلْخَصْلَةُ الَّتِىْ بِهَا جُمِّلَتِ الْمَحَاسِنُ وَبِفَقْدِهَا قُبِّحَتِ الْمَحَاسِنُ الْاِسْتِقَامَةُ** یعنی استقامت اختیار کرنے کی طاقت اکابر کے سواء کسی کے پاس نہیں، اس لیے کہ تکلفات سے نکلنے، اور رسوم و عادات کو چھوڑنے اور اللہ کی بارگاہ میں حقیقی صدق کے ساتھ کھڑا ہونے کا نام استقامت ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا استقامت اختیار کرو مگر تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ واسطی فرماتے ہیں: وہ خصلت جس سے تمام محاسن کو حسن و جمال ملا، اور جس کے کھو جانے سے تمام محاسن قباحت میں بدل گئے وہ استقامت ہے (شرح نووی علیٰ مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۸)۔

امام قشیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ابتدائی صاحبِ طریقت کی استقامت یہ ہے کہ اسکے معاملات میں سستی پیدا نہ ہو۔ متوسط درجہ کے لوگوں کی استقامت یہ ہے کہ وہ اپنی منزل پر ہی نہ ٹھہر جائیں اور انتہائی لوگوں کی استقامت یہ ہے کہ انکے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۴۰)۔

نومسلم کی استقامت یہ ہے کہ جب کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہو جائے تو اب

واپسی کے دروازے بند کر دے۔ عام مسلمان کی استقامت یہ ہے کہ شریعت کے اوامر ونواہی پر ثابت قدم رہے اور جو عمل شروع کرے اسے جاری رکھے۔ طریقت والے مبتدی کی استقامت یہ ہے کہ اپنے مرشد کے دیے ہوئے ذکر فکر پر ہمیشگی کرے اور جو سبق ملے اسے پورا کرے۔ مقربین اور کاملین کی استقامت یہ ہے کہ ہر عمل اور وظیفہ محض اللہ کی بندگی اور عبادت کی خاطر کریں، اللہ کے سواء کسی طرف متوجہ نہ ہوں اور اسی کی ذات پر اعتماد اور توکل کریں، اسی کی رضا پر راضی رہیں۔ اپنی ذات کے لیے دعا بھی نہ کریں اور جو ہوتا ہے ہونے دیں۔

یہ اتنا مشکل مرحلہ ہے کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: **شَيَّبَتْنِي هُود** یعنی مجھے سورۃ ھود نے بوڑھا کر دیا ہے (ترمذی حدیث: ۳۲۹۷)۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سی آیت ہے۔ فرمایا: **فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ** یعنی جیسے آپ کو حکم دیا جاتا ہے اس پر استقامت اختیار کرو (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۴۱)۔

حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ: میں ایک مرتبہ بیمار ہوا، میں نے دعا کی کہ الٰہی مجھے شفا دے، ایک آواز سنی کہ اے جنید! بندے اور مولا تعالیٰ کے درمیان تیرا کیا کام؟ تم درمیان میں مت پڑو۔ جو کچھ تجھ سے فرمایا گیا ہے اس میں مشغول رہ اور جس میں مبتلا کیا گیا ہے اس پر صبر کر۔ تجھے اختیار سے کیا واسطہ؟ ایک مرتبہ آپ کے پاؤں میں درد ہوا، سورۃ فاتحہ پڑھ کر پاؤں پر دم کیا، ہاتف نے آواز دی کہ اے جنید! کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ کا کلام اپنے نفس کے حق میں خرچ کرتے ہو؟ (سبع سنابل صفحہ ۱۱۰)۔

وحدت کے اسرار

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: توحید معرفت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو یکتا سمجھو یعنی ہر طرف اسکی وحدت کو دیکھو اور یقین رکھو کہ اس عالم وحدت میں کوئی جہت یعنی مشرق ومغرب نہیں۔

نی جہت می گنجد ایں جانی صفت ‏ ‏ ‏ نی تفکر، نی بیاں، نی معرفت
آ تشے از سر وحدت برفروخت ‏ ‏ ‏ غیر وحدت ہر چہ پیش آمد بسوخت

ترجمہ: یہاں نہ جہت کی گنجائش ہے اور نہ صفت کی۔ نہ یہاں غور وفکر ہے، نہ زبانی بیانات ہیں، نہ ہی معرفت ہے۔ وحدت کے اسرار کی آگ بلند ہوتی ہے اور واحد کے سواء جو سامنے آتا ہے اسے جلا دیتی ہے (سبع سنابل صفحہ ۱۴۹)۔

شیخ المشائخ حضرت پیر سائیں محمد راشد روضے دھنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے عرض کیا: حضور! مجھے توحید کی حقیقت سمجھا دیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا: جا اور کچھ گڑ لے کر آ۔ وہ شخص گڑ لے آیا۔ حضرت شیخ نے اسے فرمایا: اس گڑ سے کچھ حرام جانوروں کی شکلیں بنا دے اور کچھ حلال جانوروں کی شکلیں بنا دے۔ اس شخص نے حسب الحکم شکلیں بنا دیں۔ تو حضرت نے فرمایا: حلال جانوروں کی شکلیں ایک طرف رکھ اور حرام جانوروں کی شکلیں دوسری طرف رکھ دے اور اپنا منہ ان کی طرف سے ہٹا لے۔ اس شخص نے حلال جانوروں کی شکلیں ایک طرف اور حرام جانوروں کی شکلیں دوسری طرف رکھ دیں اور منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

حضرت شیخ نے حلال وحرام جانوروں کی شکلیں یکجا کر کے توڑ پھوڑ دیں اور ملا کر ایک غلولہ بنا دیا۔ پھر اس شخص سے فرمایا: اب اس غلولہ میں حلال وحرام جانوروں کی شکلیں جدا جدا کر دے۔ وہ شخص حیران ہو کر خاموش رہا۔ سلطان العارفین نے فرمایا: ھٰذَا التَّوحِیۡدُ یہ ہے توحید۔

حق جانِ جہاں است، جہاں جملہ بدن
توحید ہمیں است و دِگر حیلہ دفن

ترجمہ: یہ جہانِ عالمِ کثرت جو ظاہر نظر میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ سراسر وہم اور خیالِ محض ہے۔
(ملفوظاتِ حضرت پیر سائیں روضے دھنی قدس سرہ العزیز صفحہ ۵۲)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

اس جہان سے دل نہ لگانا چاہیے کیونکہ یہ سب عدم محض ہے، جو بشری آنکھ کو ہست دکھائی دیتا ہے اور ہے حقیقت میں نیست۔ جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

ترا ہر دم کشد پندار ہستی
ازیں ہستی دریں عالم نہ رستی

ترجمہ: ہستی کا زعم تجھ کو ہر دم ہلاکت میں ڈالے رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے تو اس جہان میں اس ہستی سے آزاد نہ ہوسکا۔

اور اِس جہانِ فانی کی خاطر اُس جہانِ باقی کو بھلا نہ دینا چاہیے۔ جیسے کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

نہ مے گویم کہ از عالم جدا باش

بہر جائے کہ باشی با خدا باش

ترجمہ: میں تجھ کو یہ نہیں کہتا کہ تو اس جہان سے علیحدگی اختیار کر لے۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تو جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے مشغول رہ۔

(ملفوظات شریف حضرت پیر سائیں روضے دھنی قدس اللہ سرہ الاقدس صفحہ ۲۷)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: توحید ایک ایسا معنیٰ ہے جس میں رسمیں مٹ جاتی ہیں اور علوم داخل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندے کے لیے اس طرح ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ ازل سے ہے **اَلتَّوحِیۡدُ مَعۡنًی یَضۡمَحِلُ فِیۡهِ الرُّسُوۡمُ وَ یَنۡدَرِجُ فِیۡهِ الۡعُلُوۡمُ وَ یَکُوۡنُ اللّٰهُ کَمَا لَمۡ یَزَلۡ** (نفحات الانس صفحہ ۱۴۴)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بھائی مکہ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر مجاور بن گئے، اور حضرت یحییٰ کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ: میری تین تمنائیں تھیں، دو پوری ہو چکی ہیں اور تیسری کے لیے دعا فرمائیں کہ وہ بھی پوری ہو جائے۔ پہلی تمنا یہ تھی کہ اپنی آخری عمر میں افضل ترین سرزمین پر پہنچ جاؤں، چنانچہ میں حرم میں پہنچ چکا ہوں جو ساری زمین سے افضل ہے۔ دوسری تمنا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک غلام دے جو میری خدمت کرے، اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کنیز بخش دی۔ تیسری تمنا یہ ہے کہ موت سے پہلے آپ کو دیکھ لوں۔ دعا فرمایئے یہ تمنا پوری ہو جائے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ قدس سرہ نے جواب لکھا کہ: یہ جو تم نے لکھا ہے کہ میری تمنا افضل ترین زمین پر پہنچنے کی تھی تو تم خود بہترین مرد بن کر جہاں چاہو رہو، زمین مرد سے معزز ہوتی ہے نہ کہ مرد زمین سے۔ اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ ایک خادم کی تمنا تھی وہ مل گیا، تو اگر تم میں مروّت اور جواں مردی ہوتی تو حق کے خادم کو اپنا خادم نہ بناتے، اور اللہ کی عبادت سے ہٹا کر اسے اپنی

خدمت میں مشغول نہ کرتے، تمہیں تو خود خادم بننا چاہے تھا جب کہ تم مخدوم بننے کے حریص ہو۔ اور یہ جو تم تمنار کھتے ہو کہ مجھے دیکھ لو، تو اگر تمہیں خدائے تعالیٰ کی کچھ خبر ہوتی تو میری یاد نہ آتی، حق میں ایسے مستغرق ہو جاؤ کہ تمہیں کسی کی یاد نہ آئے، اگر تم نے اسے پالیا تو میری کیا ضرورت؟ اور اگر اسے نہیں پایا تو مجھ سے کیا فائدہ؟ (سبع سنابل صفحہ ۱۰۷)۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لوہا ہوویں تے پیا کٹیویں تاں تلوار سدیویں ہو
کنگھی وانگوں پیا چریویں تاں زلف محبوب پھریویں ہو
میدی وانگوں پیا گھٹیویں تاں تلی محبوب رنگیویں ہو
وانگ کپاہ دے پیا پنجیویں تاں دستار سدیویں ہو
عاشق صادق ہوویں باہو تاں رس پریم دی پیویں ہو

سیدابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مقام کی خبر اس طرح دی ہے کہ فرمایا: اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ یعنی اللہ کی معرفت سے عاجز آ جانا ہی اللہ کی معرفت ہے صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ازیں مقام خبر داد الخ (سبع سنابل صفحہ ۱۶۱)۔

اور مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جگہ پر ارشاد فرمایا: لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ ، اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ یعنی اے اللہ میں تیری ثناء اس طرح بیان نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود اپنی ثناء بیان فرمائی ہے (مسلم حدیث: ۱۰۹۰)۔

گر نہ تعریفِ حق بعقل رسد — معرفت یافتن از وست محال
بمقامے کہ گم شود خورشید — پرتوِ شمع عقل را چہ مجال

ترجمہ: جب حق کی معرفت عقل سے نہیں ہو سکتی تو عقل کے ذریعے سے عرفان حاصل کرنا محال ہے۔ اور جہاں سورج گم ہو جاتا ہو وہاں عقل کے چراغ کی کیا مجال؟ (سبع سنابل صفحہ ۱۶۱)۔

☆......☆......☆

تیسرا باب

اصلاحِ نفس

نفس کے معنی

نفس کے لفظی معنی ہیں ''جان''۔ نفس درحقیقت کس چیز کا نام ہے؟ بعض کا خیال ہے کہ یہ جسم اور روح کے علاوہ کسی تیسری چیز کا نام ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ روح اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ روح جب اس جسم میں داخل ہوئی تو انسانی عوارض لاحق ہونے کے بعد نفس کہلائی۔ چنانچہ قرآن شریف میں: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُس ، اور دوسری جگہ یٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ وغیرہ آیات میں روح کو ہی نفس فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

نفس کی اقسام

سیدنا غوثِ اعظم وقطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ الاقدس نے اپنی کتاب ''سرالاسرار'' میں نفس کی آٹھ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے صرف تین موٹی موٹی اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔ انہی تین اقسام کو اکثر بزرگوں نے بیان فرمایا ہے:

(۱)۔نفسِ امارہ (۲)۔نفسِ لوّامہ اور (۳)۔نفسِ مطمئنہ۔

(۱)۔ نفسِ امارہ

یہ نفس کی وہ حالت ہے جس میں نفس ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور اس کا مطیع انسان معاشرے کا ناسور ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ (یوسف ۱۲:۵۳) ''بلاشبہ نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دیتا ہے''۔ اس آیت میں اِن، لام اور امارہ (بروزن فعّالہ) کے ذریعے تین تاکیدات موجود ہیں۔ اس سے شرِ نفس کی اہمیت خوب واضح ہو رہی ہے۔ انسان پر اس کا نفس تین طرح سے حملہ آور ہوتا ہے۔

۱۔ مخالفانہ حملہ:۔ اس کا مخالفانہ حملہ یہ ہے کہ انسان کو نیکی سے روکتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ سے روکنا، فحاشی اور بے حیائی پر آمادہ کرنا وغیرہ۔ نفس کا یہ حملہ آسانی سے ہر کسی کو سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۲۔ موافقانہ حملہ:۔ اس کا موافقانہ حملہ یہ ہے کہ انسان کو نیکی سے صاف صاف نہیں روکتا بلکہ نیکی کے ہمراہ انسان کی نیت میں فتور ڈال دیتا ہے۔ اور اس نیکی کو الٹا گناہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مثلاً مجاہد کے دل میں بہادر کہلانے کا جذبہ، عالم کے دل میں حضرت علامہ کہنے کا ولولہ، اور سخی کے دل میں حاتم طائی کہلانے کا شوق پیدا کر دیتا ہے۔ نماز پڑھا کر تکبر کراتا ہے۔ اور تسبیح پکڑا کر ریا کاری پیدا کرتا ہے۔ الغرض یہ انسان کے اعمال کو برباد کرنے کا کوئی موقع خالی نہیں جانے دیتا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بلا کر اس سے پوچھے گا تو نے دنیا میں کیا عمل کیے۔ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں مال خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا تو نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے سخی کہیں، لوگوں نے تجھے سخی کہا، تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا، پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ دوسرے شخص سے پوچھے گا تو نے کیا عمل کیا، وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور سکھایا۔ اللہ فرمائے گا، تو نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں، لوگوں نے تجھے عالم کہا، تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا۔ پھر اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرے شخص سے پوچھے گا تو نے کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں اپنی جان قربان کر دی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں۔ لوگوں نے تجھے بہادر کہا۔ تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا۔ پھر اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا'' (مسلم حدیث: ۶۹۲۳)۔

آپ نے دیکھا کتنے عظیم کارناموں کو نفس کے عمل دخل نے عذابِ جہنم بنا کر رکھ دیا۔ نفس کی باریک شرارتوں کا علاج سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے سیکھیے۔ آپ رضی اللہ عنہ کافر کے سینے پر سوار تھے۔ کہ اس نے آپ کے چہرہ انور پر تھوک دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فوراً چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ اب درمیان میں نفس اور ذاتیات آ چکی تھی (مرقاۃ جلد ۷ صفحہ ۵۱)۔

نفس کے اس حملے کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم چند مزید مثالوں سے اسے سمجھانے کی

کوشش کرتے ہیں۔

(ا) ''حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو جب زمین پر اتارا گیا تو کچھ ہرن آپ کی زیارت کے لیے گئے۔آپ علیہ السلام نے ان کی پشت پر ہاتھ مبارک پھیرا اور دعا دی۔جسکی برکت سے ان کی ناف میں کستوری پیدا ہوگئی۔جب ہرن واپس اپنے جنگل میں گئے تو وہاں دوسرے ہرنوں نے اس خوشبو کا سبب پوچھا۔انہوں نے بتایا کہ یہ خوشبو ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت سے نصیب ہوئی ہے۔چنانچہ وہ تمام ہرن بھی اسی شوق میں حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور ان سے ہاتھ پھرایا اور دعا لی۔مگر ان کی ناف میں کستوری پیدا نہ ہوئی۔انہوں نے اپنے ہرن بھائیوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کستوری کیوں ملی اور ہمیں کیوں نہ ملی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اصل قصور تمہاری نیت کا ہے۔تم محض کستوری لینے گئے تھے، جبکہ ہم محض زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے'' (سبحان اللہ)۔

(ب) ''بنی اسرائیل کا ایک نیک شخص گھر سے آری لے کر ایک ایسے درخت کو کاٹنے کے لیے نکلا جس کی لوگ پوجا کرتے تھے۔راستے میں اس کی ملاقات شیطان سے ہوگئی۔شیطان نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔اس نے کہا کہ فلاں درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔شیطان نے اس کا راستہ روکا۔دونوں لڑ پڑے۔نیک آدمی نے شیطان کو پچھاڑ دیا۔شیطان نے ہار مان لی۔کھڑے ہو کر اس نے ایک مخلصانہ مشورہ دیا کہ تم اگر اس درخت کو کاٹ دو گے تو جاہل لوگ کسی دوسرے درخت کو پوجنا شروع کر دیں گے۔بہتر ہے تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔اس کے عوض میں تمہیں روزانہ دو روپے دیا کروں گا۔تم انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنی عاقبت سنوارتے رہنا۔نیک آدمی کو شیطان کی بات معقول لگی۔وہ واپس چلا گیا۔ایک دو دن تک انتظار کیا۔شیطان نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔اس پر نیک آدمی کو غصہ آیا اور دوبارہ آری اٹھا کر چل پڑا۔راستے میں پھر شیطان سے لڑائی ہوئی۔مگر اب کی بار شیطان نے اسے پچھاڑ دیا۔نیک آدمی نے ہار مان لی۔کھڑے ہو کر پوچھنے لگا آج تم میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی۔اس نے کہا میری طاقت تو اسی قدر ہے مگر آج تیرے اندر وہ اخلاص نہیں ہے جو اس روز تھا۔اس روز تو خدا کی خاطر لڑا تھا۔مگر آج دو روپے

کی خاطر لڑا ہے(احیاء العلوم صفحہ ۱۸۴۱)۔

(ج) اللہ کے ایک ولی نے اپنے نفس پر ایسا غلبہ حاصل کیا کہ اسے کتے کی شکل میں رسی ڈال کر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ایک روز اسے کسی آدمی نے مشورہ دیا کہ آپ فلاں عورت سے نکاح کر لیں۔عورت بہت خوبصورت تھی۔اللہ کے ولی نے یکسر انکار کر دیا۔اس آدمی نے کہا کہ نکاح سنت ہے اور آپ سنت سے بھاگ رہے ہیں؟ اللہ کے ولی نے سوچا واقعی نکاح سنت ہے۔مجھے اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔اس کے فوراً بعد اسے یہ بھی خیال آیا کہ ''عورت ہے بھی خوبصورت'' جب تک وہ یہ سوچ رہا تھا کہ نکاح سنت ہے۔رسی اس کے ہاتھ میں تھی اور کتا موجود رہا۔لیکن جیسے ہی یہ سوچا کہ ''عورت ہے بھی خوبصورت'' رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور کتا غائب ہو گیا۔**فاعتبروا یااولی الابصار**

آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ انسان کے لیے سخت ضروری ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔اور ایک لحہ بھی اس کی جانب سے متساہل اور غافل نہ ہو۔اپنے نفس سے کسی رحم کی امید نہ رکھے۔نفس بیماری، پریشانی اور مصروفیت کا لحاظ نہیں کرتا۔بلکہ ہر گھڑی ہر لحظہ **اَمَّارَۃٌ بِالسُّوء** ہے۔

نفس اس قدر مکار اور چالباز ہے کہ کبھی برائی کے روپ میں آتا ہے اور کبھی نیکی کے رنگ میں۔کبھی انسان کے دل میں تکبر پیدا کرتا ہے اور کبھی عاجزی کے لبادے میں عین تکبر کا ارتکاب کراتا ہے۔اگر عاجزی کرنے والے کو یہ خیال آ جائے کہ مجھ میں بڑی عاجزی ہے تو یہ عین تکبر ہوا۔اسے اخلاقیات کی اصطلاح میں ''عُجب'' کہتے ہیں۔نفس کی عاجزی بھی اس کی شرارت ہے اور اس کا تکبر بھی اس کی شرارت ہے۔نفس کا ریاء بھی اس کی مکاری ہے اور اس کا اخلاص بھی اس کی واردات ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاءِ کرام کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لینا ضروری ہے۔وہ اپنے نفس کا پیچھا کرتے کرتے کبھی عاجز معلوم ہوتے ہیں اور کبھی بظاہر متکبر نظر آتے ہیں۔اسی وجہ سے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مرید کی عاجزی سے اس کے مرشد کا تکبر بہتر ہے اور مرید کے

اخلاص سے اس کے مرشد کا ریاء بہتر ہے۔ مرید کی جہالت بھی مرید کے لیے حجاب ہے اور مرید کا علم بھی مرید کے لیے حجاب ہے۔ اس کی غفلت بھی اس کے لیے حجاب ہے اور عین ممکن ہے کہ اس کا ذکر و فکر بھی ایک وقت میں اس کے لیے حجاب بن جائے۔ ان باتوں کو اس راستے کا مسافر ہی بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

شیخ کی کوئی بات اگر بظاہر نا مناسب اور سمجھ سے بالا تر لگے تو مرید کو چاہیے کہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد کر لے جو قرآن شریف کی سورہِ کہف میں بیان ہوا ہے۔

اگر شیخ وقتی طور پر مطالعہِ کتب اور تبلیغ دین سے منع کرے تو مرید کو چاہیے کہ شیخ کے حکم پر عمل کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی میں مرید کے نفس کی اصلاح ہو۔ مرشد جانتا ہے اور مرید نہیں جانتا۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ ”اپنی نیکیوں پر تکبر کرنے والے نیک آدمی سے وہ گنہگار بہتر ہے جو اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو“۔

بعض لوگ اپنے شیخ اور پیر بھائیوں کی صحبت میں بیٹھ بیٹھ کر مجموعی تعلیم پر کامل طور پر عمل پیرا ہونے کی بجائے صرف ایسے ایسے نکتے پکڑ لیتے ہیں جو ان کے نفس کی خواہش کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ انہیں اچھا لباس اور خوشبو لگانا مرشد کی سنت نظر آتا ہے۔ مگر تہجد پڑھنا اور اللہ کی راہ میں سر کا نذرانہ پیش کرنا مرشد کی سنت نظر نہیں آتا۔

ان کے ہاں بداخلاقی کا نام جلال ہوتا ہے، سستی اور کاہلی کا نام بے نیازی ہوتا ہے، جہالت کا نام فقیری ہوتا ہے، ترکِ شریعت کا نام فنائیت ہوتا ہے، نئے طالب کو ایک ہی بات بتانے کی بجائے بھانت بھانت کی بولیاں سنا کر پریشان کرنے کا نام فقراء کی صحبت اور اللہ کے اسرار کو گلی کوچوں میں بیان کر کے عشقِ حقیقی کو رسواء کرنے کا نام حق گوئی اور سخاوت ہوتا ہے۔

حالانکہ سنجیدگی اور ہر وقت اپنے نفس کی کڑی نگرانی فقر کا طرۂ امتیاز ہے۔ فقیر کا نفس کے ساتھ مقابلہ مرتے دم تک جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اس کا نفس مر بھی جاتا ہے تو اسے دوبارہ زندہ کر دیا جاتا ہے۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب نفس جہاد میں قتل

ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تاکہ انسان اسکا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی پاتا رہے۔ یہی معنی ہیں اس حدیث شریف کے رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہیں (فتوح الغیب مقالہ ٦٧ کا حاصل)۔

نفس کے ان موافقانہ حملوں کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مبارک ہوا سے جو اپنے عیب دیکھنے سے فارغ ہی نہ ہوا کہ دوسروں کے عیب دیکھتا (بلوغ المرام:١٥٣٩)۔

٣۔ منکرانہ حملہ :۔ نفس کا منکرانہ حملہ یہ ہے کہ یہ انسان سے خدائی، نبوت، مسیحیت، اور مہدویت کا دعویٰ کراتا ہے۔ ایسا نفس رکھنے والوں کو شیطان نہایت خوبصورت اور دلفریب دلائل کے ذریعے امداد دیتا ہے۔ اور ایسے زبردست مضامین فراہم کرتا ہے کہ کڑی کے ساتھ کڑی ملتی چلی جاتی ہے اور انسان آگے سے آگے بھٹکتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ شیطان ایسے لوگوں کی طرف با قاعدہ وحی بھی کرتا ہے۔ مگر وہ وحیِ شیطانی کو وحیِ ربانی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے بعد تمام مدعیانِ نبوت و مسیحیت کو یہیں سے ٹھوکر لگی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآءِ هِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ یعنی بے شک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں (الانعام ٦:١٢١)۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کی کوئی حد نہیں۔ (١) اللہ کی معرفت کی کوئی حد نہیں۔ (٢) نبی کریم ﷺ کے درجات کی کوئی حد نہیں، (٣) نفس کی مکاریوں کی کوئی حد نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دَعْوَاتُ مَكْرُوْبٍ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِىْ اِلٰى نَفْسِىْ طَرْفَةَ عَيْنٍ اَصْلِحْ لِىْ شَاْنِىْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یعنی دکھی آدمی کی دعا یہ ہے: اے اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، مجھے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر اور میرے تمام معاملات سدھار دے۔ تیرے سواء کوئی معبود نہیں (ابوداؤد حدیث:٥٠٩٠)۔

(۲)۔ نفسِ لوامہ

لوامہ کا معنی ہے ملامت کرنے والا۔یعنی یہ نیک بننے کی کوشش کرتا ہے مگر پھر بھی اس سے خطا سرزد ہو جاتی ہے۔اور جب خطاء سرزد ہو جائے تو یہ اپنے آپکو ملامت کرتا ہے۔اپنی غلطی پر توبہ کرتا ہے اور آئندہ اس سے باز رہنے کی کوشش کرتا ہے۔اللہ کریم کو نفس کی یہ حالت بہت پسند ہے۔اسی لیے قرآن شریف میں نفسِ لوامہ کی قسم کھائی گئی ہے۔فرمایا:**وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ** یعنی اور میں ضرور نفسِ لوامہ کی قسم اٹھاتا ہوں (القیامۃ ۷۵:۲)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ سے اللہ اس شخص کی نسبت بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری کسی ویران علاقے میں تھی اور وہ اس سے گم ہوگئی۔اسی پر اس کا کھانا اور پینا تھا اور وہ اسے تلاش کر کر کے مایوس ہو گیا۔آخرکار وہ ایک درخت کے نیچے آیا تو اپنی سواری سے مایوس ہو کر اس درخت کے سائے میں لیٹ گیا۔وہ اسی حال میں تھا کہ اچانک اس کی سواری اس کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی اور اس نے اسے نکیل سے پکڑ لیا پھر اس نے خوشی کی شدت میں آ کر کہہ دیا: اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔خوشی کی شدت کی وجہ سے اس کے منہ سے غلط بات نکل گئی (بخاری حدیث: ۶۳۰۸، مسلم حدیث: ۶۹۶۰)۔

یہ نفس طریقت کے طالب کا ہوا کرتا ہے جو ابھی سیڑھیوں پر چڑھتا اور ان پر سے گرتا رہتا ہے۔اس کا چڑھنا بھی اس کے لیے سعادت ہے اور اس کا گرنے کے بعد توبہ کرنا بھی اس کے لیے خوش نصیبی ہے۔اللہ کریم سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

ایک مرتبہ ایک آدمی کعبہ میں بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اس کے آگے بیٹھا اللہ کی بارگاہ میں اعترافاتِ خطا اور عاجزی میں مصروف ہے۔وہ کہہ رہا تھا۔باری تعالیٰ! مجھ جیسا گناہ گار اور خطا کار اس روئے زمین پر کوئی نہیں۔میں نے اپنی جان پر ایسے ایسے ظلم کیے ہیں کہ اب تیرے فضل وعنایت کے سوا میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔اس شخص نے سوچا میں آگے بڑھ کر دیکھوں تو سہی یہ شخص کون ہے اور آخر اس نے ایسا کونسا ظلم کر لیا ہے۔جب وہ

آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ سید السادات حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تھے (یہ عاجزی آپ اپنے مقام کے لحاظ سے کر رہے تھے)۔

ایک مرتبہ اللہ کے کسی ولی سے ایسی خطاء سرزد ہوگئی کہ اس نے سوچا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ اس خیال سے وہ مسجد و حجرہ چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ کسی شہر کی ایک گلی میں اس نے ایک منظر دیکھا۔ ماں نے اپنے بچے کو کسی غلطی پر مارا اور گھر سے نکال دیا۔ بچہ بے چارہ گھر کی دہلیز پر ہی بیٹھ گیا اور بیٹھا بیٹھا سو ہو گیا۔ کافی دیر کے بعد ماں نے اندر سے دروازہ کھولا تو بچہ اندر کی طرف گر گیا۔ ماں نے اسے اٹھا کر گلے سے لگالیا۔ وہ اسے چوم رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میرے بچے! تو دروازے پر ہی سویا پڑا تھا؟ بھرے شہر میں میرے بچے کا اپنی ماں کے سواء کوئی نہ تھا جس کے ہاں روٹھ کر چلا جاتا۔ تیری کوئی خالہ پھوپھی ہوتی تو تو اس کے ہاں چلا گیا ہوتا۔ اللہ کے ولی نے یہ منظر دیکھا تو فوراً واپس چلا گیا۔ اللہ کے گھر میں حاضر ہو گیا اور آئندہ لاکھ خطاؤں کے باوجود اللہ کا در نہ چھوڑنے کا تہیہ کر لیا۔

اللہ کریم اپنے بندوں سے ان کی ماں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ بندے کی ہر خطاء کے بعد اس کی توبہ کا منتظر رہتا ہے۔ اور جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ کریم آدھی بار بھی بے رخی نہیں فرماتا۔ والدین اپنی اولاد کی نافرمانیوں سے تنگ آ کر انہیں عاق بھی کر دیا کرتے ہیں۔ مگر اللہ کریم نے توبہ کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے۔

سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَلٰی عَفۡوِہٖ بَعۡدَ قُدۡرَتِہٖ وَعَلٰی حِلۡمِہٖ بَعۡدَ عِلۡمِہٖ

وہ ایسا عفو و کریم ہے کہ معاف کرتے کرتے تھکتا ہی نہیں۔ بالآخر گناہ گار و خطا کار کو ہی کہنا پڑتا ہے کہ:

بڑی دور پہنچے جفا کرتے کرتے
انہیں ساتھ پایا وفا کرتے کرتے
ابھی تک انہیں کچھ بھی پرواہ نہیں تھی
ہمی تھک گئے تھے خطاء کرتے کرتے

(۳)۔ نفسِ مطمئنہ

جب انسان ہدایت پر مستقیم ہوجائے اور صرف اچھائی کے راستے پر گامزن ہوجائے تو اس کا نفس، نفسِ مطمئنہ کہلاتا ہے۔ یہ نفس اولیاءِ کاملین اور انبیاء علیہم السلام کا نفس ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یَـا أَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِی إِلَی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِی جَنَّتِی یعنی اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا (الفجر: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نفسِ مطمئنہ سے مراد وہ نفس ہے جو اللہ کے ذکر اور اسکی اطاعت میں اس طرح مطمئن ہے جیسے مچھلی پانی میں مطمئن ہوتی ہے۔ یہ اطمینان اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک نفسِ امارہ والی گھٹیا صفات زائل نہ ہوجائیں اور یہ رذیل اور گھٹیا صفات اس وقت تک زائل نہیں ہوسکتیں جب تک اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حمیدہ کی تجلی نہ پڑے اور نفس اللہ کی صفات میں فنا ہوکر اسی کی صفات میں باقی نہ ہو جائے۔ ایسا نفس صحیح معنی میں مومن ہوتا ہے۔ اسکی مثال ایسے ہی ہے جیسے کتا اس وقت تک پاک نہیں ہوسکتا جب تک نمک میں گر کر اسی میں فنا ہوکر نمک کی صفات کے ساتھ بقا حاصل کر کے حلال اور طیب نہیں ہوجاتا۔ (یہ ایک فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کتا نمک کی کان میں گر کر عرصہ دراز تک پڑا رہنے سے مکمل طور پر نمک میں تبدیل ہوجائے تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اب اسکا نمک کے طور پر استعمال جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ کتا نہیں رہا بلکہ نمک بن گیا ہے۔ مؤلف (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱)۔

طالبِ طریقت کے لیے اپنے نفس کے شر سے چھٹکارا پانے کا بہترین ذریعہ تصورِ شیخ ہے۔ اپنے مرشد کا تصور مقصود وغیرہ کے طور پر نہ صرف جائز بلکہ بہت اہم چیز ہے۔

چرخہ بولے سائیں سائیں بیڑ بولے تو
کہے حسین فقیر سائیں دا میں ناہیں سب تو

محاسبے کا طریقہ

نیکی ہو یا گناہ، سب سے پہلے انسان کے دماغ میں اس کے بارے میں خیال پیدا ہوا کرتا ہے۔اس کے بعد انسان اس خیال کے مطابق زبان یا ہاتھ (یا دیگر اعضاء) کا استعمال کرتا ہے۔ان تینوں چیزوں کو نفس اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہتا ہے۔جس شخص نے ان تینوں سطحوں پر نفس کے فریب کو تاڑ لیا اور اس کا تدارک کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ فلاح پا گیا۔ ذیل میں ہم ان تینوں سطحوں پر نفس پر قابو پانے کا طریقہ عرض کرتے ہیں۔واللہ الموفق۔

(ا) **خیال:** (ا)۔ اپنے بارے میں خیال: انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو سب سے کم تر اور دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھے۔اور اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کو جنم نہ لینے دے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **فَلَا تُزَكُّوا اَنْفُسَكُم** یعنی اپنے آپ کو پاک مت سمجھو (یا ظاہر کرو) (النجم ۵۳:۳۲)۔

اور اگر دوسرے لوگ منہ پر تعریف کرنے لگ جائیں تو حدیث شریف میں ہے کہ: **اِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ** یعنی جب تم منہ پر تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو (مسلم حدیث:۷۵۰۶)۔

مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی بات کو ہرگز اہمیت نہ دیں۔ بلکہ اسے ان کی چاپلوسی، غلط فہمی، یا حسنِ ظن پر محمول کریں۔اپنی ذات کی مکمل نفی کریں۔ایسے موقع پر ذکر، استغفار اور لاحول سے بھی کام نہ چلے اور اپنی نفی نہ ہو سکے تو تصورِ شیخ اس کا آخری اور کامیاب ترین علاج ہے۔ سعادت مند ہے وہ شخص جو تجربہ کاروں کے تجربے سے فائدہ اٹھائے اور نصیحت حاصل کرے۔

(ب) دوسروں کے بارے میں خیال: دوسروں کے بارے میں تجسس اور عیب جوئی کی بجائے حسنِ ظن رکھنا واجب ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **اِجْتَنِبُوا كَثِيْراً مِنَ الظَّن** یعنی زیادہ بد گمانی سے بچو (الحجرات ۴۹:۱۲)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے کعبہ! تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری فضا کتنی پاکیزہ ہے، تو کتنی عظمت والا ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہِ قدرت

میں محمد کی جان ہے، ایک بندۂِ مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔اس کے مال اور خون کی حرمت بھی تجھ سے بڑھ کر ہے، اور یہ کہ اس کے بارے میں اچھا گمان رکھا جائے (ابنِ ماجہ حدیث:۳۹۳۲)۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ دریا کے کنارے پر گئے تو وہاں ایک شخص کسی عورت کی ران پر سر رکھ کر شراب کی بوتل میں سے گھونٹ لے رہا تھا۔آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے دیکھا تو دل میں سوچا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے اس شخص سے بہتر بنایا ہے۔اتنے میں کشتی پر سوار پانچ آدمی دریا میں گر پڑے۔وہ آدمی عورت اور بوتل کو وہیں چھوڑ کر بھاگا اور چار آدمیوں کو دریا سے نکال دیا۔ایک شخص باقی رہ گیا۔اس آدمی نے آواز دی۔اے حسن بصری! تجھے خدا نے مجھ سے افضل بنایا ہے۔چار آدمیوں کو میں نے پانی سے نکال دیا ہے۔پانچویں کو تم نکال دو۔حضرت حسن بصری نے اسے فرمایا کہ پانچویں آدمی کو بھی تم ہی نکالو ورنہ وہ ڈوب جائے گا۔چنانچہ اس نے پانچویں آدمی کو بھی نکال دیا۔اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتایا کہ یہ عورت میری ماں ہے اور اس بوتل میں شراب نہیں دودھ ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے دوسروں کی بات کو صحت پر لانے کی کوشش کریں۔اندازے اور تخمینے سے مفاہیم نکالنا معاشرتی فساد کی بہت بڑی بنیاد ہے۔سیدھی بات کا الٹا مطلب نکالنا مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

(ج) دوسرے عام خیالات: انسان ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا ہی رہتا ہے۔ان خیالات کے سلسلے میں نفس کے پاس ایک وسیع میدان موجود ہے۔انسان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا، خاموشی، حتیٰ کہ ہر حرکت اور ہر سکون اسکے خیالات کے ماتحت ہے۔پہلے خیال آتا ہے، پھر اسکے مطابق عمل ہوتا ہے۔ہر عمل کو کراماً کاتبین (فرشتے) لکھ رہے ہیں اور اسی پر قیامت کے دن جزا و سزا مرتب ہوگی۔ اب یہ کہنا درست ہوا کہ بنیادی طور پر سارے کھیل کا دارومدار انسان کے خیال پر ہے۔چوری، ڈاکہ، زنا اور غیبت وغیرہ کے بارے میں سب سے پہلے خیال ہی آتا ہے پھر انسان اس پر عمل کرتا ہے۔

لہٰذا خیالات پر نگران اور پہرے دار کا بیٹھنا سخت ضروری ہوا جو اس پر حذف و ترمیم (Sensorship) کا کام کرے۔ورنہ اگر یہاں سے غلطی پاس ہوگئی تو اس کا زہر قیامت

تک پھیل جائے گا۔ یہ پہرا جتنا مضبوط اور محتاط ہوگا اتنا ہی انسان نفس کے شر سے محفوظ رہ سکے گا۔
آپ اپنی سوچ کے بارے میں بھی سوچا کریں۔ اپنے خیالات کا بھی خیال رکھا کریں۔ ہر لحظہ اپنے خیالات کا محاسبہ کرنے کی کوشش کیجیے۔ کہیں آپ یہ بات نفس کی خواہش کی وجہ سے تو نہیں سوچ رہے؟ خیالات پر بیٹھنے والے اسی پہرے دار کا نام عقل ہے۔

یقیناً یہ کام آپ کو نہایت باریک اور بہت مشکل محسوس ہو رہا ہوگا۔ ہم مانتے ہیں واقعی یہ کام بڑا مشکل ہے۔ صرف ایک دن کوئی شخص یہ کام کر کے دیکھے۔ شام تک چھکے چھوٹ جائیں گے۔ لیکن خدارا اس کام کو مشکل سمجھ کر چھوڑ مت دینا۔ مت سمجھنا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اس مشقت طلب کام کی عظمت سے بے خبر ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسی کام کو جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ :اَلْـمُـجَـاهِـدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ (ترمذی حدیث:۱۶۲۱) بڑا مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا۔

اے اللہ کی راہ میں سر کٹانے کا شوق رکھنے والے نوجوان! تجھے یہ جذبہ شہادت مبارک۔ لیکن تیرے اس جہاد کی صحت بھی نفس کی اصلاح پر موقوف ہے۔ اگر جہاد کے پردوں میں نفس کی کوئی خواہش پوشیدہ نکل آئی تو یہ جہاد تیرے لیے مصیبت بن جائے گا۔ لہٰذا اپنے نفس کی اصلاح کر۔ پھر جہاد بالسیف میں کود جا۔ کیا تو نہیں چاہتا کہ جہادِ اکبر میں حصہ لے اور میدانِ فنا کا قتیل بن کر تمغۂ بقاء حاصل کرے؟

نفس کی مخالفت سے ہی اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ نفس، معرفتِ خداوندی کی ضد ہے۔ اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا''۔ اس پر عمل کر کے دیکھو۔ سمجھتے چلے جاؤ گے۔ مگر یاد رکھنا! شیخِ کامل کی راہبری کے بغیر اس راستے کا مسافر کبھی منزل آشنا نہیں ہو سکتا۔

خیالات پر بیٹھنے والے پہرے کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی قدس سرہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: ''اگر تیرے خیال میں اچھائی وارد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر اچھائی سے رکنے کا خیال آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اچھائی وہ ہے

جسے شریعت نے اچھائی کہا ہو اور شر وہ ہے جسے شریعت نے شر کہا ہو، خیر اور شر کی یہی پہچان ہے۔ اب تجھے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لیے شریعت کا علم کتنا ضروری ہے'' (الوصیۃ صفحہ ۴)۔

(۲) زبان: خیال کے بعد زبان کا نمبر آتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ زبان پر بھی اپنی سوچ کا پہرا بٹھائے۔ اور مکمل نگرانی کے بعد زبان کو کھولے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مومن کی زبان اسکے دماغ کے ماتحت ہوتی ہے۔ جبکہ منافق کی زبان اسکے دماغ سے آگے نکل جاتی ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ زبان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سارے دانتوں اور دو ہونٹوں کے ذریعے پابند کر دیا ہے۔ لیکن یہ پھر بھی تمام تالے توڑ دیتی ہے اور فضول باتیں کرتی ہے۔

(۳) ہاتھ: خیال اور زبان کے بعد ہاتھوں اور دیگر اعضاء کا نمبر آتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ اس حدیث شریف میں مذکورہ بالا ترتیب موجود ہے۔ یعنی پہلے زبان اور پھر ہاتھ۔ جو شخص کم از کم اپنے ہاتھوں پر کنٹرول کرے وہ اچھا مسلمان ہے۔ زبان پر کنٹرول حاصل کر لینا عالمانہ شیوہ ہے اور خیال پر کنٹرول کر لینا ولایت ہے۔

آپ ہر بات اور ہر کام سے پہلے تھوڑا ٹھہر جایا کریں۔ صرف ایک یا دو سیکنڈ کا وقفہ اور تامل درکار ہے۔ اپنے آپ سے پوچھ لیں کہ میں کیا کرنے لگا ہوں اور کیوں کرنے لگا ہوں؟ اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمانا شروع کر دے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: **اَلتُّؤَدَۃُ فِی کُلِّ شَیءٍ خَیْرٌ اِلَّا فِی عَمَلِ الآخِرَۃِ** آخرت کے امور کے سوا ہر کام میں سوچ بچار اور سرد مزاجی (Coolmindedness) بہتر ہے (ابوداؤد: ۴۸۱۰)۔ نیز فرمایا: جلدی شیطان کی طرف سے ہے (ترمذی: ۲۰۱۲)۔

اللہ کریم ہم سب کو اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہنے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے اور اپنی ذات کی نفی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حدیث شریف میں ہے: **طُوبٰی لِمَنْ شَغَلَہٗ عُیُوبُہٗ عَنْ عُیُوبِ النَّاسِ** یعنی خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جو اپنے نفس کے عیب دیکھنے سے فارغ ہی نہ ہوا کہ دوسروں کے عیب دیکھتا (بلوغ المرام حدیث: ۱۵۳۹)۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَبۡلَغُ الۡاَشۡیَاءِ فِی مَا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ بَیۡنَ الۡعَبۡدِ الۡمُحَاسَبَۃُ یعنی اللہ اور بندے کے درمیان وصول کا سب سے بڑا ذریعہ نفس کا محاسبہ ہے (نفحات الانس صفحہ ۱۷۲)۔

دستور السالکین

انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے۔ نفس ہر موقع پر وار کرنے سے باز نہیں آتا اور کوئی موقع خالی نہیں جانے دیتا۔ ہمارے روحانی بھائی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم نے اپنے نفس سے پوچھا کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ اس نے کہا یہ میری ڈیوٹی ہے۔ تمہارا کام ہے میرا مقابلہ کرنا، جب کہ تم اپنی ڈیوٹی نہیں دے رہے اور میں اپنی ڈیوٹی مکمل دے رہا ہوں۔

فقیر راقم الحروف سے اسکے استاد صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہو تو پوچھ لو۔ فقیر نے عرض کیا کچھ نہیں پوچھنا۔ انہوں نے فرمایا کبھی کبھی استاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ فقیر نے عرض کیا میرا اللہ کے سواء کسی سے سوال کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ سب آپ کی محنت ہے کہ آپ نے فقیر کو اس نوبت تک پہنچایا۔ وہ فقیر کا یہ جملہ سن کر راضی ہوئے۔ آج بھی فقیر انکے لیے دعا گو ہے اللہ تعالیٰ انکے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے آمین۔

کچھ دیر کے بعد استاد محترم علیہ الرحمہ مسجد شریف میں فقیر کے ساتھ کچھ فاصلے پر لیٹ گئے اور فقیر کو سنا سنا کر یہ دعا گنگنا کر پڑھنے لگے۔

رَبِّ لَا تَکِلۡنِیۡ اِلیٰ نَفۡسِیۡ فَاِنَّکَ اِنۡ تَکِلۡنِی اِلیٰ نَفۡسِیۡ تُقَرِّبُنِیۡ اِلَی الشَّرِّ وَتُبَاعِدُنِیۡ مِنَ الۡخَیۡرِ یعنی اے میرے رب مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔ اگر تم نے مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیا تو یہ مجھے شر کے قریب لے جائے گا اور خیر سے دور کر دے گا۔

چند سال قبل فقیر کے پاس آخری ملاقات کے لیے سرگودھا میں تشریف لائے تو فرمایا: طریقت کے موضوع پر کتاب لکھو۔ یہ کتاب ''اسرار السلوک'' انہی کے تاکیدی فرمان کا نتیجہ ہے۔

امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے کسی نے پوچھا مَا الوصل وصل کیا ہے؟ فرمایا: تَرۡکُ اِرۡتِکَابِ الۡھَوٰی خواہشات کا ترک کرنا وصل ہے (کشف المحجوب صفحہ ۲۲۳)۔

بندہ جب اپنی ہمت لگا کر نفس کا مقابلہ کرتا ہے تو بار بار جنگ کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس میں بہت وقت لگ جاتا ہے۔اس کا صحیح طریقہ تسلیم ہے تا کہ مراد حاصل ہو جائے (کشف المحجوب صفحہ ۲۲۴)۔

دراصل جب تسلیم کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو عصمت نصیب ہو جاتی ہے۔اور بندہ خدا کی حفاظت میں رہ کر مجاہدے کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہو جاتا ہے اور نفسانی آفات کو فنا کر کے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مکھی کو لاٹھی سے بھگانے کی بجائے جھاڑو سے بھگانا آسان ہے (کشف المحجوب صفحہ ۲۲۴)۔

حضرت پیر سائیں محمد راشد روضے دھنی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اگر طالب ایک قدم اپنے نفس پر رکھے تو دوسرا قدم اللہ کی بارگاہ میں ہوگا۔

طالب تقدیر کی مخالفت کرتے کرتے اپنا وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔رضا پر راضی ہونے سے نفس مر جاتا ہے اور وصل نصیب ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ سمنون بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **اول وصال العبد للحق هجرانه لنفسه ، و اول هجران العبد للحق مواصلته لنفسه** یعنی بندے کا اللہ سے پہلا وصل اپنے نفس کی مخالفت ہے اور بندے کی اللہ سے پہلی جدائی نفس کی پیروی ہے (نفحات الانس صفحہ ۲۵۰)۔

اے بھائی! تجھے تیرا نصیب مل کر رہے گا۔ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ تقدیر کا قلم فیصلہ لکھ کر خشک ہو چکا ہے (بخاری حدیث: ۶۰۷۵)۔چپ کر کے بیٹھ جا، تیرا نصیب تیری تلاش میں ہے۔

فقیر راقم الحروف ایک مرتبہ پشاور کے قریب اکبر پورہ میں ایک چشتی بزرگ حضرت پیر سید شمشاد علی شاہ صاحب کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوا۔انہوں نے لکھ کر دیوار پر لگایا ہوا تھا۔

جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے
اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے

یہ دو جملے اللہ کریم کی رضا پر راضی رہنے کی جہت سے ہیں نہ کہ جبری عقیدہ کے لحاظ سے۔

رضا کو اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کسی کے ساتھ گفتگو میں پہل نہ کرے، کوئی کھے کھڑے ہو جاؤ تو یہ کھڑا ہو جائے اور اگر کوئی کھے بیٹھ جاؤ تو یہ بیٹھ جائے۔ جب تک کسی کی بات شریعت کے خلاف نہ ہو، سب اللہ کی طرف سے سمجھے۔ اپنی رائے کا دخل نہ دے۔ لوگوں کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑائے، جب اسے دو کاموں میں سے ایک کا اختیار ملے تو آسان کام کو اختیار کر لے۔

حضرت ابو علی ابن کاتب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب دل میں خوف جاگزیں ہو جائے تو پھر زبان سے وہی بات نکلتی ہے جو ضروری ہوتی ہے (رسالہ قشیریہ صفحہ ۷۶)۔

حضرت ابو محمد اجریری رحمت اللہ علیہ نے فرمایا: انصاف اور ادب یہ ہے کہ وہ شخص جو علمِ معرفت میں بلند مرتبہ رکھتا ہو، اس علم کے متعلق اس وقت تک بات نہ کرے جب تک کہ کوئی اس سے سوال نہ کرے۔ حضرت ابو حفص رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: بات کرنا صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جسے خاموش رہنے پر عذاب کا خطرہ ہو (کتاب اللمع صفحہ ۲۶۸)۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: ہر وہ فعل جسے انسان نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی اقتداء کے بغیر کرے، خواہ وہ عبادت ہو یا کوئی اور، وہ نفس کی زندگی ہے۔ اور ہر وہ فعل جسے انسان حضور ﷺ کی اقتداء میں کرے وہ نفس کے لیے عذاب ہے (رسالہ قشیریہ صفحہ ۴۰)۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد والہ وسلم

روحانی و اخلاقی بیماریاں اور ان کا علاج

طالب پر لازم ہے کہ مختلف اذکار و افکار اور مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے نفس کی شرارتوں کی اصلاح پر مکمل توجہ دے اور اپنی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا علاج کرے۔

ریاء کاری ایسا مرض ہے جو روحانیت کا شرک ہے، اسے شرکِ خفی کہتے ہیں۔ اس کا الٹ اخلاص ہے۔ طالب کو چاہیے کہ کوئی بھی عبادت لوگوں کو دکھانے کی غرض سے اور اچھا آدمی کہلانے کی نیت سے نہ کرے۔ بعض لوگ ریاء کے خوف سے نیکی کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ریاء کاری سے بھی بڑی حماقت ہے۔ عبادت اور نیکی کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی نیت کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سورۃ اخلاص ایک تسبیح روزانہ پڑھنے سے یا پھر یا واحد چار ہزار

مرتبہ روزانہ پڑھنے سے اخلاص کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات طالب کو اپنے ذکر فکر اور مراقبے پر تکبر آنے لگتا ہے بعض لوگوں کو علم پر تکبر آتا ہے اور بعض لوگ اپنے پیر بھائیوں کی راہنمائی کرتے کرتے تکبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ سارے اچھے کام بدستور کرتے رہنا چاہیے اور تکبر کی نفی کرنے کے لیے تصورِ شیخ کو مضبوط کرنا چاہیے اور اپنی نفی کرنی چاہیے۔ تکبر کا بہترین علاج فنائیت اور اپنی نفی ہے۔

جب انسان کسی طرح تکبر سے جان چھڑا لیتا ہے تو اس تکبر کی نفی میں کامیاب ہونے پر بھی اس کو تکبر آنے لگتا ہے۔ ایسے تکبر کو اخلاقیات کی زبان میں عُجب کہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنی اوقات کو یاد کرے۔ انسان محض گندے پانی کا ایک قطرہ ہی تو ہے۔

تکبر ہی کی ایک شاخ خودنمائی بھی ہے۔ بعض طالب خودنمائی کی غرض سے اپنے مکاشفات ومشاہدات سرِ عام بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور طریقے طریقے سے اپنی کرامات تک بیان کرنے لگتے ہیں اور بعض لوگ خودنمائی کی غرض سے اللہ کے راز لوگوں میں بیان کرنے لگتے ہیں، جب کہ بعض لوگ کم ظرفی اور عدمِ برداشت کی وجہ سے زبان کھول بیٹھتے ہیں۔ یہ سب باتیں طریقت کے سنجیدہ طالبوں کے لیے ممنوع ہیں۔ خودنمائی کا کیڑا طالب کے دماغ سے بڑی دیر کے بعد نکلا کرتا ہے۔ اس کا علاج خاموشی اور مستور الحالی ہے۔

بعض طالبوں کو اپنے پیر بھائیوں پر حسد آنے لگتا ہے۔ حسد ایسی بھٹی ہے جو تمام نیکیوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ حسد کرنے والا فقیر راہِ سلوک میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسا آدمی نہ صرف اپنا ذاتی نقصان کرتا رہتا ہے بلکہ پوری جماعت کے لیے بلکہ پورے معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔ وہ دین کے کاموں میں بھی روڑے اٹکانے سے باز نہیں آتا۔ وہ دین کی خدمت بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ دوسرے پیر بھائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کرتا ہے بعض اوقات کسی طالب کی اپنے کسی مخصوص پیر بھائی سے لگت بازی ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے پوری جماعت اور آستانے کا نقصان کرتے رہتے ہیں۔ طالب کی یہ حالت نہایت افسوسناک ہے اور یہ اس کی بدبختی کی انتہا ہے۔

حسد کا علاج رضا ہے۔طالب کو چاہیے کہ اللہ کی رضا پر راضی رہے اور یوں سوچے کہ اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے بہت اچھا ہے۔اپنے پیر بھائیوں پر حسد نہ کرے بلکہ ان کے لیے مزید ترقی کی دعا کرے۔ایسی دعا کرنے سے دعا کرنے والے کا اپنا فائدہ ہوتا ہے۔پھر بھی اگر حسد آ جائے تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ اس حسد کے مطابق قدم نہ اٹھائے، زبان نہ کھولے اور حسد کے خبیث تقاضے پورے نہ کرے۔

غصہ ایک ایسا مرض ہے جو عقل کو کھا جاتا ہے۔اسکا علاج یہ ہے کہ انسان غصے کے وقت خاموش ہو جائے۔فوراً وضو کرے۔اگر بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے اور اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے یا لیٹ جائے یعنی اپنی حالت بدل لے۔حدیث شریف میں ہے کہ: **عَنْ أَبِی ذَرٍّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَنَا إِذَا غَضِبَ أَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَإِنْ ذَھَبَ عَنْہُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ** (ابوداؤد حدیث:۴۷۸۲)۔**إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطَانِ وَإِنَّ الشَّیْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ** (ابوداؤد حدیث:۴۷۸۴)۔طریقت والوں کیلئے اسکا حتمی علاج بھی رضا ہے۔بعض اوقات ذکر کی کثرت سے بھی طالب کو جلال آنے لگتا ہے،اس کا علاج درود شریف ہے۔مگر طالب کو چاہیے کہ اپنے نفس کی وجہ سے آنے والے غصے اور کثرتِ ذکر کی وجہ سے آنے والے جلال میں تمیز کرے۔

ایک اہم روحانی مرض غیبت بھی ہے۔کسی کی غیبت کرنے سے اپنا نقصان ہوتا ہے اور جسکی غیبت کی جائے اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اسے روحانی طور پر بھی ترقی مل جاتی ہے۔لہٰذا طالب کو چاہیے کہ کسی کی غیبت نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اسکی غیبت کرے تو اسکا جواب نہ دے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے۔جس نے اس کے مخالفوں کے ذریعے اسکی ترقی کا بندوبست کر دیا۔

طالبِ طریقت پر لازم ہے کہ دوسروں کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لے۔ دوسرے کو اچھا اور شریف سمجھے اور اس کی شکل وصورت یا لباس یا ظاہری اطوار کو دیکھ کر اس کی شخصیت کے بارے میں کوئی خیال قائم نہ کرے۔بعض اوقات گودڑیوں میں بھی لعل ہوتے ہیں اور خدا جانے کوئی کس حال میں ہے۔اپنے پیر بھائیوں کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ گمان ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کریم کے بارے میں بھی منفی طریقے پر سوچنا

شروع کر دے تو اسے ہزار عیب اور خرابیاں نظر آنے لگیں گی نَعُوذُ بِاللہِ مِنْ ذَالِک اور اگر کوئی شخص شیطان کی خوبیاں تلاش کرنا شروع کر دے تو اسے شیطان میں بے شمار کمالات نظر آنے لگ جائیں گے وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

طالب کو چاہیے کہ دوسروں کے بارے میں سیدھا سوچے، مثبت ذہن رکھے اور ان کی سیدھی بات کا سیدھا مطلب لے بلکہ الٹی بات کو بھی سیدھا سمجھنے کی کوشش کرے۔ خوش نصیب ہے وہ طالب جسے اللہ کریم جل شانہ نے حسن ظن کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔

ان تمام امراض کا علاج اللہ کریم جل شانہ کے فضل پر موقوف ہے مگر طالب کو چاہیے کہ اپنی طرف سے مکمل کوشش جاری رکھے۔ اگر ناکامی ہو تو اپنا قصور سمجھے اور کامیابی ہو تو اسے اللہ کا فضل سمجھے۔ یہی اہل سنت کا راستہ ہے۔

کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، کم ملنا

زیادہ کھانے سے ذہانت برباد ہو جاتی ہے اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ غفلت طاری ہو جاتی ہے، نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور شہوت زور پکڑ لیتی ہے۔

زیادہ سونے سے غفلت اور نحوست طاری ہو جاتی ہے اور باطن کی کھڑکیاں بند ہونے لگتی ہیں۔ خصوصاً عبادات کے وقت میں سونا، صبح سورج نکلنے سے پہلے پہلے سوئے رہنا اور عصر کے بعد سونا روحانیت کی ناس مار دیتا ہے اور تہجد کے وقت جاگنے سے نفس کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور اس وقت استغفار اور دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں۔

زیادہ بولنے سے انسان کا وقار برباد ہوتا ہے اور خود نمائی میں اضافہ ہوتا ہے، گلہ، غیبت، فضول گوئی وغیرہ سب زیادہ بولنے سے ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ مشکل سوالات کے جواب میں خاموشی اور انتظار سے معرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔

لوگوں سے زیادہ ملاقات بھی خود نمائی کا سبب بنتی ہے اور یاوہ گوئی کا موقع ملتا ہے، بحث وتمحیص کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان اللہ کریم جل شانہ سے غافل ہونے لگتا ہے۔ لہذا خیریت اسی میں ہے کہ کم کھائیں، کم سوئیں، کم بولیں اور کم لوگوں سے ملیں۔

☆......☆......☆

چوتھا باب

کاملین کے اوصاف

1۔شریعت کی پابندی اور نماز

اللہ کے ولی کی پہچان قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

اَلَّـذِیْنَ آمَنُوا وَ کَانُوا یَتَّقُونَ یعنی اولیاءاللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیے رکھا (یونس: ۶۳)۔

ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے عقائد اور نظریات درست تھے۔اللہ کا مشرک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے ادب، صحابہ کا بے ادب، اہل بیت کا بے ادب اور اجماعِ امت کا منکر اور مخالف کبھی بھی اللہ کا ولی نہیں بن سکتا۔حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے صحابی کا گستاخ بھی ولایت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکتا۔علامہ شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

مَنْ یَّکُونُ یَطْعَنُ فِی مُعَاوِیَہ

فَذَالِکَ کَلْبٌ مِنْ کِلَابِ الْھَاوِیَہ

یعنی جو شخص سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا ہو وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے (نسیم الریاض شرح شفاء جلد۳ صفحہ ۴۳۰)۔

تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہو۔احکام شرعیہ میں سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم نماز کا ہے۔قرآن مجید میں اس کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔روزانہ پانچ مرتبہ اس کی یاددہانی اذان کے ذریعے کرائی جاتی ہے اور اس کی طرف بلایا جاتا ہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ نماز کے لیے آؤ، نماز کے لیے آؤ۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی یعنی میرے ذکر کے لیے نماز پڑھ (طٰہٰ: ۱۴)۔اس کے مفہوم میں بہت گہرائی موجود ہے۔

(ا)۔ میرے ذکر کی خاطر نماز پڑھ۔گویا نماز بذاتِ خود ایک بہترین ذکر ہے۔

(۲)۔ چونکہ میں نے قرآن میں بار بار اس کا ذکر کیا ہے لہٰذا میرے اس اہتمام کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھ۔

(۳)۔ نماز پڑھ تاکہ اس خوبصورت عمل کی وجہ سے میں تمہارا ذکر اور ثنا کروں۔

(۴)۔ نماز پڑھ خالص میری ذات کی خاطر مخلص ہو کر۔

(۵)۔ نماز پڑھ اللہ کی صفات کے لیے حضورِ قلب سے بڑھ کر اللہ کی ذات کے شہودِ روحی کے حصول کی خاطر۔

(۶)۔ نماز پڑھ میری یاد کے مقررہ اوقات میں۔

(۷)۔ نماز پڑھ سو جانے یا بھول جانے کے بعد جیسے ہی یاد آئے۔

حضور محبوب نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا اے علی! کاغذ اور قلم لاؤ میں کچھ وصیت لکھ دوں۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ زبانی فرما دیں میں یاد کر لوں گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ اسلیے عرض کیا تھا کہ میں کاغذ قلم لینے جاؤں اور میرے بعد حضور کریم ﷺ کا وصال نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **اُوْصِی بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ** یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز زکوٰۃ اور غلاموں کے بارے میں وصیت فرمائی (مسندِ احمد حدیث: ۶۹۶)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: **اَلصَّلٰوۃَ، اَلصَّلٰوۃَ، اِتَّقُوا اللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ** میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں، میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں اور غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں (مسند احمد حدیث: ۵۸۷)۔

یہ نبی کریم ﷺ کی آخری وصیت ہے۔ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وصیت بھی آخری ہے اور ہستی بھی سب سے عظیم ہے۔

ایک عام آدمی کے لیے نماز اس قدر ضروری ہے چہ جائے کہ کوئی شخص نماز کا تارک بلکہ منکر ہو اور دعویٰ ولایت کا کرتا ہو۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **لَیْسَ مِنَ الْکَامِلِیْنَ مَنْ لَّا یَقُوْمُ الَّیْل** جو تہجد نہیں پڑھتا وہ کامل نہیں ہے (مرقاۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۸)۔

ابتدائی طالبوں کے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ نماز ترک کرنے کی عادت نہ

بنائیں ورنہ آگے جا کر پریشان ہوں گے۔ نماز تمام وظائف سے بڑا وظیفہ ہے اور تمام مراقبات سے بڑا مراقبہ ہے۔ نماز کے بغیر وظائف پڑھنا ایسے ہے جیسے بندوق کے بغیر محض ہاتھ سے گولی پھینکی جائے اور نماز کے ساتھ وظائف پڑھنا ایسے ہے جیسے بندوق میں رکھ کر گولی چلائی جائے۔

بندہ اللہ کے سب سے قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنا سر سجدے میں رکھ دیتا ہے اسی لیے اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کر اور قریب ہو۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ اے اللہ مرنے کے بعد میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتا، صرف عرش کے سامنے مصلیٰ بچھانے کی اجازت دے دینا تاکہ تجھے سجدے کر سکوں۔

حضرت پیر سائیں محمد راشد روضے دھنی قدس سرہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ کے مریدوں میں سے اگر کوئی نماز ترک کرتا تو آپ اسے کوڑے مرواتے تھے اور ذکر نہ کرنے والے مریدوں کے گھر نہیں جایا کرتے تھے۔

نماز اور تلاوتِ قرآن ایسی نعمتیں ہیں کہ جب صاحبِ طریقت پر کھلتی ہیں تو عرش کے خزانے کھل جاتے ہیں۔

ہمیشہ وضو میں رہنے والا فقیر ہمیشہ اللہ کی پناہ میں رہتا ہے۔ کَمَا قِیْلَ : اَلْوُضُوءُ حِصْنُ الْمُؤْمِنِ یعنی وضو مومن کا محافظ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ دل نہ چاہتا ہو مگر پھر بھی اچھی طرح وضو کرنا (اِلْاِسْبَاغُ بِالْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ) گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے (مسلم حدیث:۵۱)۔

2۔ اخلاق

اخلاق ہمارے نبی کریم ﷺ کے عظیم ترین کمالات میں سے ہے۔ اللہ کریم جل شانہ نے آپ ﷺ کی توصیف ان الفاظ سے فرمائی ہے: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اے محبوب تم عظیم اخلاق کے مالک ہو (القلم:۴)۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتائیں تو فرمایا: اَلَا تَقْرَءُ وْنَ الْقُرآنَ ، کَانَ خُلُقُهُ الْقُرآن یعنی کیا آپ لوگ

قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن تھا۔حدیث پاک میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں (مسلم حدیث:۱۷۳۹)۔

اخلاق تین طرح کا ہوتا ہے۔ پہلا اخلاق دل میں ہوتا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کا برا نہ سوچے۔ میں نے اپنے مرشد کریم حضرت سخی سائیں محمد عرف نالے مٹھا قدس سرہ کو فرماتے ہوئے سنا۔غلام رسول! کوئی کسی کا اچھا نہیں کرسکتا۔ جو کسی کا اچھا کرتا ہے وہ اپنا فائدہ کرتا ہے اور کوئی کسی کا برا نہیں کرسکتا، جو کسی کا برا کرتا ہے وہ اپنا ہی برا کرتا ہے۔ ہمارے پیر بھائی محمد امین جاوید نے ایک بزرگ کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے دشمن کے لیے سب سے پہلے دعا کرتے تھے۔غور کیا تو معلوم ہوا کہ دشمن کے لیے دعا کرنا نفس پر بہت بھاری ہوتا ہے۔

ہر کسی کو شریف آدمی سمجھنا اور اس کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا اور سنجیدہ گفتگو کرنا اخلاقیات میں سے بہت بڑی نعمت ہے جسے اللہ عطا فرمائے۔

دوسرا اخلاق زبان سے ہوتا ہے۔غصہ، تکبر، غیبت، حسد، لالچ بہت بڑی اخلاقی بیماریاں ہیں اور ان کے موضوع پر علماء و مشائخ نے مستقل کتب تصنیف فرمائی ہیں۔حدیث پاک میں ہے کہ میٹھا بول صدقہ ہے اَلْکَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ (بخاری:۲۹۸۹)۔

لیکن بعض بزرگ زبان سے اپنے اخلاق کو ظاہر نہیں فرماتے کہ کہیں اخلاق کا اظہار اخلاص کے منافی نہ ہو جائے۔

ہم نے بعض مشائخ کو دیکھا ہے کہ سادات کے احترام میں دیر تک کھڑے رہتے ہیں اور احترام و ادب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بعض کو ایسے بھی دیکھا ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے مگر اندر سے انہیں جھولے دے رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے بھائی مخدوم و محترم جناب محمد امین جاوید صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک سید زادے کے ساتھ راجھستان کے علاقے میں گئے۔ استاذ الاولیاء حضرت قبلہ علی بخش صاحب چانڈیو قدس سرہ بھی ہمراہ تھے۔میزبان بزرگ ایک کچے مکان میں قمیض اتارے پسینے میں شرابور کھجور کی چارپائی پر آرام فرما تھے۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو انہوں نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔اور جہاں کسی کو جگہ ملی سب بیٹھ گئے۔محمد امین جاوید صاحب نے سوچا کہ اس شخص کو دوسرے مہمانوں کا نہیں تو کم از کم اس سید زادے کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔

جب یہ سوچا تو انہیں بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کمرے کی چھت کے ساتھ جھولا باندھا ہوا ہے وہ سید صاحب جھولے میں آرام فرما ہیں اور میزبان بزرگ جھولا جھلا رہے ہیں۔

اخلاق کی یہ قسم جلالی اور جمالی طبیعتوں کے فرق کی وجہ سے مختلف انداز اختیار کرتی ہے اور کبھی بھی جلالی بزرگوں کو بد اخلاق نہیں سمجھنا چاہیے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اگر اپنے کسی غلام کو اچھی طرح نماز پڑھتا دیکھتے تھے تو اسے آزاد کر دیتے تھے۔ غلاموں کو اس بات کا پتہ چل گیا تو دکھاوے کے طور پر اچھی طرح نماز پڑھنے لگے۔ آپ پھر بھی انہیں آزاد کر دیتے تھے۔ آپ سے کسی نے غلاموں کی اس بات کا ذکر کیا تو فرمایا: جو شخص اللہ کے بارے میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے تو ہم دھوکا کھا جاتے ہیں مَنْ خَدَعَنَا فِی اللّٰہِ اِنْخَدَعْنَا (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۷۶)۔

ہمارے مرشد کریم قطب الاقطاب حضرت مفتی پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ العزیز کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں سید ہوں مجھے پانچ ہزار روپے دو۔ آپ نے فرمایا تشریف رکھیے۔ آپ کے پاس رقم نہیں تھی۔ کہیں سے بندوبست کر دیا۔ ایک مرید نے عرض کیا حضور! یہ شخص فلاں قوم کے فلاں آدمی کا بیٹا ہے، سید نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا خاموش! میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، مگر اہل بیت کے پردے میں چھپ کر آیا ہے۔ میں نے اسے نہیں اس کے پردے کو دیکھنا ہے جس میں یہ چھپا ہے۔

اخلاق کی تیسری قسم کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ ماں باپ سے عدل وانصاف نہیں بلکہ احسان کا حکم ہے اور احسان سے مراد یہ ہے کہ اپنا حق بھی انہیں دے دیا جائے۔ سب سے زیادہ حق ماں کا ہے اور پھر باپ کا۔ بڑھاپے میں ماں باپ کو اُف تک کہنے کی ممانعت ہے۔ بڑا بھائی بھی باپ کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ پڑوسیوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، ہر انسان کے حقوق، تمام مخلوقات حتیٰ کہ جانوروں کے حقوق کی تفصیل قرآن وسنت میں موجود ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَھُم یعنی لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے اچھے اخلاق اس کے ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے (ابوداؤد حدیث: ۴۸۴۲)۔

یہ حدیث ایسا معیار ہے کہ صحیح اخلاق اور بناوٹ کا فرق نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔

دوستوں میں چائے بوتل اڑا کر اچھا کھلا لینا آسان ہے، پیر بھائیوں اور مرشد کا ادب ظاہری کر لینا بھی مجبوری ہوسکتا ہے۔ پہچان تو اس وقت ہوتی ہے جب انسان گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھتا ہے اور اپنی بوڑھی ماں اور پردہ دار بیوی کی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

بد اخلاق بیوی کو برداشت کر کے اور عورت اپنے بد اخلاق شوہر کو برداشت کر کے روحانیت کے اعلیٰ مقامات کو حاصل کر سکتی ہے۔

اسی اخلاق کا ایک اہم شعبہ مہمان نوازی ہے۔ خاص طور پر صاحبِ مسند کا مہمان نواز ہونا اشد ضروری ہے۔ ہر کسی کا درد بانٹنا اور اپنا درد کسی کو نہ سنانا ضروری ہے۔

3۔سخاوت اور مہمان نوازی

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْکَ یعنی خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا (بخاری حدیث:۴۶۸۴)۔

حضرت علی محمد سُنڈیا بابا جی رحمۃ اللہ علیہ (سرحد) کا واقعہ ہے کہ ان کے مریدوں نے عرض کیا بابا جی آج لنگر میں پکانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ان کے پاس کنویں کا پانی نکالنے کے لیے ایک بھینسا موجود تھا۔ آپ نے فرمایا وہ بھینسا ذبح کر دو۔ مریدین اٹھے اور بھینسا کھول کر ذبح خانے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک ساتھی نے راستہ روکا اور کہا یہ بھینسا ذبح نہ کرو ورنہ پانی نکالنے میں دشواری ہوگی۔ کہیں سے قرض لے کر گزارا کر لو۔ دوسروں نے کہا حضرت کا حکم ہے لہٰذا اسے ذبح کیا جائے گا۔ اسی طرح کئی مرتبہ تکرار ہوئی۔ بھینسے کا راستہ روکا بھی گیا اور اسے چلایا بھی گیا۔ بالآخر بھینسے کو ذبح کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کچھ آدمی ایک نیا بھینسا لنگر کے لیے لے کر پہنچ گئے اور بابا جی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ آدمی بتانے لگے کہ اس بھینسے نے راستے میں ایک مقام پر ہمیں عجیب تماشا دکھایا۔ اچانک رک جاتا تھا اور چلائے نہیں چلتا تھا۔ مگر اچانک چل پڑتا تھا اور روکے نہیں رکتا تھا۔ بابا جی نے لنگر والوں کو بلا کر پوچھا کہ تم لوگ جب بھینسے کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے، کیا تم لوگ کبھی ذبح کا ارادہ کرتے تھے اور کبھی یہ

ارادہ ترک کر دیتے تھے؟ انہوں نے سارا قصہ سنا دیا۔ بابا جی نے فرمایا جب تم چلتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھینسے کو بھی چلا دیتا تھا اور جب تم رک جاتے تھے تو اسے بھی روک دیا جاتا تھا۔ جو خرچ کرتا ہے اس پر خرچ کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ نے مثنوی شریف میں یہ حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص بہت غریب تھا۔ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا میرے لیے دعا فرمائیں، اللہ میری زندگی کا سارا رزق مجھے ایک ہی بار عطا فرما دے۔ میں پیٹ بھر کر تو کھا لوں۔ آپ نے دعا فرمائی اور اللہ کریم نے اس کے حصے کا رزق ایک ہی بار بھیج دیا۔ اس شخص نے سارا ایک ہی بار پکا کر خود بھی خوب کھایا اور غرباء میں بھی تقسیم کر دیا۔ دوسرے دن اس کے پاس پہلے سے بھی زیادہ رزق پہنچ گیا۔ اس نے اسے بھی پکا کر تقسیم کر دیا۔ روزانہ اسی طرح ہونے لگا۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے لنگر جاری دیکھا۔ حیران ہو کر اللہ کریم سے پوچھا کہ باری تعالیٰ اس شخص کا رزق تو ختم ہو گیا تھا۔ مگر اسے روزانہ مزید کیسے مل رہا ہے؟ اللہ کریم جل مجدہ نے فرمایا یہ میرا کمزور اور مفلس بندہ ہو کر اتنا سخی ہے کہ جان کی بھی پرواہ نہیں کی اور میری راہ میں سب کچھ خرچ کر کے موت کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ میرے جود و کرم کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ میں بھی ایسے شخص پر خرچ کرنے سے گریز کروں۔ لہٰذا جب تک یہ خرچ کرتا جائے گا میں اسے عطا کرتا رہوں گا۔

محبوب نبی کریم ﷺ سے ایک یہودی نے پورا ریوڑ اللہ کے نام پر مانگ لیا۔ آپ ﷺ نے اسے عطا فرمایا۔ وہ آدمی واپس جا کر اپنی قوم سے کہنے لگا اے لوگو! سب مسلمان ہو جاؤ۔ محمد اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے اور فاقوں سے نہیں ڈرتا **اِنَّ مُحَمَّداً ﷺ یُعْطِی عَطَاءً لَا یَخْشَی الْفَاقَةَ** (مسلم حدیث: ۲۳۱۲)۔

صوفیاء کا طریقہ یہ بھی ہے کہ حقدار اور ناحقدار پر توجہ نہیں دیتے۔ بلکہ اللہ کے نام پر جو بھی مانگے اسے دے دیتے ہیں۔ حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: جو حقدار ہے اس پر بھی خرچ کر اور جو حقدار نہیں ہے اس پر بھی خرچ کرتا کہ تجھ پر وہ بھی خرچ ہو سکے جس کے تم حقدار ہو اور وہ بھی خرچ ہو سکے جسکے تم حقدار نہیں ہو۔

سخاوت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سائل یا غریب آدمی کی عزتِ نفس کو مجروح نہ کیا جائے۔ حضرت مؤرق عجلی علیہ الرحمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے کسی ضرورت مند بھائی کے پاس ایک ہزار روپے رکھ کر کہتے تھے۔ ''میرے واپس آنے تک اسے پاس رکھو''۔ بعد میں پیغام بھیج دیتے کہ تمہیں انہیں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ **الصوفی دمہ هدر و ملکه مباح** یعنی صوفی کا خون معاف ہے اور اسکی ملکیت مباح ہے(کشف المحجوب صفحہ ۳۵۱)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَومِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے(بخاری حدیث:۶۱۳۶)۔

ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ سات دن سے میرے ہاں کوئی مہمان نہیں آیا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گیا(رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۸۶)۔

مہمان کے لنگر پانی اور بستر کا خیال رکھنا صاحب طریقت پر اس کے مشائخ کے طریقہ کے طور پر لاگو ہے۔ اگر کوئی دوسرا شرعی اور وقتی عذر موجود نہ ہو تو فقیر کے آستانے پر ہر شخص کو جانے کی اجازت ہے۔ صوفیاء عاجزی اور انکساری میں آ کر فرماتے ہیں۔

درکوئے خرابات وسرائے اوباش

منع نیست بیا، بنشیں و بباش (فوائد الفواد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت عمر کو کچھ عطا فرمایا تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ اسے دے دیجیے جو مجھ سے زیادہ فقیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَالَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ یعنی یہ مال لے لو، اسے اپنے پاس رکھو یا صدقہ کر دو، جو مال بغیر لالچ اور طلب کے مل جائے اسے لے لیا کرو اور جو نہ ملے اس سے غرض نہ رکھا کرو(بخاری حدیث:۷۱۶۴، مسلم حدیث:۲۴۰۵)۔

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: فَمِنْ اَجلِ ذٰلِكَ كَانَ ابْنُ

عُمَرَ لَا یَسْأَلُ اَحَداً شَیْئًا وَلَا یَرُدُّ شَیْئًا اُعْطِیَهُ یعنی یہی وجہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہیں مانگتے تھے اور جب خود کوئی چیز دیتا تھا تو اسے رد نہیں کرتے تھے (مسلم حدیث:۲۴۰۶)۔

اسی سے صوفیاء علیہم الرضوان نے اصول اخذ فرمایا ہے کہ کسی سے طمع نہ رکھو، کوئی خود دے تو منع نہ کرو، جب مل جائے تو جمع نہ کرو لَا طَمْعَ وَلَا مَنْعَ وَلَا جَمْعَ۔

4۔استغناء

استغناء کا معنی ہے بے نیاز ہونا اور کسی سے غرض اور لالچ نہ رکھنا۔ استغناء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ استغناء ظاہری یہ ہے کہ صاحبِ مسند وارشاد، خلق کی بے لوث خدمت کرے۔ کسی سے سوال نہ کرے نہ ہی دل میں کسی سے لالچ کرے۔ آنے جانے والوں کی جیب سے غرض نہ رکھے۔ یقین رکھے کہ میرا نصیب مجھے مل کر رہے گا۔ کبھی کسی ایم پی اے، ایم این اے یا سرکاری افسر سے ملنے نہ جائے، نہ ہی ایسے لوگوں سے اپنی مذہبی محافل کی صدارت اور سرپرستی کرائے۔ ہاں فقیروں کے دروازے پر ہر کسی کو از خود آنے کی اجازت ہے، مگر کسی کی تکریم اس کی حد سے زیادہ نہ کی جائے۔ اگر اپنے نفس پر قابو رکھ سکتا ہو تو متکبر کے ساتھ تکبر سے پیش آئے، مگر ہر آدمی اس کا اہل نہیں ہوتا۔

استغناء باطنی یہ ہے کہ اپنے مرشد کے سواء کسی دوسرے کو اپنا شیخ نہ بنائے، طریقت کے مشرک اور بے وفا لوگوں کی پیش کش ٹھکرا دے۔ اللہ کریم جل شانہ کے سواء کسی سے سوال نہ کرے۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ فقیر کو ایک منیر نامی دوست نے اپنا خواب سنایا کہ انہیں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ ایک اور آدمی بھی پاس بیٹھا تھا۔ اس آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے اسے تھپکی دی۔ منیر صاحب نے بھی عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر پھینک دیا۔ دوسرے آدمی نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے اسے تھپکی دی۔ منیر صاحب نے بھی دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر پھینک دیا۔ منیر صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس آدمی کو تھپکی دیتے ہیں اور مجھے اٹھا کر پھینکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی اور بات ہے۔

ایسی کیفیت والے فقیر پر اپنے مرشد اور نبی کریم ﷺ کا ادب پہلے سے بھی زیادہ لازم ہو جاتا ہے جنہوں نے اسے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ اگر خدانخواستہ دماغ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے اعتنائی کا معمولی شائبہ بھی آ گیا تو ایمان جل جائے گا۔

وہ جہنم میں گیا جوان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

جب آپ کو اپنے شیخ نے ایک اللہ جل شانہ تک پہنچا دیا تو پھر کسی دوسرے پیر کا سوالی بن کر اپنی منزل سے نہ گر۔ کوئی دوسرا تجھے اس سے آگے کہاں پہنچائے گا؟ بڑے سے بڑے کامل نے بھی خدا تک ہی پہنچانا ہوتا ہے، توکل اور استغناء ہی سکھانا ہوتا ہے۔ تو پھر کیا اس کے بعد کسی تیسرے کو تلاش کرو گے؟ اس طرح محض وقت ضائع ہوگا اور سزا میں بھی آ جاؤ گے۔

یہاں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ استغناء کا تعلق توکل سے ہے اور اس پر قائم رہنا استقامت ہے۔ یہاں حدیث پڑھیے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاس ﷺ قَالَ کُنتُ خَلفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ یوماً ، فَقَالَ یَا غُلَامُ ، اِحْفَظِ اللّٰهَ یَحْفَظْکَ ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدهُ تُجَاهَکَ ، وَاِذَا سَأَلتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ ، وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ، وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلیٰ اَنْ یَنفَعُوکَ بِشَیٔ لَمْ یَنفَعُوکَ اِلَّا بِشَیٔ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ لَکَ ، وَلَوِاجْتَمَعُوا عَلیٰ اَنْ یَضُرُّوکَ بِشَیٔ لَمْ یَضُرُّوکَ اِلَّا بِشَیٔ قَدْ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْکَ ، رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کی حضوری میں رہ تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب سوال کر تو اللہ سے سوال کر، جب مدد مانگ تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تیرا فائدہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تیرا کچھ فائدہ نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر سارے لوگ تیرا نقصان کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تیرا کچھ نقصان نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے،

قلم ہٹالیا گیا ہے اور لکھائی خشک ہو چکی ہے (ترمذی حدیث:۲۵۱۶)۔

5۔ بیعتِ طریقت کرنے والے کے لیے نکتۂ خاص

اگر طریقت والے کو تین چیزوں پر عمل کرنے کی توفیق مل جائے تو یہ اللہ کریم کا خاص کرم ہوگا۔ ان میں سے پہلی چیز خدمت ہے۔ انسان کو اپنے رب سے دور کرنے والی سب سے بڑی آفت تکبر ہے۔ دولت، حسن، خاندانی غرور اور علم وعمل سب چیزیں تکبر پیدا کرتی ہیں اور تکبر کا علاج محض کمر جھکانے، ہاتھ جوڑنے اور جی جی کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ بلا امتیاز ہر کسی کی خدمت کی جائے۔ مرشد کی خدمت، استاد کی خدمت، ماں باپ کی خدمت، پیر بھائی کی خدمت، ہر انسان کی خدمت، ہر مخلوق کی خدمت، اپنے پرائے کی خدمت، حضرت عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَلتَّوَاضُعُ تَرْکُ التَّمْيِيْزِ فِی الْخِدْمَةِ یعنی عاجزی یہ ہے کہ بلاتمیز ہر کسی کی خدمت کی جائے (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۸۵)۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ خدمت درجہ بدرجہ ہونی چاہیے۔ گر حفظِ مراتب نکنی زندیقی۔

یہ نکتا پا لیا جس نے کہ اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰه
کسی بھی شے کی خدمت سے وہ اکتایا نہیں کرتا
بھلے کتا بھلے بلی بھلے مکھی بھلے کا فر
خدا اِن سب کی خدمت کو کبھی ضائع نہیں کرتا

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا لقب ہی خادم الرسول ہے۔ آپ مسلسل دس سال آپ ﷺ کی خدمت کرتے رہے (بخاری حدیث:۶۰۳۸، مسلم حدیث:۶۰۱۲)۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی تھی کہ وہ محبوب کریم ﷺ کے نعلین مقدس، لاٹھی، لوٹا اور جائے نماز سنبھالے رکھتے تھے۔ کسی مجلس میں حبیب کریم ﷺ تشریف فرما ہوتے تو آپ نعلین مبارک سنبھال لیتے تھے اور جب آپ ﷺ محفل سے اٹھتے تو نعلین مبارک پہنا دیتے تھے۔ آپکا لقب صاحب النعلین، صاحب الوسادۃ وصاحب المطہرہ تھا (بخاری حدیث:۳۷۴۲)۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ کا لقب صاحبِ عصا، صاحب ردا، صاحبِ راحلہ،

صاحبِ مسواک، صاحبِ میضاۃ اور صاحبِ نعلین تھا (مسندِ امام اعظم صفحہ ۱۸۴)۔

ایک مرتبہ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو وضو کرایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ربیعہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ فرمایا اس کے علاوہ کوئی حاجت ہے؟ عرض کیا یہی ہے۔ فرمایا نفل پڑھ کر اپنے حق میں میری مدد کرو (مسلم حدیث: ۱۰۹۴)۔

ایک حدیث میں ہے کہ سید المرسلین رؤف رحیم ﷺ ایک مرتبہ طہارت خانے سے ہو کر باہر تشریف لائے تو آگے صحابہ کرام کھڑے تھے۔ وضو کا برتن پانی سے بھرا رکھا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ پانی کس نے بھرا ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ عبداللہ بن عباس نے بھرا ہے۔ آپ نے فرمایا: **اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ** یعنی اے اللہ ابنِ عباس کو کتاب وحکمت کا علم عطا فرما (بخاری حدیث: ۷۵، ۳۸۵۶)۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخیوں کی صفیں بنائی جارہی ہوں گی۔ انکے پاس سے ایک جنتی آدمی گزرے گا۔ دوزخیوں میں سے ایک آدمی بولے گا اے فلاں! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ میں نے آپ کو پانی پلایا تھا۔ دوسرا کہے گا میں نے آپکو وضو کرایا تھا۔ وہ جنتی ان دونوں کی شفاعت کرے گا اور انہیں جنت میں داخل کردے گا (ابن ماجہ حدیث: ۳۶۸۵)۔

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **ادب المرید فی التزام حرمات المشائخ و خدمۃ الاخوان و الخروج من الاسباب و حفظ ادب الشرع فی نفسہ** یعنی مرید کا ادب اس چیز میں ہے کہ: اپنے مشائخ کی حرمت اور احترام کو لازم پکڑے، اور پیر بھائیوں کی خدمت میں لگا رہے، اور اسبابِ دنیا سے نکل جائے، اور اپنے نفس پر شریعت کے ادب کو لازم قرار دے (نفحات الانس صفحہ ۲۴۲)۔

صاحبِ طریقت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے پاس آنے والوں کو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کا بھیجا ہوا سمجھے اور اسی نسبت سے اس کا احترام کرے۔ لنگر پانی اور ہر خدمت کے لیے کمر بستہ رہے اور آنے والوں سے پوچھے میرے لیے کیا حکم ہے؟

ایک مرتبہ فقیر راقم الحروف اپنے پیر بھائی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ

اپنے مرشد خانے درگاہ مشوری شریف میں حاضر ہوا۔ گرمی کا موسم تھا، سہ پہر چار بجے کا وقت تھا۔ لنگر ہو چکا تھا۔ شہزادہ حضرت قبلہ سائیں منظور احمد مشوری دامت برکاتہم القدسیہ نے ہم سے کھانا پوچھا۔ ہم نے عرض کیا حضور ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ لنگر شریف کا بچا ہوا کوئی ٹکڑا پڑا ہو تو عنایت فرما دیں۔ دست بستہ گزارش ہے کہ تازہ کھانا نہ بنوائیں۔ سائیں نے لنگر شریف کا ایک ٹکڑا لا کر چھابے میں ہمارے سامنے رکھ دیا جس پر چٹنی رکھی تھی۔ خدا گواہ ہے ہمیں لنگر کے اس ٹکڑے پر بڑا ناز ہے۔ ہم لنگر کھا رہے تھے اور سائیں ہمیں چوری چوری پنکھا جھل رہے تھے۔ ہم درگاہ مشوری شریف پر بھوکے کیوں گئے؟ ہم نے تازہ کھانا مانگنے کی بجائے بچا ہوا لنگر کیوں مانگا؟ سائیں نے ہمیں پنکھا کیوں جھلا؟ ہم نے پنکھا جھلنے سے منع کیوں نہ کیا؟ ہر بات میں فقراء کے لیے سبق موجود ہے۔

خدمت کے بعد دوسری اہم چیز اخفاء ہے۔ اخفاء کا معنی ہے چھپانا اور پوشیدہ رکھنا۔ مطلب یہ ہے کہ صاحبِ طریقت اپنی تمام عبادات اور خدمات کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے۔ یہی دراصل اخلاص کی روح ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق یعنی تہجد، ذکر، تلاوت سب چھپ چھپا کر کیا جائے اور کبھی بھولے سے بھی اس کا اظہار بلکہ اشارۃً بھی اظہار نہ ہونے پائے۔

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ یعنی ایمان والے اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں (البقرۃ: ۱۶۵)۔ محبوب سے راز و نیاز دوسروں کو نہیں بتائے جاتے۔

نیز فرماتا ہے: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یعنی فرما دیجیے، بے شک میری نماز اور میرا حج وقربانی (سب عبادات) اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا (انعام: ۱۶۲)۔

پھر لوگوں کی خدمت بھی اسی طرح کی جائے کہ دائیں ہاتھ سے دیں تو بائیں کو خبر نہ ہو۔ کبھی کسی کو احسان نہ جتلائیں بلکہ اگر آپ کو کسی کی خدمت کا موقع ملا ہے تو اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا کریں اور اس انسان کے بھی شکر گزار ہوں جس نے خدمت کرنے کا موقع دیا ہے۔

مسجد، مدرسہ، خانقاہ، لنگر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے اسکا اعلان و تشہیر ہرگز نہ کی جائے۔

اخلاص کی تعریف یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت ارادۃً اس طرح کی جائے

کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے سواء اور کوئی غرض نہ ہو مثلاً مخلوق میں سے کسی کی خاطر تصنع اور بناوٹ کرنا، لوگوں سے مدح اور تعریف کی خواہش کرنا یا کوئی اور ایسا خیال ذہن میں لانا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کریم سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا: سِرٌّ مِنْ سِرِّیْ اَسْتَوْدِعُهٗ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُهٗ مِنْ عِبَادِیْ یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں اس شخص کے دل میں رکھ دیتا ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں (رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۴۳)۔

محدثین نے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے مگر اس کے الفاظ حقیقت پر مبنی ہیں اور خصوصاً امام قشیری جیسے محدث کا اسے بیان کرنا ہمارے لیے اس حدیث کو نقل کرنے کا سبب بنا۔

حضرت مکحول علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ چالیس دن تک اخلاص سے عمل کرتا رہے گا اسکے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ ابن عدی نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے (ابن عدی رقم: ۱۴۵۷، رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۴۴، احیاء العلوم صفحہ ۱۸۴۰ مرفوعاً)۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اخلاص کی تین نشانیاں ہیں اول یہ کہ صاحبِ اخلاص کے لیے لوگوں کی تعریف اور مذمت یکساں ہو، دوم یہ ہے کہ وہ اعمال اس طرح کرے کہ اعمال کے مشاہدے سے بے نیاز ہو جائے، سوم وہ اس بات کا طلب گار نہ ہو کہ آخرت میں اسے اس کے اعمال کا اجر ملے گا (عوارف المعارف صفحہ ۲۲۰)۔

اخفاء و اخلاص کے بعد تیسری اہم چیز صبر ہے۔ اللہ کریم کے فیصلے پر صبر اور لوگوں کی طرف سے ظلم و ستم اور زیادتی پر صبر۔

طریقت والوں پر اللہ کریم کی طرف سے دکھ، بیماری، غربت، موت سب اس کی بندہ نوازی کے مختلف انداز ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ یعنی ہم تمہیں ضرور بضرور آزمائیں گے خوف اور بھوک اور مالی اور جانی اور پھلوں کے نقصان کے ذریعے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو (البقرۃ: ۱۵۵)۔ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ ابْتَلاهُ اللّٰهُ فِي جَسَدِهِ أَوْ فِي مَالِهِ أَوْ فِي وَلَدِهِ ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِي سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى (مسند احمد حدیث:۲۲۴۰۱،ابوداؤد حدیث:۳۰۹۰)۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن مہدی سلمی اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے،فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک جب اللہ کی طرف سے کسی بندے کے لیے ایک منزل مقرر ہو جاتی ہے جس تک وہ اپنے عمل کے ذریعے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ اسے جسمانی یا مالی یا اولاد کے امتحان میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اسے اس پر صبر بھی عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ اسے اس منزل تک پہنچا دیتا ہے جو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے ہو چکی ہوتی ہے۔

بندوں کے مظالم پر صبر بھی دراصل اللہ کریم ہی کی تقدیر پر صبر ہے اور یہی اللہ کی مخلوق پر شفقت بھی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ: وہ مسلمان جو لوگوں کے اندر رہ کر گزارا کرتا ہے اور انکی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، ایسا شخص بہتر ہے اس مسلمان سے جو لوگوں کے درمیان نہیں رہتا اور انکی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا (ترمذی حدیث:۲۵۰۷)۔

ایک روز امیر المومنین حسین بن علی رضی اللہ عنہما چار سو صحابہ کے ساتھ اس شان سے باہر تشریف لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک سر پر تھی اور اپنے والدِ گرامی کی ذوالفقار کمر میں لٹک رہی تھی اور اس ہجوم میں ایسے نمایاں تھے جیسے تاروں میں چاند روشن ہو۔ ایک اعرابی آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ صحابہ نے کہا امیر المومنین حسین بن علی رضی اللہ عنہما۔ پھر اس اعرابی نے آپ سے عرض کیا کہ کیا تم ابو طالب کے پوتے ہو فرمایا: ہاں۔ کہنے لگا کہ تمہارے باپ بڑے خون ریز اور فتنہ انگیز آدمی تھے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسے مارنے اور ادب سکھانے کا ارادہ کیا۔ حضور نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ پھر اس سے پوچھا کہ اے وجیہِ عرب ہم تجھے بڑا دل برداشتہ اور غضب ناک دیکھتے ہیں۔ اگر بھوکے ہو تو تمہیں روٹی دیں۔ اگر جنگل کی خشکی کا کچھ اثر تم پر ہے تو ہم علاج کرا

دیں۔اگر قرضہ دار ہو تو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں اور اگر تمہاری بیوی تم سے لڑ بیٹھی ہے تو صلح کرا دیں اور اگر کوئی اور کام ہے تو کہو کہ ہم تمہاری مدد اور اعانت کریں۔اعرابی نے شرمندہ ہو کر آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا۔معافی مانگی اور چلا گیا۔حضرت امیر نے صحابہ سے فرمایا کہ ہم بہت بلند اور بہت بڑے پہاڑ ہیں، مخالف ہواؤں سے کب جھک سکتے ہیں۔

دریائے فراواں نہ شود تیرہ بہ سنگ   عارف کہ برنجد تنک آبست ہنوز

ترجمہ: بڑا دریا کالے پتھر سے کالا نہیں ہوتا۔جو عارف رنجیدہ ہو جاتا ہے وہ ابھی تھوڑے پانی کی طرح ہے۔

ایک قلندر جس کا نام ترابی تھا اس نے حضرت مخدوم نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر انہیں خنجر سے پندرہ سترہ زخم کر دیے۔حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے اس کے ظلم کو برداشت فرمایا اور اسے فرمایا کہ میرے حجرے میں جا کر چھپ جاؤ ورنہ لوگ تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔اس نے ایسا ہی کیا۔لوگوں نے قلندر کو بہت تلاش کیا مگر ڈھونڈ نہ سکے۔آدھی رات ہوئی تو حضرت مخدوم قدس سرہ نے اس قلندر سے فرمایا کہ اگر اپنی خیریت اور زندگی چاہتے ہو تو اسی وقت دہلی سے چلے جاؤ۔وہ وہاں سے بھاگ کر ایسی جگہ چلا گیا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو سکی۔آپ کے کسی عقیدت مند نے آپ کو خط لکھا کہ آپ کو لوگوں کے اتنے ظلم برداشت نہیں کرنے چاہییں۔آپ ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم خود ان سے بدلہ لیں۔آپ نے جواباً فرمایا:

چوں حوالتہائے ایں ضربت زِ جائے دیگرست
ننگم آید گر بگویم کز فلاں رنجیدہ ام

ترجمہ:۔ان زخموں کا لگنا کسی اور کی مشیت سے ہے، مجھے یہ کہتے وقت شرم آتی ہے کہ میں فلاں آدمی سے رنجیدہ ہوں (سبع سنابل صفحہ ۶۴)۔

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: میں سکندر آباد کی جامع مسجد میں تھا۔ایک قلندر وہاں نماز پڑھ رہا تھا۔اسکے پاس دو بغیر سلے تہبند تھے۔جس میں سے ایک کو نیچے باندھ کر، ستر پوشی کر رکھی تھی اور دوسرے کو چار تہہ کر کے قبلہ کی طرف ڈال رکھا تھا اور اس پر نماز ادا کر رہا

تھا۔سر پر ٹوپی اور دستار تھی مگر باقی بدن برہنہ تھا۔ایک طالب علم اس سے سختی سے الجھ پڑا کہ اس ملحد، گمراہ، بے خبر، بے علم اور جاہل وسخت دل کو دیکھو کہ اپنا بدن تو برہنہ کیے ہوئے ہے مگر کپڑا پیروں کے نیچے ڈالے نماز پڑھ رہا ہے، کتنی بے ادبی کی بات ہے۔اس لڑکے نے اسی قسم کی بدزبانی اور تہمت تراشی کی۔

اس قلندر نے وہ تہبند اپنے پیروں کے نیچے سے نکالا۔اپنے گلے میں ڈال کر گرہ لگائی اور اپنے بدن کو چھپا کر پھر نماز میں مصروف ہو گیا۔مگر اس میں کوئی تبدیلی اور فرق ظاہر نہ ہوا۔طالب علم کو اپنے کہے ہوئے پر بڑی شرمندگی ہوئی اور جب وہ قلندر نماز سے فارغ ہوا تو اس نے معذرت کی اور کہا کہ میں نے بہت برا کیا کہ آپ سے غیر مناسب باتیں کہہ دیں مجھے معاف فرما دیجیے اور دل برا نہ کیجیے۔قلندر نے کہا کہ اے غریب نواز ان باتوں سے وہ دل بگاڑے جو کسی پیر ومرشد کا پرورش کیا ہوا نہ ہو۔تم نے مجھے نصیحت کی اور شرعی مسئلہ بتایا۔اللہ تمہیں بہت جزا دے (سبع سنابل صفحہ ۶۸)۔

شیخ المشائخ حضرت میاں محمد بقا شاہ شہید علیہ الرحمۃ تبلیغی دورے پر اپنے مریدوں کے پاس جا رہے تھے کہ سفر کے دوران چند ڈاکوؤں نے اچانک آپ پر حملہ کر دیا جس سے آپ شدید زخمی ہوئے۔ جب آپ زخمی ہو کر گرے تو ڈاکوؤں نے آپ کی صورت دیکھ کر پہچان لیا۔فوراً پشیمان ہو کر معافی کے طلب گار ہوئے اور آپ نے ڈاکوؤں کو معاف کر دیا۔یہی لٹیرے آپ کو ایک چارپائی پر لٹا کر آپ کے مکان پر لائے۔آپ کے چاروں صاحبزادوں نے جو آپ کو اس حالت میں دیکھا تو انہیں لٹیروں پر بڑا غصہ آیا۔لیکن قبل اس کے کہ لٹیروں کو کچھ نقصان پہنچے آپ نے فرزندوں سے فرمایا: میری وصیت غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔

میرے یہ قاتل جو یہاں موجود ہیں۔ میں نے ان کو اپنا خون معاف کر دیا۔ بحیثیت والد تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم بھی انہیں معاف کر دو۔ان سے انتقام لینے کی کوشش ترک کر دو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھ کو جنت عطا کی تو بخدا میں ان کو ساتھ لیے بغیر جنت میں نہ جاؤں گا۔اس لیے کہ یہی میری شہادت کا سبب بنے ہیں۔انہوں نے بے خبری میں مجھے زخمی کیا ہے۔ نیز یہ اپنی اس حرکت پر نادم اور پشیمان بھی ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ میری بے گناہ شہادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میری اولاد پر بھی رحم وکرم فرمائے گا اور انہیں دنیا وآخرت میں اپنے انعامات سے سرخرو کرے گا (ملفوظات شریف پیر سائیں روضے دھنی صفحہ ۳۹۲،۳۹۳)۔

ہمارے مرشد کریم حضرت قطب الاقطاب پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ الاقدس کی موجودگی میں ہمارے ایک پیر بھائی نے سرائیکی زبان میں یہ کلام پڑھا:

دشمن گول مریساں مشوری والے سائیں دا

یعنی میں اپنے مرشد کریم کے دشمن کو ڈھونڈ کر ماروں گا۔ آپ نے اسے کلام پڑھنے سے روک دیا اور فرمایا: بیٹا میرا دنیا میں کوئی بھی ذاتی دشمن نہیں، یہ کلام آئندہ مت پڑھنا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ادھم قدس سرہ ایک جنگ میں چلے جا رہے تھے کہ ایک سوار آپ کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ آبادی کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: قبرستان میں۔ سوار کو غصہ آیا اور آپ کے سر مبارک پر ایک لکڑی ماری تو وہ ٹوٹ گئی پھر آپ کو پکڑ کر شہر میں لایا۔ لوگوں نے کہا کہ اے بیوقوف یہ تو ابراہیم ادھم ہیں۔ وہ سوار گھوڑے سے اترا، آپ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ مجھے معاف کر دیجیے۔ فرمایا: میں نے معاف کیا بلکہ تو نے جب میرے سر پر وہ لکڑی ماری تھی میں نے تجھے دعا دی تھی۔ آپ کے مریدوں نے پوچھا کہ آپ نے دعا کیوں کی؟ فرمایا: اس لیے کہ معاف کرنے سے اس کی بدولت مجھے ثواب ملے۔ لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ میرا نصیب اس کی نسبت اچھا ہو اور اس کا نصیب میری نسبت برا ہو (سبع سنابل صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹)۔

آپ ان تینوں نکات پر دوبارہ نظر کیجیے۔ خدمت، اخفاء اور صبر۔ خدمت کی ''خ'' اخفاء کی ''الف'' اور صبر کی ''ص'' کو جمع کریں تو ''خاص'' بنتا ہے۔ اور طریقت والوں کے لیے یہ نکتہ واقعی خاص ہے۔

حصہ سوم

اولیاء کی تعلیمات کا خلاصہ

اور

وصیت نامے

حبیبِ کریم حضرت محمد ﷺ کے ارشادات

حضورمحبوب نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاکَ یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (بخاری حدیث:۵۰، مسلم حدیث:۹۳)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ أَوْ يَا غُلَيِّمُ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِنَّ فَقُلْتُ بَلَى فَقَالَ احْفَظْ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظْ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوا أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيرًا وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے نوجوان! میں تجھے کچھ باتیں سمجھاؤں جن کے ذریعے اللہ تجھے فائدہ پہنچائے؟ انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ، فرمایا: اللہ کی طرف متوجہ رہ، تو اسے اپنے سامنے پائے گا، آسانی کے دنوں میں اللہ کو پہچان، وہ تجھے شدت کے دنوں میں پہچانے گا، جان لو کہ جو کچھ تجھ سے چھوٹ گیا وہ تیرے نصیب میں ہی نہ تھا، اور جو کچھ تجھے مل چکا وہ تجھ سے چھوٹ نہیں سکتا تھا، اور جان لے مدد صبر کے ساتھ ہے، اور کشائش کرب ومصیبت کے ساتھ ہے، اور آسانی مشکل کے ساتھ ہے (مسندِ احمد حدیث نمبر۲۸۰۷)۔

عَنْ فَضَالَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ یعنی حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بڑا مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت کے لیے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا (شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر۱۱۱۲۳)۔

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابوالانبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے۔سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو انہی کی طرف منسوب کرنا پسند فرمایا ہے فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً الایۃ یعنی پھر جب سورج کو جگمگاتا دیکھا (الانعام:۷۸)، فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً یعنی پس تم پیروی کرو دینِ ابراہیم کی جو ہر باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل رہتے تھے (آل عمران:۹۵)، هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ یعنی اس اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا (الحج:۷۸)، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً یعنی اے ہمارے رب اور ان میں ایک عظمت والا رسول بھیج انہی میں سے (البقرۃ:۱۲۹)، وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ یعنی اور یاد کیجیے جب اٹھاتے تھے ابراہیم خانہ کعبہ کی بنیادیں (البقرۃ:۱۲۷)، وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى یعنی اور حکم دیا کہ مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو (البقرۃ:۱۲۵)، قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيمَ یعنی ہم نے فرمایا اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا (الانبیاء:۶۹)۔

یہ تمام آیات آپ ہی سے متعلق ہیں۔درودِ ابراہیمی آپ ہی کے اسمِ گرامی سے موسوم ہے۔آپ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں۔صوفیاء کے لیے آپ کی زندگی ایک عظیم مشعلِ راہ ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نمرود نے جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو آپ کا آخری قول یہ تھا: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ یعنی میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر وکیل ہے (بخاری حدیث:۴۵۶۴)۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر آگ میں ڈالنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام سامنے آ گئے، اور فرمایا: اے ابراہیم! کوئی حاجت ہو تو فرمائیں، آپ نے فرمایا: مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں، سیدنا جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب سے دعا کیجیے کہ آپ کو بچالے، آپ نے فرمایا: حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ یعنی میرے دعا کرنے کی بجائے میرے بارے میں اللہ کا علم میرے

لیے کافی ہے (بغوی ۳/ ۱٦۷)۔ اسی موقع پر اللہ کریم جل شانہ نے فرمایا: قُلْنَا یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَی إِبْرَاهِیمَ (الانبیاء: ٦۹)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت ھاجَرَ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لیا اور ان دونوں کو بیت اللہ کے پاس ایک گھنے درخت کے نیچے بٹھا دیا، وہ درخت اس جگہ تھا جہاں زمزم ہے، ان دِنوں مکہ میں آبادی نہیں تھی اور نہ وہاں پانی تھا، حضرت ابراہیم نے ان کو وہاں بٹھا دیا اور ان کے پاس ایک تھیلا رکھ دیا جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشک رکھ دی جس میں پانی تھا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پیٹھ پھیر کر روانہ ہوئے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں ان کے پیچھے گئیں، کہا: اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اور ہم کو ایسی وادی میں چھوڑ رہے ہیں جس میں کوئی انسان ہے نہ کوئی اور چیز۔ حضرت ھاجَرَ نے یہ بات کئی مرتبہ کہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، پھر حضرت ھاجَرَ نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: ہاں! حضرت ھاجَرَ نے کہا: تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں خراب نہیں کرے گا، پھر وہ لوٹ گئیں۔ حضرت ابراہیم روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب وہ ثنیہ پہاڑی پر پہنچے جہاں سے لوگ ان کو نہیں دیکھ رہے تھے تو انہوں نے بیت اللہ کی طرف اپنا چہرہ کیا، پھر انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے: رَبَّنَا إِنِّی أَسْكَنتُ مِنْ ذُرِّيَّتِی بِوَادٍ غَيْرِ ذِی زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِی إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ یعنی اے ہمارے رب بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جو بنجر ہے، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب اس لیے کہ یہ نماز قائم رکھیں، تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور انہیں کچھ پھلوں کا رزق دے تاکہ وہ شکر ادا کریں (ابراہیم: ۳۷)۔

حضرت اسماعیل کی ماں حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی تھیں اور مشک سے پانی پیتی تھیں، حتیٰ کہ جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو وہ بھی پیاسی رہیں اور ان کا بیٹا بھی پیاسا رہا، وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھ رہی تھیں جو پیاس کی شدت سے مضطرب ہو رہا تھا، وہ زمین پر بل کھا رہا تھا، وہ اس کی طرف

دیکھنے سے آزردگی کی وجہ سے وہاں سے ہٹ گئیں، انہوں نے دیکھا کہ ان کے نزدیک ترین صفا پہاڑ ہے وہ اس پر کھڑی ہوگئیں، پھر وہ وادی کی طرف منہ کر کے دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی انسان دکھائی دے، سوانہوں نے کسی کو نہیں دیکھا، پھر وہ صفا پہاڑ سے اتریں، حتیٰ کہ جب وہ وادی پر پہنچیں تو انہوں نے اپنی قمیض کے دامن کو قدرے اٹھایا تا کہ اس سے نہ الجھیں۔ پھر پوری قوت کے ساتھ دوڑیں حتیٰ کہ وادی سے نکل گئیں، پھر مروہ پہاڑ پر آئیں، پھر اس پر کھڑی ہوگئیں اور دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آئے، انہیں کوئی نظر نہیں آیا، پس انہوں نے اسی طرح سات بار کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی کی اتباع میں لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑتے ہیں۔ ساتویں بار جب انہوں نے مروہ پر چڑھ کر جھانکا تو انہوں نے ایک آواز سنی: انہوں نے اپنے آپ سے کہا خاموش، انہوں نے پھر دوبارہ آواز سنی تو کہا: اے آواز دینے والے تم نے اپنی آواز سنادی، اگر تمہارے پاس کوئی مدد ہے تو مدد کر، اچانک جس جگہ زمزم ہے وہاں ایک فرشتہ تھا اس نے اپنی ایڑی سے گڑھا بنایا، یا اس نے اپنے پر سے گڑھا بنایا حتیٰ کہ پانی نکل آیا۔ وہ اس پانی کو جمع کرنے لگیں اور اپنے ہاتھ سے اس کو حوض کی شکل دینے لگیں اور چلّو سے پانی لے کر اس کو اپنی مشک میں ڈالنے لگیں اور چلّو سے پانی لینے کے بعد وہاں چشمہ ابل پڑا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل کی ماں پر رحم فرمائے اگر وہ اس کو یوں ہی چھوڑ دیتیں تو وہ بہتا ہوا چشمہ ہوتا یا فرمایا اگر وہ پانی کے چلو نہ بھرتیں تو زمزم بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔ انہوں نے پانی پیا اور اپنے بچہ کو دودھ پلایا، ان سے فرشتہ نے کہا: آپ لوگ اپنے ضائع ہونے کا خوف نہ کریں کیونکہ اس جگہ یہ لڑکا اور اس کا والد بیت اللہ بنائیں گے اور بے شک اللہ اپنے خاص بندوں کو ضائع نہیں کرتا اور بیت اللہ کی جگہ ٹیلہ کی طرح زمین سے بلند تھی، سیلاب اس کے دائیں اور بائیں سے زمین کاٹ کر لے جاتا تھا، یوں ہی وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ وہاں سے جرہم کا قافلہ گزرا۔ وہ مقام کداء کے راستے سے آرہے تھے، پھر وہ مکہ کے نشیب میں اتر کر ٹھہرے، انہوں نے چند پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ پرندے پانی کے گرد چکر لگا رہے ہیں، ہم اس وادی میں پہلے بھی ٹھہرے تھے اور اس وقت یہاں پر بالکل پانی نہیں تھا، انہوں نے اپنا ایک آدمی یا دو آدمی بھیجے تو انہوں نے واقعی وہاں پانی دیکھا وہ واپس آئے اور ان کو

پانی کی خبر دی، پھر وہ لوگ وہاں آئے اور حضرت اسماعیل کی ماں پانی کے پاس بیٹھی تھیں، تو انہوں نے پوچھا: کیا آپ اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے پاس ٹھہر جائیں، انہوں نے کہا: ہاں! لیکن تم اس پانی کے مالک نہیں بنو گے، انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

حضرت اسماعیل کو ماحول میسر آ گیا اور حضرت ھاجرؔ بھی انسانوں کا قرب پسند کرتی تھیں، پس قبیلہ جرہم کے لوگ وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنے باقی خاندان والوں کو بھی بلا لیا، پس وہ بھی وہاں ٹھہر گئے حتیٰ کہ وہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے اور حضرت اسماعیل جوان ہو گئے اور انہوں نے ان سے عربی زبان سیکھ لی، حضرت اسماعیل جب جوان ہوئے تو تمام جرہم والوں سے زیادہ حسین اور خوب صورت تھے، ان لوگوں نے اپنی ایک عورت کی ان سے شادی کر دی، حضرت اسماعیل کی والدہ فوت ہو گئیں۔ حضرت اسماعیل کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چھوڑے ہوئے لوگوں کو دیکھنے کے لیے آئے، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہیں تھے۔ آپ نے ان کی بیوی سے ان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا وہ ہماری روزی کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں، پھر حضرت ابراہیم نے ان سے ان کی معاشی حالت اور گزارے کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا: ہم بری حالت میں ہیں اور کہا ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں اور ان سے شکایت کی، حضرت ابراہیم نے کہا: جب تمہارا خاوند آ جائے تو ان کو میرا سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو تبدیل کر لیں، جب حضرت اسماعیل آئے تو انہوں نے کوئی مانوس خوشبو محسوس کی، پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا، ان کی بیوی نے کہا ہمارے پاس اس طرح اس طرح کے ایک بزرگ آئے تھے، انہوں نے ہم سے آپ کے متعلق سوال کیا، تو میں نے ان کو بتایا اور انہوں نے مجھ سے پوچھا تمہارے معاشی حالات کیسے ہیں تو میں نے ان کو بتایا کہ ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں، حضرت اسماعیل نے پوچھا: کیا انہوں نے تمہیں کوئی اور وصیت کی؟ اس نے کہا: انہوں نے آپ کو سلام کہنے کے لیے کہا اور یہ کہا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل لیں، حضرت اسماعیل نے کہا: وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم کو الگ کر دوں، تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، پھر حضرت اسماعیل نے اس کو طلاق دے دی اور بنو جرہم کی ایک دوسری لڑکی سے شادی کر لی، پھر جب تک اللہ کو منظور ہوا حضرت ابراہیم رکے رہے،

پھر انکے پاس دوبارہ گئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ پایا، پس وہ ان کی بیوی کے پاس گئے اور انکی بیوی سے حضرت اسماعیل کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا وہ ہماری روزی کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم نے پوچھا: تم لوگوں کا کیا حال ہے؟ اور ان کی معاشی حالت اور گزارے کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا: ہم بہت اچھے حال اور کشادگی میں ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی بہت حمد وثناء کی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انکے کھانے کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا: ہم گوشت کھاتے ہیں، حضرت ابراہیم نے انکے مشروب کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا: ہم پانی پیتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! انکے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دنوں ان کے ہاں اناج اور غلہ نہیں ہوتا تھا، اور اگر ان کے ہاں اناج ہوتا تو آپ اس کے لیے بھی دعا فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف گوشت اور پانی پر زندگی گزارنا مکہ مکرمہ کے علاوہ اور کسی جگہ کے موافق نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم نے اس سے فرمایا: جب تمہارا شوہر آئے تو ان کو میرا سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو قائم رکھیں، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی شخص آیا تھا؟ تو ان کی بیوی نے کہا: ایک خوبصورت بزرگ آئے تھے اور اس نے ان کی تعریف کی، انہوں نے آپ کے متعلق پوچھا تو میں نے ان کو بتادیا، انہوں نے پوچھا: تمہاری زندگی کیسی گزر رہی ہے تو میں نے ان کو بتایا کہ ہم بہت اچھے حال میں ہیں۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا: کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت کی؟ اس نے کہا: ہاں! انہوں نے آپ کو سلام کیا تھا اور آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔ حضرت اسماعیل نے فرمایا: وہ میرے والد ہیں اور تم دروازہ کی چوکھٹ ہو، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے نکاح میں برقرار رکھوں، پھر جتنا عرصہ اللہ کو منظور ہوا اتنا عرصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے دور ٹھہرے رہے۔ پھر حضرت ابراہیم اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک گھنے درخت کے نیچے اپنا تیر درست کر رہے تھے، جب حضرت اسماعیل نے حضرت ابراہیم کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور جس طرح باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے ملتا ہے اسی طرح وہ دونوں ایک دوسرے سے ملے، حضرت ابراہیم نے کہا: اے اسماعیل! بے

شک اللہ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: آپ کے رب نے جو آپ کو حکم دیا ہے، آپ اس کام کو کیجیے، حضرت ابراہیم نے پوچھا: تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسماعیل نے کہا: میں آپ کی مدد کروں گا، حضرت ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں یہاں پر ایک گھر بناؤں اور انہوں نے ایک بلند ٹیلہ اور اس کے ارد گرد کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں بلند کیں، حضرت اسماعیل پتھر لے کر آتے تھے اور حضرت ابراہیم تعمیر کرتے تھے حتیٰ کہ جب اس کی دیواریں بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیل اس پتھر کو لے کر آئے اور اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم تعمیر کرنے لگے، حضرت اسماعیل انہیں پتھر لا لا کر دیتے تھے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے تھے: **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** اے ہمارے رب! اس کو ہم سے قبول فرما، بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے (البقرہ: ۱۲۷)۔ وہ دونوں تعمیر کرتے رہے حتیٰ کہ اس کے گرد طواف کرنے لگے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے رہے: **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** اے ہمارے رب! اس کو ہم سے قبول فرما! بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے (البقرہ: ۱۲۷)۔

(بخاری حدیث نمبر: ۳۳۶۴)

خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے ارشادات

امام الامۃ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کی کرامات اور تصوف کے موضوع پر باریک ارشادات مشہور ہیں۔ آپ کو صدیق کا لقب اللہ کریم جل شانہ کی طرف سے عطا ہوا۔ صدیقین اپنے محبوب کی ہر بات کو بلا تاخیر قبول کرتے ہیں اور کبھی کسی عجیب سے عجیب بات پر حیران نہیں ہوتے۔ حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی بیل پر سوار تھا، وہ بیل پیچھے پلٹ کر کہنے لگا: میں سواری کے لیے نہیں بلکہ کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، فرمایا: بیل کے بول سکنے پر میں بھی ایمان لایا اور ابوبکر و عمر بھی ایمان لائے۔ ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا تو گڈریے نے اسے بچا لیا، بھیڑیا بولا: اسے قیامت کے قریب مجھ سے کون بچائے گا جبکہ اس دن میرے سوا کوئی گڈریا نہیں ہوگا، بھیڑیے کے بول

سکنے پر میں بھی ایمان لایا اور ابوبکر وعمر بھی ایمان لائے، اس وقت سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پاس نہیں تھے (بخاری حدیث نمبر: ۲۳۲۴)۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں اپنے گھر کے صحن میں مسجد تعمیر فرمائی تھی جس میں آپ نماز پڑھتے تھے۔ اس میں آپ روتے ہوئے قرآن پڑھتے تھے، مشرکین مکہ کی عورتیں اور بچے کھچے چلے آتے اور آپ پر گر پڑتے تھے، صدیق اکبر کی تلاوت انہیں حیران کر دیتی اور وہ انہیں دیکھتے رہ جاتے تھے، قریش کے سردار چیخ اٹھے بَدَا لِأَبِی بَکْرٍ فَابْتَنیٰ مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِہٖ وَکَانَ یُصَلِّی فِیهِ وَیَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَیَنْقَذِفُ عَلَیْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِکِینَ وَأَبْنَاؤُهُمْ وَهُمْ یَعْجَبُونَ مِنْهُ وَیَنْظُرُونَ إِلَیْهِ وَکَانَ أَبُو بَکْرٍ رَجُلًا بَکَّاءً لَا یَمْلِکُ عَیْنَیْهِ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ وَأَفْزَعَ ذَلِکَ أَشْرَافَ قُرَیْشٍ (بخاری حدیث: ۳۹۰۵)۔

آپ فرماتے ہیں: میں قرآن کی ان تین آیتوں میں مشغول رہا ہوں۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلاَ کَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلاَ رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی دکھ پہنچائے تو اسے اس کے سواء کوئی ہٹا نہیں سکتا، اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا (یونس: ۱۰۷)۔

اس آیت سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر اللہ مجھ سے بھلائی کرنا چاہے گا تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ مجھے دکھ دینا چاہے گا تو اس کے سواء کوئی دوسرا اسے دور بھی نہیں کر سکتا۔

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا (البقرۃ: ۱۵۲)۔

چنانچہ میں ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگ گیا اور باقی تمام اشیاء کی یاد کو چھوڑ دیا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا یعنی زمین میں جو چلنے پھرنے والا جانور ہے اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے (ھود: ۶)۔ خدا کی قسم جب سے اس آیت کو پڑھا ہے میں روزی کمانے کے ارادے سے کبھی کہیں نہیں گیا۔

آپ نے فرمایا: اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ یعنی اللہ کی پہچان سے عاجز آ جانا پہچان ہے (رسائل ابن عربی صفحہ ۱۹۳، کتاب اللمع صفحہ ۱۹۹)۔

آپ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ ابْسُطْ لِیَ الدُّنْیَا وَ اَزْھِدْنِیْ فِیْھَا یعنی اے اللہ میرے لیے دنیا کھول دے اور مجھے اس سے بے رغبت کر دے (کشف المحجوب صفحہ ۶۸)۔

امام المجاہدین فی اللہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

صحابہ کرام آپ سے ورع سیکھتے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد پوری امت کی روحانی تربیت کرنے میں آپ کی نظیر نہیں ملتی بلکہ آپ نے پوری امت کو روحانی فیض سے لبریز کر دیا تھا۔ سید المرسلین رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنویں میں سے پانی نکال رہا ہوں، میرے بعد ابو بکر نے ایک دو ڈول مشکل سے نکالے اللہ اس کی مغفرت کرے، پھر عمر بن خطاب آ گئے، ان کے ہاتھ میں آتے ہی ڈول بڑا ہو گیا، میں نے کبھی کسی شیر جوان کو اس قدر ہمت دکھاتے نہیں دیکھا جس طرح عمر نے مظاہرہ کیا حتی کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے اور ہٹ کر بیٹھ گئے ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِیًّا یَفْرِی فَرِیَّهُ حَتّٰی رَوِیَ النَّاسُ وَضَرَبُوا بِعَطَنٍ (بخاری حدیث: ۳۶۸۲)۔

فرماتے ہیں: رَحِمَ اللّٰهُ عَبْداً رَفَعَ اِلَیَّ عُیُوْبِی یعنی اللہ اس شخص پر رحم کرے جو مجھے میرے عیب بتائے (کتاب اللمع صفحہ ۲۰۰، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۱)۔

نیز فرمایا: اگر قیامت نہ ہوتی تو دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا (کتاب اللمع صفحہ ۲۰۰)۔

سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ انہوں نے حضور کریم ﷺ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ محراب کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے۔ ایک عورت تھال میں کچھ کھجوریں لے کر آئی اور وہ کھجوریں نبی کریم ﷺ کے سامنے رکھ دی گئیں۔ آپ ﷺ نے ان میں سے ایک کھجور پکڑی اور فرمایا اے علی یہ کھجور کھاؤ گے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک بڑھایا اور کھجور میرے منہ میں رکھ دی۔ پھر دوسری کھجور پکڑی اور مجھے اسی طرح فرمایا میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے دوسری کھجور بھی میرے منہ میں رکھ دی۔ یہاں میری آنکھ کھل گئی۔ میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شوق مجھے تڑپا رہا تھا اور کھجور کی مٹھاس میرے منہ میں تھی۔ میں نے وضو کیا اور مسجد کو چلا گیا۔ میں نے عمر کے پیچھے نماز پڑھی۔

وہ محراب کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ میں نے چاہا کہ انہیں اپنا خواب سناؤں۔ مگر میرے بولنے سے پہلے ایک عورت آ گئی اور مسجد کے دروازے پر کھڑی ہوگئی۔ اس کے پاس کھجوروں کا تھال تھا۔ وہ تھال عمر کے سامنے رکھ دیا گیا۔ عمر نے ایک کھجور پکڑی اور فرمایا اے علی یہ کھجور کھاؤ گے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ انہوں نے کھجور میرے منہ میں رکھ دی۔ پھر دوسری کھجور پکڑی اور اسی طرح فرمایا میں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر باقی کھجوریں اصحاب رسول ﷺ میں تقسیم کر دی گئیں۔ میں چاہتا تھا کہ مجھے مزید کھجور ملے۔ عمر نے فرمایا اے میرے بھائی اگر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اس سے زیادہ کھجوریں دی ہوتیں تو ہم بھی آپ کو زیادہ دے دیتے۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے کہا جو کچھ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے اللہ نے آپ کو اسکی اطلاع دے دی۔ عمر نے فرمایا اے علی مومن دین کے نور سے دیکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا اے امیر المومنین آپ نے سچ فرمایا۔ میں نے اسی طرح خواب میں دیکھا ہے اور میں نے آپکے ہاتھ سے وہی ذائقہ اور لذت پائی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے دستِ اقدس سے ذائقہ اور لذت محسوس کی تھی (الریاض النضرۃ جلد ا صفحہ ۳۳۱، ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۱۶۸۔۱۶۹)۔

امام الوفاء والحیاء سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی کہ بلوائیوں کے خلاف کارروائی کرنے دی جائے، چونکہ آپ ہمارے سچے امام ہیں لہٰذا ہم آپ کی اجازت کے بغیر تلوار اٹھانا جائز نہیں سمجھتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: يَا ابْنَ اَخِىْ اِرْجِعْ وَ اِجْلِسْ فِىْ بَيْتِكَ حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِىْ اِهْرَاقِ الدِّمَاءِ یعنی اے بھتیجے! واپس تشریف لے جائیں اور گھر میں آرام کریں، حتیٰ کہ اللہ نے جو فیصلہ کرنا ہے ہو جائے، ہمیں خون بہانے سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ علامت خاص تسلیم و رضا کی تھی۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا اور انہوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی پیشکش کو قبول کرنے کی بجائے رضائے الٰہی کو قبول کیا اسی طرح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی پیشکش کو

قبول کرنے کی بجائے رضائے الٰہی کو قبول کیا، فرق صرف یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچا لیا گیا جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے، جان کا ہدیہ پیش کرنے، امورِ رضا کو تسلیم کرنے اور عبادات میں اخلاص کے بارے میں مشائخ طریقت کے پیشواء ہیں، اور آپ حقیقت اور شریعت میں امامِ حق ہیں (کشف المحجوب صفحہ ۷۱)۔

ایک بار حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اپنے باغ سے ایندھن کا گٹھا خود اٹھا کر لائے حالانکہ ان کے پاس کئی غلام تھے۔ کسی نے ان سے کہا: آپ نے اپنے کسی غلام کو کیوں نہ اٹھانے کو کہا؟ جواب دیا: میں کسی غلام کو بھی کہہ سکتا تھا، مگر میں یہ آزمانا چاہتا تھا کہ آیا ایسا کر سکتا ہوں کہ نہیں، یا میرا نفس اسے پسند کرتا ہے کہ نہیں (کتاب اللمع صفحہ ۲۰۳)۔

امام الواصلین الی اللہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

ایک مرتبہ کسی خارجی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عثمان (غنی) کی شان کیا ہے؟ آپ نے انکے محاسن بیان فرمائے اور فرمایا: شاید تمہیں عثمان کی شان بری لگی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کہ علی (المرتضیٰ) کی شان کیا ہے؟ آپ نے انکے محاسن بیان فرمائے اور فرمایا: وہ دیکھو علی کا گھر نبی کے گھروں کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا شاید تمہیں علی کی شان بری لگی ہے؟ اس نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا اللہ تمہاری ناک رگڑے، جاؤ میرا جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ عَنْ عُثْمَانَ فَذَكَرَ عَنْ مَحَاسِنِ عَمَلِهِ قَالَ لَعَلَّ ذَاكَ يَسُوءُكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَرْغَمَ اللّٰهُ بِأَنْفِكَ ثُمَّ سَأَلَهُ عَنْ عَلِيٍّ فَذَكَرَ مَحَاسِنَ عَمَلِهِ قَالَ هُوَ ذَاكَ بَيْتُهُ أَوْسَطُ بُيُوتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَعَلَّ ذَاكَ يَسُوءُكَ قَالَ أَجَلْ قَالَ فَأَرْغَمَ اللّٰهُ بِأَنْفِكَ انْطَلِقْ فَاجْهَدْ عَلَيَّ جَهْدَكَ (بخاری: ۳۷۰۴)۔

فرماتے ہیں: اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنی گفتار کو ذکر بنا لیا، خاموشی کو فکر بنایا، نگاہ کو عبرت بنایا، حرکت کو عبادت بنایا اور لوگ اسکی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔ (اللمع صفحہ ۲۰۹)۔ نیز فرمایا: اپنے اہل وعیال میں مصروف رہنا تیرا سب سے بڑا مشغلہ نہ بن جائے، اگر تیرے اہل وعیال اللہ کے ولیوں میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو ضائع نہیں کرتا، اور اگر وہ اللہ

کے دشمن ہیں تو اللہ کے دشمنوں سے تجھے کیا غرض (کشف المحجوب صفحہ۲۷)۔

آپ فرماتے ہیں: کامل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے، اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی رخصت نہ دے اور قرآن سے بے رغبت ہو کر کسی دوسرے کام میں نہ لگ جائے (طبقات امام شعرانی صفحہ۸۰)۔

آپ نے دنیا کو مخاطب کر کے فرمایا: اے دنیا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے، میں نے تجھے تین طلاقیں دے رکھی ہیں تیری عمر تھوڑی ہے، تیری ہم نشینی حقیر ہے، اور تیرا خطرہ بہت عظیم ہے، افسوس زادِ راہ قلیل سفر طویل اور راستہ پر خطر ہے (طبقات امام شعرانی صفحہ۸۱)۔

آپ نے فرمایا: لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عارف وہ ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والوں سے پختہ محبت کرتا ہو۔ ایک دفعہ آپ سے کہا گیا اے امیر المومنین! کیا ہم آپ کا پہرہ نہ دیں؟ فرمایا: کسی بھی شخص کا پہرے دار اس کی موت کا وقت ہے۔ نیز فرمایا: زیادہ عمل کرنے کی بجائے اپنے اعمال کی قبولیت کا زیادہ اہتمام کرو کیونکہ تقوی کے ہوتے ہوئے کوئی عمل قلیل نہیں اور مقبول عمل قلیل کیونکر ہو سکتا ہے (طبقاتِ امام شعرانی صفحہ۷۹)۔

صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے ارشادات

(۱)۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قیلولہ کرنا سنت ہے، اس سے تہجد پڑھنے میں مدد ملتی ہے جیسا کہ سحری کا کھانا دن کے روزے میں مدد دیتا ہے (احیاء العلوم صفحہ۴۲۰)۔

(۲)۔ حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شریعت اور طریقت دونوں میں رقص کا کوئی ثبوت نہیں، مشائخ میں سے کسی ایک نے بھی اسے پسند نہیں کیا، ناممکن ہے کہ مردِ کامل ایسی حرکت کرے "محال باشد کہ افضل مردمان آں کنند" (کشف المحجوب صفحہ۴۷۶)۔

(۳)۔ حضرت شیخ المشائخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صاحبِ حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقامِ عبودیت میں ہو اور ہر ایک واقع کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے اور تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے۔ جسے یہ حاصل ہے وہ جہان کا بادشاہ ہے، بلکہ جہان کا بادشاہ اس کا محتاج ہے۔

(۴)۔ حضرت شیخ الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تصوف کی

ماہیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اپنے اوپر آسائش کا دروازہ بند کردو۔ پھر زانوئے محبت کے بل بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے یہ کام کرلیا تو سمجھو کہ بس تصوف کے عالم ہو گئے (اسرارِ حقیقی مکتوب نمبرا)۔

(۵)۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صوفی بننے کے لیے مقربین کے احوال سے آگہی کافی نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ مقربین جیسا صاحبِ حال بھی بنا جائے (عوارف المعارف صفحہ ۱۵۸)۔

(۶)۔ حضرت شیخ المشائخ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری میت کو قبرستان لیکر چلو تو یہ رباعی پڑھتے جانا:

مفلسانم آمدہ در کوئے تو — شیئاً للہ از جمالِ روئے تو

دست بکشا جانب زنبیلِ ما — آفریں بردست و بر بازوئے تو

ترجمہ: ہم غریب تیرے کوچے میں آنکلے ہیں۔ اللہ کے نام پر اپنے چہرے کے حسن سے کچھ خیرات دو۔ ہمارے بھیک مانگنے والے تھیلے کی طرف ہاتھ بڑھاؤ۔ تیرے ہاتھ اور تیرے بازو پر شاباش اور آفرین ہے۔

(۷)۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب طریقت کے راز کی باتیں کرنا چاہتے جو عام لوگوں کے سامنے نہیں کی جاتیں تو آپ فرقد سنجی اور مالک بن دینار اور اہلیت والوں کو بلا لیتے تھے، اپنا دروازہ بند کر دیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر اس موضوع پر باتیں کرتے تھے، اگر ہر بندہ ان باتوں کا اہل ہوتا تو آپ ایسا نہ کرتے۔ اسی طرح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ سے دو علم سیکھے ہیں، ایک وہ ہے جسے میں بیان کرتا ہوں اور دوسرا وہ ہے کہ اگر میں بیان کروں تو میری گردن کٹ جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ وَ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ کے بارے میں فرمایا کہ: اگر میں اسکی تفسیر بیان کروں تو تم لوگ مجھے سنگسار کردو اور کہو کہ یہ کافر ہے۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: آہ یہاں پر علوم بھرے پڑے ہیں، کاش مجھے کوئی سیکھنے والا ملتا۔ اور رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر تم لوگوں سے نماز اور روزے کی وجہ سے افضل نہیں ہوا بلکہ اس چیز کی وجہ سے آگے نکل گیا ہے جو اس کے سینے میں موجود ہے (رسائل ابن عربی صفحہ ۳۰ کتاب الفناء فی المشاہدہ)۔

(۸)۔ حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یاد رکھو کہ اخلاص میں سب سے زیادہ انتشار پیدا کرنے والی چیز نمائش ونمود ہے (سبع سنابل صفحہ ۲۳۸)۔

(۹)۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چند سال قبل فقیر کا طریقہ تھا کہ اگر کھانا پکاتا تھا تو اہل عباء کی ارواح پاک کو بخش دیا کرتا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ وحضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرات امامین رضی اللہ عنہما کو ملا لیتا تھا۔ ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں، فقیر نے سلام عرض کیا، مگر آپ ﷺ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور فقیر کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر فقیر کو فرمایا کہ میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں۔ جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو تو عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر میں بھیج دیا کرے۔ اس وقت فقیر پر واضح ہوا کہ حضور ﷺ کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس طعام میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہ کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ تمام ازواج مطہرات کو جو سب اہل بیت ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہل بیت کو اپنا وسیلہ بناتا تھا (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۳۶)۔

(۱۰)۔ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الانوار القدسیہ میں فرمایا: لَن یُفْلِحَ الْمُرِیْدُ عَلیٰ یَدِ شَیْخَیْنِ یعنی ایک مرید دو مرشدوں کے درمیان کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

(۱۱)۔ حضرت پیر سائیں روضے دھنی قدس سرہ نے فرمایا: ایک مرتبہ جبکہ آپ دریا کے اس طرف سفر میں تھے۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر دعوت قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے اسکی دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے فرمایا "تم نے ہماری ہدایت کے برخلاف ذکر الٰہی کو چھوڑ رکھا ہے اسلیے دعوت کی قبولیت بھی نہیں۔ کیونکہ تم لوگوں سے ہماری نسبت اللہ تعالٰی کے ذکر ہی کیوجہ سے ہے۔ جب تم لوگوں نے ذکر الٰہی چھوڑ دیا تو ہم سے تعلق بھی توڑ دیا" (ملفوظات شریف صفحہ ۶۴)۔

(۱۲)۔ مرشد کریم حضرت قطب الاقطاب پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ نے فرمایا: رب مسجود، راقم ساجدِ معبود، قلم اسکی بارگاہ میں سربسجود، کاغذ کی پیشانی اسکی عظمت کے اعتراف میں جھکی، معبود کی عبادت کی ادائیگی اور عابد کی سعادت کے حصول کے لیے جسم اور قلم کی زبان سے اسکی تعریف وتحمید میں رطب اللسان رہنا شریعت اور طریقت کا اولین اصول ہے (تبلیغ البشارہ صفحہ ا)۔

(۱۳)۔ حضرت قبلہ سائیں علی محمد عرف میاں سائیں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پانچ وقت نماز پڑھو، آٹھ روزہ نہ بنو (یعنی آٹھویں دن صرف جمعہ کا نمازی) چار تسبیح ذکر قادریہ نقشبندیہ روزانہ کرو، داڑھی نہ منڈواؤ، یہ میرے محبوب کی سنت ہے۔ سنت کے بغیر اللہ کی طرف راستہ نہیں ملے گا، یاد رکھو۔ نشہ نہیں کرو، اپنے پیر کی صورت کو پکاؤ اور مونچھوں پر تیل لگا کر سو جاؤ، اللہ کی قسم ساری رات بھر جاگنے والے تمہارے پیچھے ہوں گے اور تم ان سے آگے ہو گے (خطاب)۔

(۱۴)۔ حضرت سخی سائیں ''محمد'' المعروف بہ سائیں نالے مٹھا مشوری قدس سرہ نے فرمایا:

غلام رسول! کوئی کسی کا اچھا نہیں کرسکتا، جو کسی کا اچھا کرتا ہے وہ اپنا ہی اچھا کرتا ہے، اور کوئی کسی کا برا نہیں کرسکتا، جو کسی کا برا کرتا ہے وہ اپنا ہی برا کرتا ہے۔

(۱۵)۔ حضرت مولانا سائیں علی بخش چانڈیو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فقراء کا آپس میں ملنا اور ایک دوسرے کی صحبت اختیار کرنا بہت ضروری ہے، اس طرح طالبوں کے لیے راستے کھلتے ہیں، جن سے آگے کی منزل کی ہدایت ملتی ہے۔ صحبت کے بغیر فقیر کی مثال اس درخت کی سی ہے جسے پانی نہ دیا جائے اور وہ سوکھ جائے۔ اگر صحبت ملتی رہے تو طالب کا درخت پھلتا پھولتا رہتا ہے۔

نیز فرمایا: طالب کے لیے تصور شیخ سے بڑھ کر فیض پہنچانے والی کوئی چیز نہیں۔

(۱۶)۔ حضرت قبلہ سائیں امیر بخش جمالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نفس کو کچلنے کے لیے نفی اثبات کا ذکر کثرت سے کرو۔

(۱۷)۔ ایک مرتبہ فقیر راقم الحروف نے حضرت قبلہ محمد شفیع عرف سائیں شفّن رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ محبوب کو منانے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا: رونا

(۱۸)۔ حضرت قبلہ حافظ مختار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب چوٹ لگتی ہے تو زخم آتا ہے،

جب زخم آتا ہے تو درد ہوتا ہے، جب درد ہوتا ہے تو آہ نکلتی ہے، جب آہ نکلتی ہے تو وہ عرش کے پار جاتی ہے اور مقبول ہو جاتی ہے۔

چند مزید خاص خاص باتیں

(۱)۔ اخلاص یہ ہے کہ کوئی کام اجر حاصل کرنے کی نیت سے نہ کرو، دنیا کو آخرت پر اور آخرت کو خدا پر چھوڑ دو۔

(۲)۔ سچا عاشق وہ ہے کہ محبوب کی جفا سے اسکی محبت میں کمی نہ آئے اور محبوب کی مہربانیوں سے اسکی محبت میں اضافہ نہ ہو، اسلیے کہ محبت محبوب کی صفات سے نہیں بلکہ اسکی ذات سے کی جاتی ہے۔

(۳)۔ کسی بزرگ کی زیارت کو جاؤ تو ان میں اپنے ہی مرشد کو دیکھو، سوالات مت کرو، امتحان مت لو، اگر وہ پوچھیں کیسے آئے ہو تو کہو زیارت کو آیا ہوں، لیکن زیارت کا بتا کر پھر بعد میں دعا کے لیے کہنا، تعویز مانگنا، یا کوئی سوال کرنا وغیرہ اپنے کیے پر پانی پھیرنا ہے۔

(۴)۔ طریقت والوں کیلیے ضروری ہے کہ طریقت کی آڑ میں اجماع اور جمہور کے فیصلے کے خلاف کوئی عقیدہ نہ رکھیں، ظاہری شریعت کی مخالفت نہ کریں، شریعت کا نظم وضبط خراب نہ کریں اور شریعت کا حکم سامنے آتے ہی فوراً اسے تسلیم کرلیں۔ ایسے لوگ حضور نبی کریم ﷺ کو پسند ہیں۔

(۵)۔ خواب یا کشف کا مطلب اپنے مرشد سے یا پھر شریعت کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً اگر خواب میں حکم ملے کہ اپنا بیٹا ذبح کردو تو اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے۔ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے جبکہ ولی کے خواب میں شیطانی دخل کا امکان ہوتا ہے۔

(۶)۔ کرامت کی بجائے شریعت کی پابندی اور استقامت کی کوشش کرنی چاہیے۔ عملیات کے ماہرین عجیب عجیب شعبدے دکھا لیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ کرامت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ تقوے والا ہے (الحجرات: ۱۳)۔

وصایاہاشمیہ

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمت اللہ علیہ

حضرت مخدوم العلماء محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہٗ کا یہ وصیت نامہ حضرت علامہ ابوالسراج محمد طفیل احمد ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحفۃ الزائرین حصہ پنجم میں شائع فرمایا ہے۔ استاذ الاولیاء حضرت مولانا علی بخش صاحب چانڈیو قدس سرہٗ نے یہ وصیت نامہ فقیر کو عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس احسان پر اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ ہم اہل اسلام کے استفادہ کے لیے اس وصیت نامے کا ترجمہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ کریم اسے علماء، فقراء اور عوام کے لیے فائدہ مند بنائے اور حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے جزیل عطا فرمائے۔

وصایاہاشمیہ کا ترجمہ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو بلند و بالا ہے۔ اس نے ہمیں کیسی ہی بھرپور نعمتوں سے نوازا ہے، اور اپنے کرم کے عطیات سے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ صلوٰۃ وسلام ہو اس کے رسول مصطفیٰ پر جن کی شان میں وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى نازل ہوئی اور آپ کے صحابہ پر جو سعادت مند قائد ہیں اور اہلِ تقویٰ کے سردار ہیں۔ اما بعد

اے میرے دونوں کریم بیٹو تمہارا رب تم دونوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنے لطفِ شریف سے توفیق عطا فرمائے۔ میری مراد عبدالرحمٰن اور عبداللطیف ہیں اور اے مریدوں اور طالبوں میں سے محبت کرنے والے مہربان اور سمجھدار دوستو! میں تمہیں اللہ عزوجل کا ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، تقویٰ بڑی بلند چیز ہے اور تمام کمالات کا جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اولیاء اللہ کے سرداروں (یعنی صحابہ) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی یہی وصیت کی اور تمہیں بھی تقویٰ کی وصیت فرماتے ہیں۔

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور آخرت کے گھر کی طرف متوجہ رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور دنیا سے منہ پھیرنے اور ہر اس چیز سے منہ پھیرنے کی وصیت کرتا ہوں جسکی تعمیر میں، جمع

میں اور اسکی لذتوں سے لطف اندوز ہونے میں اور اسکی آرائش سے دھوکا کھانے میں لوگ مشغول رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مرتضی ﷺ سے فرمایا۔فرما دیجئے: دنیا کی دولت قلیل ہے اور تقوی والوں کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔اس حقیقت کو اِس شعر میں بخوبی سمجھا دیا گیا ہے۔

اَلنَّارُ آخِرُ دِيْنَارٍ نَطَّقْتَ بِهٖ وَالْهَمُّ آخِرُ هٰذَا الدِّرْهَمِ الْجَارِیُ

وَ الْمَرْءُ مَادَامَ مَعْشُوقاً بِحُبِّهَا مُعَذَّبُ الْقَلْبِ بَيْنَ الْهَمِّ وَالنَّارِ

ترجمہ: جو دینار تم نے کمر سے باندھ رکھے ہیں ان کا انجام آگ ہے، اور مروجہ درہم کا انجام غم ہے، اور آدمی جب تک دولت کا پجاری بنا رہتا ہے، اس کے دل کو درہم کے غم اور دولت کی آگ کا عذاب ہوتا رہتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

دنیا گذران مست بدرویشی به چون بیم حباب است غد پوشی به

چون رزق مقدار ست کم کوشی به چون گفته نویسند خاموشی به

ترجمہ: دنیا کو درویشی کی مستی میں گزارنا بہتر ہے، ہم دریا میں بلبلے کی طرح ہیں تو پھر سادہ لباس بہتر ہے۔جب رزق مقدر ہے، تو تھوڑی کوشش بہتر ہے، اور جب ہر بات کو اگلے لکھ لیتے ہیں تو خاموشی بہتر ہے۔

دنیا اور اسکی زینت کو کبھی حسین مت سمجھنا اس لیے کہ اسکا ظاہر سرسبز و شاداب ہے مگر اسکا باطن انسان کے لیے زہر ہے۔اسکی طرف صرف عبرت حاصل کرنے کے لیے دیکھو، کہ یہ کبھی کسی کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہی، بلکہ ہر کسی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے، خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ میں تمہیں قناعت کرنے اور دنیا کی خاطر پریشان نہ ہونے کی وصیت کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے رزق کا کفیل ہے کہ: زمین میں کوئی ایسا جاندار نہیں جسکا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہ ہو، لہٰذا اپنا دل بڑا کر، جو اللہ پہ توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہے۔بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک مقدار مقرر کر رکھی ہے۔

میں تمہیں اللہ العظیم الستار کی مسلسل نعمتوں کا صبح و شام شکر ادا کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، جو بھی نعمت تمہیں کسی واسطے سے ملے اسے اللہ کی طرف سے سمجھو اور اسکا ان نعمتوں پر

شکر ادا کرو جیسا کہ اسکی ذات کے شایانِ شان ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہیں جو بھی نعمت پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔

میں تمہیں ہمیشہ ہر گھڑی اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ شیطانی وسوسوں کو کاٹتا ہے اور دین کے دشمنوں کی شان و شوکت ختم کرتا ہے اور اللہ قوی و متین کی طرف سے اپنے بندے کو یاد رکھنے کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مامون میں فرمایا: تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، میرا شکر ادا کرو اور ناشکری مت کرو۔ قرآن عظیم جس کا نام ذکر بھی ہے اسکی تلاوت اختیار کرو۔ یہ اللہ العزیز العلیم کا کلام ہے اور اللہ کے کلام کی فضیلت دوسرے تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام انسانوں پر۔ پھر قرآن کے بعد سب سے افضل اللہ کا ذکر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ: تمام ذکروں سے افضل لا الا لہ اللہ ہے۔ پھر اس کے بعد اسم ذات میں مشغول ہونا ہے یعنی اللہ اللہ۔ یہ ذکروں کا سردار ہے۔ اور ذکر کا مقصود و منتہا یہی ہے۔ جب تمہارے قلب میں اس ذات کے سواء کوئی نہ رہے تو پھر یہی اسمِ اعظم ہے۔ اللہ کے ساتھ مشغولی کی کثرت کرو کہ یہ چیز گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ اور نبی مختار ﷺ پر درود پڑھو کہ یہ اس دنیا میں نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ کے ذکر میں ٹال مٹول، تاخیر اور وقتِ مقررہ سے آگے پیچھے ہونا زیب نہیں دیتا۔ یہ سب شیطانی اعمال ہیں۔ بیماری اور مصروفیت کا بہانہ مت کرو۔ صحت اور فرصت کا انتظار باطل ہے۔ یہ بہانہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

میں تمہیں اللہ کی بارگاہ میں ہر روز، ہر رات بلکہ ہر گھڑی تمام گناہوں سے توبہ استغفار کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ ارادہ مضبوط کرو اور گناہ کی طرف کبھی نہ پلٹو۔ ہمیشہ اپنے قصور کا اعتراف کرو تا کہ تمہاری طرف سے توبہ کی صداقت صحیح ہو جائے۔ جو شخص گناہ سے توبہ کرے مگر ابھی تک گناہ پر بضد ہو یا گناہ کی طرف لوٹنے کا عزم رکھتا ہو، اس کی کوئی توبہ نہیں ہے۔

میں تمہیں چھوٹے اور بڑے تمام گناہوں سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔ چھوٹے گناہوں کو حقیر سمجھ کر ان کا ارتکاب کبھی نہ کرنا۔ تھوڑا زہر بھی اسی طرح قاتل ہے جس طرح زیادہ

زہر قاتل ہوتا ہے۔قطرے قطرے سے بارش بنتی ہے۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے بارے میں اپنے دلوں کو بغض اور حسد، رنجش اور کھوٹ سے صاف رکھو اور مومنوں کے بارے میں بدگمانی اور ان کے سامنے تکبر سے بچو۔ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان لعین نے تکبر کیا تھا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے۔ وہ کیسے تکبر کر سکتا ہے جو ایک گرا ہوا نطفہ ہے اور جلد ہی اس نے ایک مردار اور گندگی بن جانا ہے۔ دنیا کی محبت سے بچ کے رہو، یہ ساری خطاؤں کی سردار ہے اور ہر گناہ اور مصیبت کی بنیاد ہے۔

میں تمہیں تمام عبادات میں ریا کاری کو ترک کرنے کی وصیت کرتا ہوں یہ سب سے بڑی مصیبت اور بلا ہے اور تمام اعمال اور طاعات کو برباد کر دیتی ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس عمومی مصیبت سے بچے ہوئے ہیں۔ بے شک شیطان انسانی جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان بلکہ ہر ایسی چیز سے اپنی زبان کی حفاظت کرو جو رحمان جل شانہ سے حجاب بنتی ہے۔ اپنی زبانوں کو قرآن کی تلاوت یا اللہ تعالیٰ کے ذکر یا مسلمانوں کی بھلائی یا نیکی کے حکم یا برائی سے ممانعت یا دنیا اور دین کی ضروریات کے علاوہ حرکت مت دو۔ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا پھر خاموش رہے، اس بات کو مضبوطی سے اور امانت کی طرح پکڑ لو۔

جہاں تک ہو سکے ہمیشہ باوضو رہو، اور نیند کے وقت تازہ وضو کرو۔ یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ تھوڑا کھاؤ۔ زیادہ کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور رحمٰن جل شانہ کی عبادت کرنے میں اعضاء کو بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ: تیسرا حصہ طعام کے لیے، تیسرا حصہ پانی کے لیے اور تیسرا حصہ سانس کے لیے۔

اے بھائیو! اللہ کے سواء ہر چیز سے منہ موڑ لو اور ہر اس عمل سے بچ جاؤ جو اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو، پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرو۔ قیام، تلاوت، رکوع، سجود اور تمام ارکانِ نماز کو بمع سنن و مستحبات کمالِ خشوع اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضورِ قلب اور عاجزی کے ساتھ ادا کرو۔ کہا

گیا ہے کہ اس کی عبادت اگر حضورِ قلب سے نہ کی جائے تو وہ محض رائیگاں ہے۔ نماز باجماعت کی پابندی کرو، اسے ترک کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ جماعت اور نماز واجب ہے اور یہ علمائے اعلام کے صحیح قول کے مطابق اسلام کے واجبات میں سے ہے۔ روزانہ چاشت کی نماز، تہجد اور اشراق کی نماز، تمام عبادات کرنا اور گناہوں اور شہوت سے نفس کو روکنا اور صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک کے دونوں وقتوں میں خوب اذکار کرنا تم پر لازم ہے۔ ان دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ دلوں پر امداد بہا دیتا ہے اور یہ رزقِ مرغوب کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ان دونوں وقتوں کو تسبیح، استغفار اور اذکار سے بھر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: صبح شام اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرو۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ کبھی بغض نہ رکھنا، کبھی لوگوں کو القاب نہ دینا، کبھی حسد نہ کرنا اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ سچا مرید کبھی جھوٹ نہیں بولتا، کبھی کسی کو نہیں ڈراتا، بخیل نہیں ہوتا، بزدل نہیں ہوتا، فحش نہیں ہوتا، گالیاں نہیں دیتا بلکہ اسکی عادت یہ ہوتی ہے کہ اگر مل جاتا ہے تو شکر کرتا ہے اور اگر نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے اگر ظلم کر بیٹھے تو توبہ استغفار کرتا ہے، اگر کوئی دوسرا اس پر ظلم کرے تو درگزر کرتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اذیت دینے والے کو اذیت نہیں دیتا، ظالم پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ اس کھجور کی طرح ہوتا ہے جسے لوگ پتھر مارتے ہیں اور وہ کھجوریں پھینکتی ہے۔ وہ زمین کی طرح ہوتا ہے جس پر ہر طرح کی گندگی پھینکی جاتی ہے مگر وہ جواب نہیں دیتی، بوجھ اٹھانا اور اسے چھپا لینا پسند کرتی ہے، ظاہر کرنا اور مشہوری پسند نہیں کرتی۔ کہا گیا ہے کہ: مرید اس وقت تک مرید نہیں ہوسکتا جب تک لوگوں سے بے نیاز ہو کر مولا سے نہ لگ جائے۔ اسکے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہیں۔ مرید وہ ہے جو حدود کی حفاظت کرے۔ وعدوں کی وفا کرے، جو موجود ہے اسی پر راضی رہے اور جو پاس نہیں اس پر صبر کرے۔ مرید وہ ہے جو نعمتوں پر شکر کرے اور بلاؤں پر صبر کرے، قضا پر راضی رہے، خوشی اور غم میں اپنے رب کی حمد کرے، تنہائی میں بھی اور سرِ محفل میں اسی کے لیے خالص رہے، اسکی زبان ہر وقت غیر متعلقہ بات سے خاموش رہے، اسکا دل اپنے رب کی اطاعت میں کمی پر غمگین رہے، دین میں مداہنت نہ کرے، رب العالمین کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی نہ کرتا پھرے، تنہائی اور انفراد کو پسند کرے، لوگوں سے

ملنے جلنے سے وحشت کھائے ،حمیدی رحمت اللہ علیہ نے جامع صحیحین میں فرمایا ہے۔شعر:

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيْدُ شَيْئاً　　سِوَى الْإِكْثَارِ مِنْ قِيْلٍ وَ قَالٍ

فَاَقْلِلْ مِنْ لِقَاءِ النَّاسِ اِلَّا　　لِاَخْذِ الْعِلْمِ اَوْ اِصْلَاحِ حَالٍ

ترجمہ: لوگوں سے ملاقات محض گپ شپ کے سواء کوئی فائدہ نہیں دیتی لوگوں سے ملنا کم کر دے،سوائے علم حاصل کرنے کے یا حال کی اصلاح کرنے کے۔

خوش بخت ہے وہ شخص جسکی ہمت اپنے مولا کی رضا کی طرف لگی ہوئی ہے اور اس کی حرص اور فہم اپنے رسول مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کی طرف ہے اور وہ اپنے تمام احوال میں انہی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور انہی کے اخلاق وافعال واقوال کو اپناتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جوتمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے تمہیں منع کرے اس سے باز رہو۔اے اللہ ہمیں ان تمام معاملات میں محبوب کی کمال متابعت عطا فرما،ہمیں اسی پر زندہ رکھ اور اسی پر موت دے آمین۔

میں تمہیں جاہل لوگوں میں سے تم پر ظلم کرنے والوں سے درگزر کرنے اور حلم و بردباری کی وصیت کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مدح فرمائی ہے کہ: غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

غصے سے بچو،غصہ شیطان کی طرف سے ہے،رحم کرنا تم پر لازم ہے،رحم رحمٰن جل اسمہ کی طرف سے ہے،اچھے اخلاق تم پر لازم ہیں،اس سے انسان روزے دار اور رات کو قیام کرنے والے کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔صاف گوئی سے کام لو اور لذتوں سے پرہیز کرو،خواہ حق حلال ہی کیوں نہ ہو۔بے شک اس کو ترک کرنے والے کو جنت کی بشارت دی جاتی ہے جس میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔عاجزی سے کام لو،یہ کامل ترین خصلت ہے۔راستوں میں بیٹھنے سے بچو، اس لیے کہ اس میں وبال ہے، ہمیشہ اچھے ساتھی کی صحبت میں بیٹھو،اس کی مثال ایسے ہے جس طرح کستوری اور عنبر والا ہو۔برے آدمی کی صحبت سے بچو،اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئلوں والا، مراتب کی پہچان کرو، بلند بھی اور پست بھی۔آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔سائے اور دھوپ کے درمیان مت بیٹھو اور ایسی جگہ پر نیند مت

کرو۔ حلقے کے درمیان مت بیٹھو۔ یہ جگہیں شیطان کے بیٹھنے کی ہیں۔ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض مت رہو، سوائے اللہ کے دین کی خاطر۔ جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ آخرت اور دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ سچائی کو اختیار کرو۔ جس نے سچ بولا نجات پا گیا۔ جھوٹ سے بچو۔ جس نے جھوٹ بولا وہ گرفت میں آ گیا۔ اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض کو اختیار کرو، یہ ایمان کا حصہ ہے۔ یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھو اور اذیت دینے والی چیز کو راستے سے ہٹا دو، یہ صدقہ ہے۔ گھروں میں نیند کے وقت آگ کو جلتا مت چھوڑو، یہ بھی صدقہ ہے۔ بادشاہوں کی مجلس سے بچو اور ان کے پاس مت جایا کرو، یہ فقراء کی بے عزتی ہے۔ علمی مسائل میں جلدی مت کرو، چھوٹوں پر رحم کرو، بڑوں کا احترام کرو، مظلوم کی مدد کرو۔ جب کوئی بازاری اور عامی آدمی تمہارے مقابلے پر آئے تو اس سے جھگڑا مت کرو، اس سے انسان کا رعب اور حشمت ختم ہوتی ہے۔ ان لوگوں میں سے ہو جاؤ کہ جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلام کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ زیادہ ہنسنے سے بچو، اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے، دین میں چاپلوسی سے بچو، اس سے رب ناراض ہوتا ہے۔ ہر نماز کے بعد کچھ دیر اذکار و اوراد میں مصروف رہو۔ ہر ماہ کچھ دنوں کے روزے رکھو۔ لوگوں کے عیب تلاش مت کرو بلکہ ان کی خوبیاں تلاش کرو۔ موت اور قیامت کو یاد کرو، قبروں کی زیارت کرو، اس سے بھلائی یاد رہتی ہے اور شراتیں بھول جاتی ہیں۔ نیکی کرنے میں جلدی کرو، اہل بدعت کے پاس بیٹھنے سے بچو، کسی سے لالچ مت رکھو۔ دل کو غمگین رکھو، یہ مومنوں کا سرمایہ ہے، لہٰذا یہ سرمایہ جمع کر لو۔

میں تمہیں اپنی بھلائی اور مومنوں کی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ میرا یہ کلام دین کے تمام پہلوؤں کے بارے میں برابر نہیں ہے، لہٰذا میں تمہیں ایسی وصیت کرتا ہوں جو ہر بھلائی کی جامع ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو جو مضبوط رسی ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پابندی کرو۔

پھر میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے اپنی پیاری دعاؤں میں یاد رکھنا، میری اس نصیحت کو قبول کرنا۔

اے اللہ ہمیں اپنے حسن کے دیدار کی لذت عطا فرما۔ اے اللہ ہمیں حق کو حق کر کے دکھا اور اسکے اتباع کی توفیق دے اور ہمیں باطل کو باطل کر کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔

اے اللہ ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے اور ہمیں صالحین کے ساتھ ملا دے، ہم پر سے ظالموں کا شر ہٹا دے اور ہمیں مومنوں کی دعاؤں میں شامل کر دے اور ہمیں غافلوں کی نیند سے بیدار کر دے، اور ہمیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما، اور ہمیں سلامتی اور امن کے ساتھ جنت میں داخل کر دے۔ اے اللہ! اے پوشیدہ لطف و کرم والے، اس چیز سے بچالے جس کا ہمیں ڈر ہے۔ اے اللہ! اے اپنا ارادہ پورا کرنے والے! ہمیں اپنے فضل سے وہ عطا فرما جو ہم مانگتے ہیں آمین، آمین، آمین

اِلٰھِیْ عَبْدُكَ الْعَاصِیْ اَتَاكَا　　مُقِرًّا بِالذُّنُوبِ وَقَدْ دَعَاكَا

فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ اَھْلٌ لِذَاكَا　　وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَن یَّرْحَمْ سِوَاكَا

تَجَاوَزْ عَنْ ضَعِیْفٍ قَدْ جَفَاكَا　　فَجَاءَ كَ تَائِباً یَرْجُو رِضَاكَا

ترجمہ: اے اللہ تیرا گناہ گار بندہ تیرے پاس حاضر ہوا ہے، گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے تجھے پکار رہا ہے، اگر تو بخش دے، تو تو اس کا اہل ہے، اور اگر تو دھتکار دے، تو تیرے سوا کون رحم کرے گا، اس کمزور سے درگزر فرما جس نے تیرے ساتھ بے وفائی کی، اب تیرے پاس توبہ کرتا ہوا آیا ہے، تیری رضا کا امیدوار ہے، اے نگہبان تیرے پاس نافرمان بالآخر پہنچ گیا ہے۔

الٰہی ہر آنکس کہ این خط نوشت　　عفو کن گناھش عطا کن بہشت

الٰہی تو آسان کنی مشکلات　　طفیلِ محمد علیہ الصلوٰۃ

اے اللہ جس شخص نے بھی اس خط کو لکھا، اس کے گناہ معاف کر دے اور بہشت عطا کر دے، الٰہی تو مشکلات کو آسان فرما اپنے حبیب محمد ﷺ کے طفیل۔

والحمد لله رب العالمين لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

وصلى الله على رسوله سيدنا محمد وآله واصحابه وسلم آمين آمين

☆......☆

مکتوب سلطان الہند

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے دلی محبّ ، میرے قلبی دوست ، میرے بھائی قطب الدین دہلوی اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں کی سعادت عطا فرمائے۔

بندۂ مسکین معین الدین کی طرف سے سلام مسنون کے بعد واضح ولائح ہو کہ جو اسرارِ الٰہی کے چند ایک نکات میں لکھ رہا ہوں یہ اپنے سچے مریدوں اور حق کے طالبوں کو سکھا دینا۔ تا کہ وہ غلطی میں نہ پڑیں۔

عزیز من! جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ہے وہ کبھی سوال یا خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ جس نے ابھی تک نہیں پہچانا وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرا یہ کہ حرص و ہوا کو ترک کرو۔ جس نے حرص و ہوا کو ترک کیا اس نے مقصود حاصل کر لیا۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے: وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ یعنی وہ شخص جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے (پارہ ۳۰ آیت ۴)۔

جس دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے پھیر دیا ہے اسے کثرتِ شہوات کے کفن میں لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا ہے۔

ایک روز سلطان العارفین خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے ایک رات اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ بایزید کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا جو تو چاہتا ہے، خطاب ہوا کہ اچھا جس طرح تو میرا ہے اسی طرح میں تیرا ہوں۔

ہر کہ گردن نہد رضا اورا   مرحق او را نگہبان باشد

ترجمہ:۔ جو شخص اسکی رضا میں گردن جھکا دیتا ہے تو حق تعالیٰ بطورِ خاص اسکا نگہبان ہو جاتا ہے۔

پس اگر تصوف کی ماہیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اپنے اوپر آسائش کا دروازہ بند

کر دو۔ پھر زانوئے محبت کے بل بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے یہ کام کر لیا تو سمجھو کہ بس تصوف کے عالم ہو گئے۔ طالبِ حق کو یہ بات جان و دل سے بجالانی چاہیے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے وہ شرِ شیطانی سے نجات پائے گا۔ اور دونوں جہان کی مرادیں حاصل کرے گا۔

ایک روز میرے شیخ کریم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: معین الدین! کیا تجھے معلوم ہے کہ صاحبِ حضور کسے کہتے ہیں؟ دیکھو صاحبِ حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقامِ عبودیت میں ہو اور ہر ایک واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے اور تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے۔ جسے یہ حاصل ہے وہ جہان کا بادشاہ ہے بلکہ جہان کا بادشاہ اس کا محتاج ہے۔

ایک روز میرے شیخ نے مجھے خطاب فرمایا: بعض درویش جو کہتے ہیں کہ جب طالب کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے گھبراہٹ نہیں رہتی، یہ غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کہتے ہیں کہ عبادت کرنا بھی اس کے لیے ضروری نہیں ہوتا، یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جناب سرورِ کائنات ﷺ ہمیشہ عبادت، بندگی اور عبودیت میں سربسجود رہے۔ باوجود کمالِ زندگی کے آخر یہ فرمایا کرتے تھے کہ **ما عبدناک حق عبادتک** (ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ عبادت کا حق تھا) یعنی کماحقہ تیری عبادت نہیں کر سکے، اور نہایت عاجزی سے وردِ زبان تھا **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ** یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کا بندہ اور بھیجا ہوا ہے۔

پس یقین جانو کہ جب عارف کمال کا درجہ حاصل کرتا ہے تو اس وقت کمال درجہ کی ریاضت جس سے مراد نماز ہے۔ نہایت صدقِ دل سے ادا کرتا ہے۔ اسی سے حضوری و آگاہی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اخص الخاص معراج یہی نماز ہے۔ جب کوئی شخص یہ جان لینے کے بعد صدق سے کام لیتا ہے تو اسے ایسی پیاس محسوس ہوتی ہے گویا اس نے آگ کے کئی پیالے پی رکھے ہوں۔ جوں جوں ایسے پیالے پیے گا پیاس غلبہ کرتی جائے گی۔ اس واسطے کہ جمالِ لامتناہی کی انتہا نہیں۔ اس وقت اس کا سکون بے سکونی اور آرام بے آرامی ہو جاتی ہے۔ تاوقتیکہ لقائے الٰہی سے مشرف نہ ہو جائے۔ والسلام

الوصیۃ

(حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا وصیت نامہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرا اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کا افضل ترین پیغام لا الہ الا اللہ ہے۔ کسی عمل کو حقیر سمجھ کے نہ چھوڑ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کرتے اور واجب قرار دیتے وقت حقیر نہیں جانا۔ اس نے ہر کام کا حکم کسی نہ کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا مرتبہ عظیم ہے اس کے باوجود اس نے تجھے احکام کا مکلّف ٹھہرایا ہے۔ گویا تو اس کے احکام کی رہائش گاہ ہے۔

نبی کریم ﷺ مزاح کی باتیں بھی فرماتے تھے لیکن حق کے سوا کچھ نہ بولتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اپنی زبان درازی کی وجہ سے ناک کے بل گرائے جائیں گے۔ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ کوئی چیز زبان سے زیادہ قید کی حقدار نہیں۔ اللہ تعالی نے اسے دو ہونٹوں اور پھر دانتوں کے ذریعے پابند کیا ہے، یہ پھر بھی دروازے توڑ دیتی ہے اور فضول بکنے لگتی ہے۔

مریضوں کی عیادت کیا کر۔ اس لئے کہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ اپنے بندے کے پاس ہوتا ہے۔ تم نے محسوس کیا ہوگا کہ مریض کو حالتِ مرض میں اللہ کے سواء کوئی مددگار نظر نہیں آتا۔ اور اللہ کو یاد کرنے کے سواء اسے کچھ سوجھتا نہیں۔ اس وقت وہ اپنے منہ سے حق سچ نکالتا ہے۔ اس کا دل اسی کی طرف جھکتا اور التجاء کرتا ہے۔ مریض ہمیشہ اللہ کے ساتھ اور اسی کی حضوری میں ہوتا ہے۔

مانگنے والے کو کھانا بھی کھلا اور پانی بھی پلا۔ مانگنے والا تجھے شانِ خداوندی عطا کر رہا ہے۔ وہ خدا جو اپنے بندوں کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ اللہ نے تجھے اپنے مال و دولت پر خلیفہ مقرر کر کے اس میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا سوالی کو خالی ہاتھ واپس نہ کر۔ اور کچھ نہیں تو اس سے ایک میٹھا بول ہی بول دے یا خندہ پیشانی سے پیش آ۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے جب کوئی سوالی سوال کرتا تو خیرات لے کر اسکی طرف بھاگ پڑتے اور فرماتے کہ میرا سامانِ سفر آخرت تک اٹھا کر لے جانے والے! خوش آمدید۔ خدا کی قسم خوش آمدید۔

لوگوں پر ظلم کرنے سے بچ۔ ظلم قیامت کے دن ظلمات ہوگا۔ بندوں پر ظلم سے مراد یہ ہے کہ تو ان کا وہ حق ادا نہ کرے جو اللہ نے تجھ پر واجب کیا ہے۔ کسی قسم کے سائل کو انکار نہ کر۔ بھوکا کھانے کا سوال کرے گا اور بھٹکا ہوا ہدایت کا سوال لے کر آئے گا۔

جب تو کسی عالم کو بے عمل دیکھے تو اسکے علم پر خود عمل کرنا شروع کردے تاکہ اُس علم کا حق ادا ہو اور وہ رائیگاں نہ جائے۔ اور اس عالم پر تنقید نہ کر۔ اس لئے کہ عالم کا درجہ اللہ کو ہی معلوم ہے۔ تجمل اختیار کر یہ ارشاد باری تعالی (خُذُوا زِيْنَتَكُمْ) کی وجہ سے بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ میرے جوتے اور میرے کپڑے خوبصورت ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سب سے زیادہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے سامنے بن سنور کر حاضر ہوا جائے۔

اللہ تجھ سے کچھ لے یا تجھے کچھ دے اس بارے میں گہری غور فکر سے کام لیا کر۔ جب وہ تجھ سے کچھ لیتا ہے تو اس لئے لیتا ہے کہ تو صبر کرے۔ اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس نے تجھ سے وہی معاملہ کیا جو ایک محبّ اپنے محبوب سے کرتا ہے۔ نیز جو بھی چیز تجھ سے چھن گئی اس کا عوض تجھے ضرور ملے گا۔ لیکن ایک اللہ کی ذات ایسی ہے جس کا عوض نہیں مل سکتا۔

لِكُلِّ شَيْءٍ اِذَا فَارَقْتَهُ عِوَضٌ
وَلَيْسَ لِلّٰهِ اِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٍ

ترجمہ:۔ تجھ سے جو چیز بھی چھن گئی اس کا عوض موجود ہے لیکن اگر اللہ روٹھ گیا تو اس کا عوض نہیں ہے۔

یہی معاملہ اس کی عطا کا بھی ہے۔ نقصان پر صبر بھی تو اسی کی عطا ہے۔ اب عطا پر تو شکر کرے گا تو یہ بھی اللہ کی طرف سے محبت کا اظہار ہے۔ اس لئے کہ وہ شکر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ یا رب! تیرے شکر کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے؟ فرمایا جب تو نعمت کو خاص میری جانب سے سمجھے تو یہی شکریئے کا حق ہے۔

اللہ کا سب سے بڑا حق ادا کر۔ یعنی کسی کو اس کا شریک نہ بنا۔ شرک خفی یہ ہے کہ

انسان ظاہری اسباب پر اعتماد کرے اور انکی طرف دل کو جھکائے رکھے۔ یہ چیز مومن کو سب سے زیادہ الجھاتی ہے۔ آیتِ کریمہ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُشْرِکُوْنَ سے یہی مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اسکا شریک نہ بنائیں۔ اس شرک میں شرکِ خفی اور شرکِ جلی دونوں شامل ہیں۔ شرکِ جلی سے تو انسان اسلام سے ہی نکل جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ جب بندے شرک نہ کریں تو ان کا حق اللہ پر کیا ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔

شرکِ خفی کا عذاب یہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ اسباب اسے فقر سے بچالیں گے۔ اب اسباب کی موجودگی میں اسے یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں اسباب چھن نہ جائیں۔ یہ ڈر ہی عذاب ہے۔ اگر اسباب چھن جائیں تو یہ چھن جانے کا غم اس کے لئے عذاب بنا رہتا ہے۔ اس طرح یہ عذاب دائمی طور پر جاری رہتا ہے۔ اگر لوگ اسباب کا شرک نہ کریں تو آرام میں رہیں اور اسباب کے چھن جانے سے الم وعذاب نہ پائیں۔

زمین پر بلندی کی خواہش مت کر۔ ایسی خواہش دراصل بادشاہی کی خواہش ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز قیامت کے دن حسرت وندامت کا باعث ہوگی۔ گمنامی اختیار کر۔ اللہ سے ذلیل ومسکین بن کر خشوع وخضوع کے ساتھ مانگ۔ جو شخص تیرے فائدے کے لئے تجھے نصیحت کرے اسے اللہ کا قاصد سمجھ اور اس پر اللہ کا شکر ادا کر۔ اس شخص کی طرح بن جس نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ اس کی طرح نہ بن جس نے علم تو سیکھا مگر عمل نہ کیا۔ عالم بے عمل ایسے ہی ہے جیسے چراغ۔ وہ لوگوں کو نور فراہم کرتا ہے مگر خود آگ میں جلتا ہے۔ اہل ایمان کو محبت فراہم کر۔ مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جس کا ایک عضو بیمار پڑتا ہے تو سارا جسم چیخ اٹھتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اچھے ساتھی کی مثال عطر والے کی سی ہے۔ اگر تجھ تک عطر نہ پہنچا تو اس کی خوشبو ضرور پہنچ جائے گی اور برے ہم نشین کی مثال کوئلوں کے دوکاندار کی سی ہے۔ اگر تجھ تک کوئلوں کے شعلے نہ پہنچیں تو ان کا دھواں ضرور پہنچ جائے گا۔

تو اپنے ماتحتوں پر اللہ کی حدود نافذ کر۔ تجھ سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

تیرا چھوٹے سے چھوٹا ماتحت تیرا اپنا نفس ہے۔اس پر اللہ کی حدود جاری کر۔اگر تیرے خیال میں اچھائی وارد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اچھائی سے رکنے کا خیال آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔اچھائی وہ ہے جسے شریعت نے اچھائی کہا ہو۔اور شر وہ ہے جسے شریعت نے شر کہا ہو۔ خیر وشر کی یہی پہچان ہے۔اب تجھے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ کی حدود نافذ کرنے کے لئے شریعت کا علم کتنا ضروری ہے۔

وضو اچھی طرح کیا کر۔خاص طور پر سردی کے موسم میں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطائیں معاف کردے اور درجات بلند کردے؟ وہ چیز دل نہ چاہنے کے باوجود وضو کرنا ہے۔ہر جمعے کو غسل ضرور کیا کر۔ہفتہ میں کم از کم ایک بار غسل کرنا بدن کی طہارت اور رب کی رضا کا موجب ہے۔یعنی یہ ایسا فعل ہے کہ اللہ نے اپنے بندے کو اس کا حکم دیا، بندے نے وہ کام کر دکھایا جسکے نتیجے میں اللہ اس سے راضی ہوا۔فرض نماز جماعت کے ساتھ پابندی سے ادا کر۔جماعت کا مقصد دراصل دین کو قائم کرنے کی خاطر اجتماع ہے۔تہجد کی کوشش کر۔رات کے پہلے حصے میں سوجا پھر جاگ کر تہجد پڑھ۔پھر سوجا پھر دوبارہ نماز کے لئے اٹھ جا اور صبح تک جاگتا رہ۔

ابن راہویہ نے یہاں تک کہا ہے کہ جس نے تین تسبیحات صحیح ادا نہ کیں اسکی نماز ہی نہیں ہوئی لہذا جہاں تک ہو سکے ایسا رویہ اختیار کر جس سے تمام بزرگوں کے اقوال پر عمل ہو سکے۔

جہادِ اکبر کو اپنے اوپر لازم کرلے۔جہادِ اکبر سے مراد اپنی خواہشات کے خلاف جہاد ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ یعنی ان کفار کو قتل کرو جو تمہارے مقابلے پر آئیں)۔اور تیرا نفس سب سے بڑا کافر ہے۔نفس اللہ کی نعمتوں کا کفر کرتا ہے۔جب تو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے گا تو یہی خالص جہادِ اکبر ہے۔اگر تو اس جہاد میں مارا گیا تو ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جو اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔انہیں رزق ملتا ہے اور وہ اللہ کے فضل وعطا پر خوش وخرم ہیں۔بندہ زندگی بھر جہادِ اکبر کرتا چلا جاتا ہے۔اس لئے کہ نفس ہمیشہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی پر بضد ہے اور سو فیصد خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔خواہشات کی یہ پیروی حق کے معاملے میں ارادہ اور دخل اندازی ہے۔اور یہ اللہ کی شان ہے کہ جس کام کا ارادہ کرے اسے کر ڈالے۔اس کے برعکس نفس کے خلاف جہاد کرنے والا انسان اپنی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ

چھوڑ دیتا ہے۔

تمام پڑوسیوں کے حقوق اچھی طرح ادا کر۔ جتنا قریب کا پڑوسی ہوگا اتنا ہی اسکا حق زیادہ ہوگا۔ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو حقیر مت سمجھ۔ اللہ نے کسی چیز کو پیدا کرتے وقت حقیر نہیں سمجھا۔ ہم نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک خنزیر کے پاس سے گزرے۔ آپ نے اسے حقارت سے نہیں دیکھا اور بڑے آرام سے گزر جانے کو کہا۔ اس پر لوگوں نے حیران ہو کر آپ سے اسکی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا میں اپنی زبان کو اچھے الفاظ کیلئے ہی استعمال کرنا چاہتا ہوں۔

شاعر کہتا ہے۔

اِنَّمَا النَّاسُ حَدِیْثٌ بَعْدَهُمْ   فَلْتَكُنْ خَيْرَ حَدِيْثٍ يُسْمَعُ

وَاِذَا شَاكَتْكَ مِنْهُمْ شَوْكَةٌ   فَلْتَكُنْ اَقْوىٰ مِجَنٍّ يَدْفَعُ

وَاِذَا مَاكُنْتَ فِيْهِمْ هٰكَذَا   اَنْتَ وَاللّٰهِ اِمَامٌ يَنْفَعُ

ترجمہ:

(۱)۔ لوگ چلے جاتے ہیں اور ان کی باتیں رہ جاتی ہیں۔ تو لوگوں کے لئے اچھی داستان چھوڑ کر جا۔

(۲)۔ اگر تجھے لوگوں سے کوئی تکلیف پہنچے تو ایک مضبوط ترین ڈھال کی طرح اپنی جان پر سہے جا۔

(۳)۔ اگر تو اس طریقے سے ان میں رہنے لگا تو پھر اللہ کی قسم تو ہی فیض یاب کرنے والا امام ہے۔

غرور اور شوخی سے بچ۔ اپنی تہبند یا شلوار کو ٹخنے سے اونچا یا آدھی پنڈلی تک رکھ۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مومن کا تہبند اس کی آدھی پنڈلی تک اونچا جا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مختصر کپڑے میں بقاء ہے یہی تقوی ہے اور اسی میں پاکیزگی ہے۔ سادگی اختیار کر۔ یہ ایمان کا حصہ ہے۔ سادگی دنیا میں عیش و عشرت سے بچنے کا نام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ سے ڈرو اور لباس سمیٹ کر رکھو۔ یہ حاجیوں اور اہلِ قیامت کی صفات میں سے ہے کہ ان کے بال بکھرے اور غبار آلود، پاؤں ننگے اور لباس مختصر ہے۔ اس چیز سے تکبر، عجب

،مغروری، شوخی اور ڈینگ مارنے کی نفی ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ چیزیں مومن کی فلاح میں رکاوٹ ڈالتی ہیں اور یہ رکاوٹ سادگی سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سادگی کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔

حیاء کو اختیار کر۔ خود اللہ بھی صاحبِ حیاء ہے۔ اللہ سے حیاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام اللہ کو پسند نہ ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔

لوگوں کو نصیحت کیا کر۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''دین نام ہی نصیحت کا ہے'' اللہ کے دین میں نصیحت کرنے والا وہ ہے جو لوگوں کی کامیابی اور سعادت کے راستے پر گامزن رہے۔ اس کام کے لئے زبردست علم، صحیح عقل و فکر، بہترین صواب دید اور معتدل مزاجی کی ضرورت ہے۔ ہر بندہ اس کا اہل نہیں ہوا کرتا۔

کھانے اور پینے کی طرح گفتگو کرنے میں بھی ورع اختیار کر۔ حرام اور شک وشبہ والی چیزوں سے بچنے کا نام ورع ہے۔ جلد بازی سے بچ۔ ہاں البتہ جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں جلدی کرنا درست ہے۔ جیسے نماز اول وقت میں پڑھنا، مہمان کی خدمت، میت کی تیاری، رشتہ ملتے ہی شادی کر لینا اور تمام اعمال جو آخرت کے لئے ہوں۔

رشتہ داروں سے اچھا سلوک کر۔ اللہ کے ہاں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ چیز ہمارا رشتہ اللہ سے جوڑتی ہے۔ جس نے رشتے کو جوڑا اللہ نے اس کو جوڑ دیا اور وصل نصیب کر دیا اور جس نے رشتے کو کاٹا اللہ نے اسے کاٹ ڈالا۔

جس طرح تو اللہ کا محتاج ہے اسی طرح اللہ سے محتاج ہو جا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنْکَ** اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

''اللہ سے محتاج'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تجھ سے خدائی کی بو تک نہ آئے بلکہ تو محض بندہ ہو کر رہ جائے۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اللہ میں بندگی کا شائبہ تک پایا جائے۔ وہ محض رب ہے اسی طرح تو محض بندہ ہے۔

پیٹ بھر کر کھانا مت کھا۔ اس سے عقل و ذہانت برباد ہو جاتی ہے۔ زندہ رہنے کے لیے کھا۔ اور اپنے رب کی اطاعت کے لیے زندہ رہ۔ کھانے کے لیے زندہ نہ رہ اور موٹا ہونے

کے لیے مت کھا۔

تو جس کی صحبت میں بیٹھے یا جو تیری صحبت میں بیٹھے، اس کے رتبے کے مطابق اس کا حق ادا کر۔ اللہ سے تو نے جو ربوبیت کا اقرار کر کے وعدہ کیا تھا اسے وفا کر کے اس کا حق ادا کر۔ رسولوں کی اقتداء کر کے ان کا حق ادا کر۔ طہارت اور پاکیزگی اختیار کر کے فرشتوں کا حق ادا کر۔ اسی کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی! کھانا نمکین چیز سے شروع کر اور نمکین پر ختم کر۔ نمک ستر بیماریوں کا علاج ہے۔ ان میں جنون، جذام، برص، دانتوں کا درد اور پیٹ کا درد شامل ہیں۔ اے علی! جب تو گھر میں داخل ہو تو یہ پڑھا کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ اَشْهَدُاَن لَّا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّداًعَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ

ترجمہ: ۔ اللہ کے نام سے اللہ کی ہمراہی میں داخل ہوتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اگر ایسا پڑھا جائے تو اللہ فرماتا ہے کہ میرا بندہ ذکر میں مصروف ہے جب کہ لوگ غافل ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد سے وصیت کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میرے بیٹے! دروازہ بند کر دے اور اسباب سے منہ موڑ لے۔ اور اس وہاب جل شانہ سے لو لگا لے۔ وہ براہِ راست تیرا ذمہ اٹھا لے گا۔ کسی اور نے عرض کیا۔ کون سا بھائی آپکو زیادہ پسند ہے۔ فرمایا۔ جو میری خطاء سے درگزر کرے، مجھے تنہا چھوڑ دے اور میری مدد قبول کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے وحی کی اور فرمایا۔ اس تنہا پرندے کی طرح بن جا۔ جو درختوں کی چوٹیوں سے کھاتا ہے، جھیلوں سے پانی پیتا ہے اور جب رات چھا جائے تو کسی وادی میں جا چھپتا ہے۔ تنہائی میں مجھ سے انس رکھتا ہے اور میرے نافرمانوں سے اسے وحشت ہوتی ہے۔

جس شخص نے اپنا باطن درست کر لیا اللہ اس کا ظاہر درست کر دے گا۔ جس نے اپنی آخرت سنوار لی اللہ اس کی دنیا سنوار دے گا۔ جس نے اللہ سے اپنا معاملہ صحیح کر لیا اللہ اس کا لوگوں کے ساتھ معاملہ خود بخود صحیح کر دے گا۔

ابو حازم اعرج سے کسی نے پوچھا۔ بابا جی! آپ کس حال میں ہیں؟ فرمایا اللہ کی رضا

میں ہوں اور لوگوں سے بے نیاز ہوں۔

ہارون الرشید نے قسم توڑنے کے کفارے کے طور پر پیدل حج کیا۔ راستے میں وہ ایک جھاڑی کے سائے میں آرام کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ وہاں سے بہلول کا گزر ہوا۔ اس نے یہ سماں دیکھ کر کہا۔

هَبِ الدُّنيَا تَوَاتِيكَا   اَلَيسَ الْمَوتُ يَأْتِيكَا
اَلَا يَا طَالِبَ الدُّنيَا   دَعِ الدُّنيَا لِشَانِئِيكَا
اِلیٰ كَمْ تَطْلُبُ الدُّنيَا   وَظِلُّ الْمِيلِ يَكْفِيكَا

ترجمہ:

(۱)۔ دنیا کو آخرت پر چھوڑ دے۔ کیا تجھے موت نہیں آئے گی؟

(۲)۔ اے دنیا طلب کرنے والے۔ دنیا کو اپنے اصل مشن کی خاطر ترک کر دے۔

(۳)۔ تو کہاں تک دنیا طلب کرتا رہے گا۔ تیرے لئے تو جھاڑی کا سایہ ہی کافی ہے۔

جو ہدایت کی راہ پر چلا اس نے اپنے گوہر مقصود کو پالیا۔

تَمَّتِ الْوَصِيَّةُ

وَصَلَّى اللّٰهُ الْهَادِى الْحَقُّ عَلىٰ حَبِيبِهِ الْهَادِى الْمُبِيْنِ مُحَمَّدٍ
وَآلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُومٍ لَّهُ

☆......☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خلاصہ فتوح الغیب

(غوثِ اعظم وقطب الاقطاب سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاقدس)

☆۔مقالہ نمبر 1۔مومن کے لیے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شریعت کے اوامر پر عمل کرے،نواہی سے بچے اور تقدیر پر راضی رہے۔

☆۔مقالہ نمبر 2۔سنت پر چلو۔مصائب میں ثابت قدم رہو۔شرک مت کرو۔دربارِ خداوندی سے نہ ہٹو۔گناہوں کی معافی مانگتے رہو۔بااخلاق بنو۔

☆۔مقالہ نمبر 3۔مصائب وبلائیں جن کا حل نہ انسان کے اپنے بس میں ہو اور نہ لوگوں کے بس میں،انقطاع الی اللہ یعنی ہر چیز سے کٹ کر اللہ کا ہو جانے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

☆۔مقالہ نمبر 4۔بندہ جب خواہشات کو ختم کر دیتا ہے تو اسے دولتِ استغناء اور علمِ لدنی نصیب ہوتے ہیں۔وہ ہر دلعزیز بن جاتا ہے اور لوگوں کے لیے مشکل کشا۔

☆۔مقالہ نمبر 5۔جس طرح قضائے حاجت میں مصروف کسی شخص کو دیکھنا مکروہ محسوس ہوتا ہے،اسی طرح کسی دنیادار کی طرف دھیان مت دو۔

☆۔مقالہ نمبر 6۔سب کچھ خدا پر چھوڑ دو،پھر وہ تمہیں علم سکھائے گا۔اشیاء کی ماہیت بتائے گا۔لباس معرفت پہنائے گا۔جب تم اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں میں فنا کر دو گے،تو وہ تمہیں نئی خصوصیات کیساتھ از سرِ نو تخلیق کرے گا اور تم میں نئے ارادے پیدا کرے گا۔ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوبِھِم کا یہی مطلب ہے یعنی میں ان کے دلوں کے ٹوٹنے کے پاس ہوں۔ حدیثِ قدسی ہے لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ الحدیث ۔پس فنا کی حالت یہ ہے کہ لوگ اچھے ہوں یا بد۔تم نیک ہو یا بدکار،اپنے آپ سے اور لوگوں سے لاتعلق ہو جاؤ۔یاد رکھو کہ خیر وشر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔اس بات کا یقین تمہیں قضاء قدر کے خوف سے بے نیاز کر دے گا۔یہی وہ مقام ہے جہاں اولیاء کو منزل ملتی ہے۔ارادہ الٰہی میں اپنے ارادے کا دخل گناہِ عظیم ہے۔اولیاء سے اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں خبردار کر دیتا ہے اور وہ فوراً توبہ

کرتے ہیں۔اس لیے کہ ولی معصوم نہیں ہوتے۔انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔

☆۔مقالہ نمبر 7۔اپنے قلب پر پہرہ دو۔غیر کی خواہش شرک ہے۔جو حال و مقام ملے اسے اللہ کی طرف منسوب کرو۔تغیر حال کے لیے ہر روز اللہ کی نئی شان ہے۔اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے۔لہٰذا اپنے احوال دوسروں کو مت بتاؤ، ورنہ وہ سلب ہو سکتے ہیں۔اللہ سے حال میں اضافے کی درخواست کرتے رہو۔مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا۔حدیث میں ہے کہ جب میرے قلب کو ڈھانپ لیا جاتا ہے تو میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں اور وہ حالت دوسری حالت میں بدل جاتی ہے۔بندے کے لیے استغفار کی حالت سب سے بہتر ہے۔اس میں اعترافِ قصور ہے۔قصہ آدم سے عبرت لینی چاہیے۔

☆۔مقالہ نمبر 8۔اپنی کیفیت سے ادنیٰ یا اعلیٰ کی آرزو مت کرو۔بلکہ شاہی دروازے پر پاسبان کی حیثیت سے کھڑے رہو، محل میں داخلے کی اجازت محض بادشاہ کا فریب بھی ہو سکتا ہے۔داخلے کے پرزور حکم کا انتظار کرو۔جو چیز تمہارے مقدر میں ہے تمہیں ضرور ملے گی، تم چاہو یا نہ چاہو۔اور جب قصرِ شاہی میں داخلے کا اذن و حکم مل جائے اور سیڑھیاں اور بالا خانہ بھی طے کر جاؤ پھر بھی مؤدب، خاموش اور سرنگوں رہو۔بلکہ پہلے سے زیادہ آدابِ شاہی کو ملحوظ رکھو اور خدمت میں مشغول رہو۔قرب میں خطرات زیادہ ہوتے ہیں۔

☆۔مقالہ نمبر 9۔حدیث شریف میں ہے کہ نماز میں شدتِ خوف کے باعث نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے جوش کھاتی ہوئی دیگ کی طرح آواز آتی تھی یہ صفتِ جلالی کا مشاہدہ ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔یہ صفتِ جمالی کا مشاہدہ ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 10۔نفس کی مخالفت کرو۔لوگوں سے ہدیہ و نذر کی توقع مت رکھو۔فاعلِ حقیقی اللہ ہے۔محنت و کوشش محض اسباب ہیں۔محض اللہ پر اس طرح چھوڑنا کہ اسباب ترک ہو جائیں یہ عقیدہ جبریہ ہے اور محض خدا کو بھول کر مخلوق کو پوجنا یعنی اسباب پر انحصار کر لینا عقیدۂ قدریہ ہے۔الہام وہ درست ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہو۔حرام مثلاً زنا اور مباح مثلاً اچھا کھانا پینا اور نکاح وغیرہ سے بھی اجتناب کرو۔دراصل یہ بھی نفس ہی کی خواہشات ہیں اور اگر کسی ایسی بات کا الہام ہو جسے تم سمجھتے ہی نہیں مثلاً یہ کہ فلاں بزرگ یا آدمی سے جا کر ملو۔تو اس پر عمل کرنے میں جلدی نہ کرو بلکہ انتظار کرو۔اگر یہ امرِ الٰہی ہوگا تو بار بار یہی حکم ملے گا یا کوئی ایسی نشانی ظاہر ہوگی جو

عالم باللہ لوگوں پر ظاہر ہوا کرتی ہے۔ جس کام کا حکم شرع میں ہے اسے شرع کے مطابق اور جس کا حکم شرع میں نہیں اسے باطنی امر سے انجام دینے والا شخص اہل حقیقت میں سے ہوتا ہے اور جس کام کا حکم باطن سے بھی نہیں وہ خاص فضل الٰہی ہے، تقدیر محض اور حالتِ تسلیم ہے۔ اس حالت میں امر کی اتباع یہی ہے کہ بندہ اپنی نفی کردے اپنے حول و قوت سے بے زار ہو جائے۔ دنیا و آخرت کی کسی چیز کا خواہشمند نہ رہے۔

☆۔مقالہ نمبر 11۔ اگر نکاح کی خواہش ہو مگر ناداری ہو تو اللہ سے دعا کرو یا وہ توفیق دے دے گا یا خواہش مٹا دے گا۔ شکر کرو اِنْ شَکَرْتُمْ لَاَ زِیْدَنَّکُم ۔صبر کرو، بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

☆۔مقالہ نمبر 12۔ محبت نعمت سے نہیں، منعم یعنی نعمت دینے والے سے کرو۔ اگر تم مولیٰ کے خادم رہو گے تو دولت تمہاری خادم رہے گی۔

☆۔مقالہ نمبر 13۔ ضرر اور راحت سے جو آتا ہے وہ آ کر ہی رہے گا۔ بس تسلیم و رضا میں غرق ہو جاؤ۔ مصیبتوں کا راستہ دعاؤں اور بے صبری سے روکنے کی کوشش کبھی نہ کرنا۔ اللہ کریم کو تمہارے صبر و استقامت پر خوشی بھی ہے اور فخر بھی۔ خدا کے حکم کو خوشدلی سے سنو اور عمل پیرا ہونے کے لیے فوراً متحرک ہو جاؤ۔ اسے سن کر سوچتے ہی نہ رہو۔ تعجیل اور محنت سے کام لو۔ اگر اس کی تکمیل سے خود کو عاجز پاؤ تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ گڑگڑاؤ اور معافی چاہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سبب ڈھونڈو جس کی وجہ سے تم تعمیل حکم میں ناکام ہوئے اور اطاعت سے معزول ہوئے۔ خدا کے احکام پر عمل پیرا ہو جاؤ، تمام کائنات تمہارا حکم مانے گی اور تمہیں کن فیکون کی طاقت ملے گی۔

☆۔مقالہ نمبر 14۔ نفس کے بندوں کو چاہیے کہ صاحبانِ حال اور واصلین باللہ کا مقابلہ نہ کریں۔ ان کی راہ میں تو ان کے اسلاف و اخلاف بھی رکاوٹ نہ بن سکے اور یہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہیں۔

☆۔مقالہ نمبر 15۔ جب تم نے خدا سے ناطہ جوڑ لیا ہے تو پھر زبان بند رکھو اور دل میں خیال بھی مت لاؤ۔ اس لیے کہ دل میں خیال و خواہش کا کرنا اور زبان سے مانگنا ایک ہی چیز ہے۔ عزت و ذلت دینے میں خدا کی ہر روز نئی شان ہوتی ہے۔ کسی کو علیین تک رفعت بخشتا ہے اور کسی کو اسفل سافلین تک گرا دیتا ہے۔ پہلا طبقہ چاہتا ہے کہ اس مقام رفیع سے گرا نہ دیئے جائیں۔ دوسرا

طبقہ خائف رہتا ہے کہ کہیں ہمیشہ اسی پستی میں نہ رہنا پڑے۔

☆۔مقالہ نمبر 16۔ آقائے دو عالم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق حلال روزی حاصل نہ کرو گے تو یہ شرک ہوگا۔ پھر اگر مخلوق سے قطع تعلق کر کے کسب کی طرف راغب ہوگے تو یہ بھی شرک ہوگا، اگر چہ یہ اس پہلے شرک کی نسبت خفی ہے۔ اگر اس سے بھی توبہ کر کے محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر رزاقیت کا یقین کر لو گے تو خدا تمہیں رزق دے گا جہاں سے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ پھر جب تمہارے دل میں ارادۂ الٰہی کے سواء کسی چیز کی رغبت نہیں رہے گی، تو جب خدا چاہے گا تمہاری قسمت کا حصہ تمہیں عطا فرمادے گا۔ پھر تمہیں مخلوق سے مزید دور کر دیا جائے گا۔ تمہارے باطن میں صرف اللہ رہ جائے گا، سینہ کھل جائے گا، دل منور ہو جائے گا۔ قربِ خداوندی اور عزت و منزلت ملے گی۔ پھر تمہیں یہ جتلا دیا جائے گا کہ بزرگی اور کرامت کے باعث تمہارا خاص حصہ تمہیں کب ملے گا۔

(۱)۔وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُونَ بِاَمْرِنَا (۲)۔ اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۳)۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ (۴)۔و يعلمكم الله، یہاں تصرف کی اجازت ہوتی ہے اور کن فکاں کی طاقت ملتی ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 17۔ مخلوق سے انقطاع، خود کو خدائی افعال کے تحت کر لینا اور اپنی حرکت و ارادے کو چھوڑ دینا فنائیت کی یہی حالت خدا تک رسائی ہے۔ قربِ الٰہی کے مراتب الگ الگ ہیں۔ انبیاء و اولیاء کے ساتھ خداوند کریم کے معاملات جداگانہ ہیں، کسی ایک کے راز کو خدا کے سواء دوسرا نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ عالمِ روحانیت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کے رموز سے اس کے شیخ کو اطلاع نہیں ہوتی اور شیخ کے اسرار سے مرید واقف نہیں ہوتا۔ اگر چہ وہ باطنی ارتقاء کے لحاظ سے مقامِ شیخ کی دہلیز تک پہنچ جاتا ہے۔ مرید جب شیخ کی حالت و کیفیت اور اس کے مقامات تک رسائی حاصل کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے شیخ سے جدا کر دیتا ہے اور اسے اپنی ولایت میں لے کر سب مخلوق سے جدا کر لیتا ہے۔ کیفیتِ شیخ وہ ہو جاتی ہے جو دودھ پلانے والی دائی کی دو سال کے بعد۔ اسے مخلوق میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ مرید کو سود وزیاں، عطاء و منع، خوف و امید کے عالم میں خدا کے سواء کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ تمام دنیا سے یوں بے نیاز ہو جاتا ہے جیسے ایک مردہ لاش سے انسان کو ناامیدی اور بے نیازی ہوتی ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 18۔ اگر تم تکلیف میں شکر بجالانے کو جھوٹ سمجھتے ہو تو یہ جھوٹ شکایت کرنے کے سچ سے بہتر ہے۔ کسی کو اپنے حالات مت بتاؤ۔ وَاِن یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ھُوَ الآیہ اگر تمہارا گوشت قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو پھر بھی شکایت نہ کرو۔ جان لو کہ انسان پر جو بھی مصائب نازل ہوتے ہیں وہ اپنے رب سے شکایت کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں۔ طبعی میلان نہ ہونے کے باوجود جہاد فرض کیا گیا ہے عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ الآیۃ

☆۔مقالہ نمبر 19۔ تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ تمہیں اس طرح دعوت دی جائے گی ''بے شک تم آج امانت دار کی حیثیت سے ہمارے پاس ٹھہرو'' جب یہ دعوت تمہیں بار بار دی جائے تو سمجھ لو کہ تم خاص بندوں میں شمار ہونے لگے ہو۔ پھر تمہارے دل سے ہر غرض اور ہر ارادہ اس طرح نکل جائے گا جس طرح سوراخ والے برتن میں پانی نہیں ٹھہرتا۔ خدا کی رضا تمہیں مل جائے گی اور افعالِ خداوندی کی لذت ونعمت بھی مل جائے گی۔ اس وقت تم سے کوئی اطمینان بخش وعدہ کیا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں تمہارا کوئی ارادہ پایا گیا تو اس وعدے کو اور ارفع کر دیا جائے گا۔ پھر جب اس سے زیادہ کوئی ارادہ تمہارے دل میں نہ رہا تو پھر اس وعدے سے مزید اعلیٰ وعدے کی طرف تمہیں لے جایا جائے گا اور یہ مہربانی، ارادہ ختم ہونے کے استغناء کی وجہ سے ہوگی۔ معرفت اور علم کے دروازے تم پر کھلیں گے۔ امور کی اصلیت، رموز کی حقیقت اور ایک وعدے سے دوسرے وعدے کی طرف رجوع کی خفیہ مصلحتیں بتادی جائیں گی۔ حفاظتِ حال کے باعث مرتبے میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ رموز واسرار کی حفاظت کے سلسلے میں دیانت وامانت کے باب میں تمہارا رتبہ بڑھ جائے گا۔ تمہارا سینہ کھول دیا جائے گا، دل میں نور، زبان میں فصاحت زیادہ ہوگی۔ پھر تم محبوبِ خلائق بن جاؤ گے۔

☆۔مقالہ نمبر 20۔ حدیث دَعۡ مَا یُرِیۡبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیۡبُکَ مشکوک چیزوں سے بچو، مخلوق سے خوف اور امید نہ رکھو۔ عطیات ونذر ونیاز پر نظر نہ رکھو، یہ تو اللہ کے حکم سے آتے ہیں۔ خدا ہی سے مانگو۔

☆۔مقالہ نمبر 21۔ میں نے ۱۲ ذی الحج ۴۹۱ھ اتوار کے دن خواب دیکھا۔ میں نے ابلیس کو مارنا چاہا۔ اس نے کھسیانا سا ہو کر ہنس کر کہا کہ تقدیر شر کے ساتھ جاری ہو تو میں اسے خیر میں نہیں

بدل سکتا اور اگر خیر کے ساتھ جاری ہو تو اسے شر میں نہیں بدل سکتا۔

☆۔مقالہ نمبر 22۔ جتنا کسی کا ایمان قوی ہوگا اتنا ہی امتحان قوی ہوگا۔ ابدال سے نبی، نبی سے رسول اور سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کا ایمان قوی ہے اور ابتلا بھی سب سے عظیم۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو صراطِ مستقیم پر چلانا چاہتا ہے تو بلیات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 23۔ جو کچھ ملے اسی پر قناعت کرو۔ یاد رکھو اگر طلب نہیں کرو گے تو بھی تمہارا حصہ ضائع نہیں ہوگا اور جو قسمت میں نہیں وہ کوشش سے بھی نہ ملے گا۔ دینے لینے کے عمل میں اپنی تدبیر سے کام مت لو۔ تم اس کی قضا سے جھگڑا نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارے ٹکڑے اڑا دے گا۔

☆۔مقالہ نمبر 24۔ عبادت کا بدلہ نہ چاہو۔ حصول رتبہ کے لیے عبادت مت کرو۔ خدا کے ہاں تمہارا کوئی حق نہیں تم محض بندے ہو اور تمہاری ہر چیز اپنے آقا کے لیے ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 25۔ امیروں کے ایمان کا درخت کمزور ہوتا ہے اور اس چیز سے خالی ہے جس چیز سے فقیروں کے ایمان کا درخت بھرا ہوا ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 26۔ جب تک نفس امارہ مر نہ جائے اپنے احوال پوشیدہ رکھو۔ تسخیر خلق کی غرض سے بیان نہ کرو۔ جب اللہ کو منظور ہوگا لوگ کھچے چلے آئیں گے اور اس وقت خود بینی کا فخر بھی پیدا نہ ہوگا۔ اگر کوئی خوبصورت بیوی تمہاری قسمت میں ہے تو اس کی کفالت کے لیے تمہیں بہت کچھ مل جائے گا۔ اس عورت کے باعث تمہیں معاشی فراخی ملے گی۔ اگر بیٹا مقدر میں ہے تو وہ ملے گا۔ خدا سے ڈرو سر کو جھکا لو حیا کرو۔ تمہارا مقدر تمہیں مل کر رہے گا۔

☆۔مقالہ نمبر 27۔ خیر اور شر ایک ہی درخت کی دو شاخوں کے پھل ہیں۔ شر ایک ہی دفعہ کھایا تو زہر کی طرح ہلاک کر دے گا۔ جب کہ خیر کا پھل زندگی بھر بار بار کھانا پڑتا ہے، صبح و شام کھانا پڑتا ہے اور ساتھ ہی شر والی ٹہنی سے احتیاط بھی رکھنا پڑتی ہے کہ کہیں شر کا پھل ہاتھ میں نہ آ جائے۔

☆۔مقالہ نمبر 28۔ جب تک نفس میں ہلکی سی خواہش یا دنیوی و اخروی جزا کی تمنا موجود ہے تم فنا کے دروازے پر ہی رہو گے اندر نہیں جا سکتے۔ عجلت سے کام نہ لو، قضاء و قدر پر راضی رہو۔

☆۔مقالہ نمبر 29۔ فقر پر صبر کرنے والے کو مزید اگر فقر میں رکھا جائے تو ممکن ہے شکایت کر بیٹھے۔ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْراً کا مصداق بنے۔ نعوذ باللہ من ذالک

☆۔مقالہ نمبر 30۔ مت سوچو کہ کونسا عمل کون سی تدبیر کروں۔تمہارے لیے مناسب یہ ہے کہ تم جس حالت میں ہو اسی میں ٹھہرو جب تک خداوند تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کشادگی نصیب نہ ہو جائے۔ اِصْبِرُوا وَ صَابِرُوا وَرَابِطُوا ۔حدیث میں ہے کہ جس طرح جسم کے لیے سر ہے اسی طرح ایمان کے لیے صبر ہے۔وَ مَن يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً

☆۔مقالہ نمبر 31۔ کسی سے بغض ہو جائے تو دیکھو کہ اللہ کا مطیع ہے یا نہیں۔اگر ہے تو تمہارا بغض غلط ہے اسے محبت سے بدل دو۔یونہی اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ

☆۔مقالہ نمبر 32۔ جس بندے کو کسی چیز سے محبت ہوتے ہی وہ چیز ضائع ہو جایا کرے تو ایسا بندہ محبوبِ خدا ہے۔دراصل غیرتِ خداوندی اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 33۔ لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔اول جس کے پاس نہ زبان ہے نہ دل، غافل محض۔ایسوں کو دعوت دو۔ دوم جن کے پاس زبان ہے دل نہیں، بے عمل علماء۔ ایسے منافقوں سے اللہ کی پناہ۔سوم جن کے پاس دل ہے زبان نہیں۔عزلت نشین، خاموش، اپنے عیوب پر نظر رکھنے والے۔ایسوں کی ہم نشینی فائدہ دیتی ہے۔ چہارم جنہیں عالمِ ملکوت میں عزت اور بزرگی حاصل ہے۔خدائی اسرار و علوم کے امین۔اصلاحِ خلق پر مامور۔انبیاء علیہم السلام کے جانشین، انسانیت کے جوہر خاص اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے مرتبے پر فائز۔ان کی مخالفت مت کرو۔

☆۔مقالہ نمبر 34۔ فراخی کا انتظار کرو۔دعا کرتے رہو۔دعا نہ کرنا اور ابتلاء سے موافقت کر لینا بھی درست ہے۔جب کہ دعا کرنا اور قبولیت میں جلدی نہ کرنا بھی درست ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 35۔ حدیث میں ہے کہ شاہی چراگاہ کے اردگرد چرنے والے کے لیے بعید نہیں کہ اس میں منہ مار لے۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دس حلال اشیاء میں سے نو چیزوں کو حرام میں پڑنے کے خدشے کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مباح کے ستر دروازے اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ کہیں گناہ میں ملوث نہ ہو جائیں۔یاد رکھو! رخصت میں خطرہ اور عزیمت میں سلامتی ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 36۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی نیت سے آخرت نہیں دیتا بلکہ آخرت کی نیت سے دنیا دیتا ہے۔حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ میرے اعمال کی متابعت سنت

ہے اور میری باطنی حالت توکل اختیار کرنا ہے۔ معلوم ہوا کہ تم حضور کی سنت اور باطنی حالت کے درمیان ہو۔ اگر تمہارا ایمان مستحکم نہیں تو سنت پر عمل کرتے رہو اگر ایمان پختہ ہے تو پھر توکل کی حالت اپنالو۔ قرآن وسنت سے تجاوز نہ کرو۔ اس پر عمل کر کے ہی ولایت ابدالیت وغوثیت مل سکتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 37۔ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو (الحدیث)۔ حسد کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے دستر خوان کے بچے ہوئے ٹکڑے کھانے والے کتے پر حسد کیا جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 38۔ اس چیز کا دعویٰ نہ کرو جو تمہیں حاصل نہیں۔ قضاوقدر کے جو تیر تمہیں زخمی کرنے آتے ہیں ہلاک کرنے نہیں، ان کا نشانہ بن کر خدشات کا شکار ہو جاؤ گے۔ جو شخص خدا کی راہ میں ہلاک ہوتا ہے اس کا اجر خود خدا کے شانِ کرم کے ذمے ہوتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 39۔ حکمِ خداوندی کے بغیر کسی چیز کو لے لینا خدا کی مخالفت اور حکم ملنے پر خواہش کے بغیر لے لینا موافقت ہے، ایسی نعمت کو چھوڑنا ریاء ونفاق ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 40۔ روح جب اعضاء وجوارح کے بندھن سے آزاد ہو جائے گی اور تم سراپا روح بن جاؤ گے تو سرالسر اور غیب الغیب ہو جاؤ گے گویا مرنے کے بعد دوبارہ اٹھے ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 41۔ جب طالب فیض وعنایات کو دیکھتا ہے تو مغرور ہو جاتا ہے کہ یہ حالت ہمیشہ کے لیے ہے۔ مگر اسے تکالیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ چاروں طرف سے جکڑ دیا جاتا ہے۔ نہ آگے جا سکے نہ پیچھے۔ نہ کوئی کیا ہوا وعدہ پورا ہو۔ نہ بزرگی ملے نہ رخصت پر عمل کر سکے نہ کوئی مرضی پوری ہو۔ یہاں نفس پگھلنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ خواہشات ختم ہونے لگتی ہیں اور محض روح باقی رہ جاتا ہے اور ایوب علیہ السلام کی طرح وہی آواز سنتا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر مارو نہانے، پینے کا ٹھنڈا پانی پاؤ گے۔ پھر لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 42۔ تنگی پر صبر کرو۔ افعال خداوندی کی مصلحت وحکمت کو بندوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 43۔ جو خدا کو جان لے گا وہ مخلوق سے کبھی سوال نہیں کرے گا۔ اور اللہ سے حیا کرے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 44۔ خوف اور امید آخرت تک چلتے ہیں۔ دعا اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ امید غالب نہ آجائے۔ دوم اس لیے بھی کہ خواہش کرنا دراصل شریک ٹھہرانا ہے البتہ سوال کرنے

کا حکم ملے تو تعمیل ضروری ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 45۔ مصائب تین وجوہ سے آتے ہیں۔اول جرم کی سزا، دوم گناہوں کو زائل کرنے کے لیے۔اس کی نشانی یہ ہے کہ اس میں شکوہ کیے بغیر صبر نصیب ہو جاتا ہے۔اس ابتلاء میں دوستوں سے شکایت نہیں کرنی چاہیے۔سوم بلندیٔ منازل۔اس کی نشانی یہ ہے کہ فعلِ خداوندی پر رضا و موافقت پائی جائے۔

☆۔مقالہ نمبر 46۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول پر ابتلاء لاتا ہے۔اسے دولت دیتا ہے۔پھر چھین لیتا ہے۔سوال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔پھر سوال سے محفوظ رکھتا ہے اور سنت پر چلاتا ہے یعنی کسبِ حلال۔مگر پھر کسب کو بھی مشکل کر دیتا ہے۔پھر اسے الہام کرتا ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ایسے حکم کو بجالانا ضروری ہوتا ہے۔یہ نفس کو مارنے کے لیے کیا جاتا ہے۔پھر سوال سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔پھر اسے صرف اللہ ہی سے سوال کرنے کی طرف پھیرا جاتا ہے۔اگر سوال نہ کرے چپ رہے تو اسے نہیں ملتا۔پھر زبانی سوال کی بجائے دل سے سوال کرنے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔زبان سے کچھ نہیں کہنا۔پھر اسے اس سے بھی ہٹا دیا جاتا ہے۔بغیر مانگے دیا جاتا ہے۔محض خطرۂ دل پر عطا ہو جاتی ہے۔یہ حالتِ فنا ہے جو اولیاء و ابدال کی انتہا ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 47۔ خواب میں مجھ سے کسی بوڑھے نے پوچھا کہ رب کا قرب کیسے ملتا ہے میں نے کہا اس کی ابتداء ورع سے ہے اور انتہاء تسلیم و رضا اور توکل پر۔

☆۔مقالہ نمبر 48۔ فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہونا یا سنت کو چھوڑ کر نفل کو لینا ایسا ہے جیسے قربِ ولادت میں حمل گر جائے۔

☆۔مقالہ نمبر 49۔ حرام سے بچو حلال کھاؤ۔محض اپنی خواہش کے زیر اثر حلال کھانے میں بھی کوئی خیر نہیں۔

☆۔مقالہ نمبر 50۔ نعمت وعطاء کے وقت یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مخلوق واسباب کے ذریعے اس طرح کھلاتا ہے جیسے وہ خود کھلا رہا ہو۔

☆۔مقالہ نمبر 51۔ جو مخلوق سے بے رغبت ہوتا ہے۔مخلوق اسکی طرف راغب ہو جاتی ہے۔اللہ اسکا متولی بن جاتا ہے۔اِنَّ وَلِيِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ۔

☆۔مقالہ نمبر 52۔ بعض بندوں کو مبتلاء امتحان صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ دعا کریں اور

اللہ انہیں عطا کرے۔ یہ عطا تاخیر سے بھی ہوسکتی ہے۔ عجلت نہیں کرنی چاہیے۔

☆۔مقالہ نمبر 53۔ جو کچھ دوسروں کو حاصل ہے اسے زیادہ اچھا خیال کرتے ہوئے اس کی طلب میں مت لگو۔ تمہاری ہمت تھک جائے گی۔ زندگی ختم ہوجائے گی اعمال نامہ سیاہ ہوجائے گا مگر وہ چیز نہ ملے گی۔

☆۔مقالہ نمبر 54۔ جب تک دل سے ہر خواہش ختم نہیں ہوتی آدمی زاہد کہلانے کا حق دار نہیں۔ مثلاً دولت، علم فقہ، حدیث وقرآن، نکاح وسواری، سکونت وغیرہ

☆۔مقالہ نمبر 55۔ حصولِ لذت ومفاد چار طرح سے ہوتا ہے۔ اول اپنے نفس کی خواہش سے، یہ حرام ہے۔ دوم شرعی حکم کے مطابق کوئی کام کرنا، یہ حلال اور مباح ہے۔ سوم حکم باطن سے کوئی کام کرنا، یہ ارادے کا زوال مقامِ ابدالیت ہے اور بندہ مراد بن جاتا ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 56۔ جب نفس مرجاتا ہے اور بندہ راضی برضا ہوجاتا ہے تو اس سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے انسان اپنے ساتھ کیا ہوا وعدہ خود پورا نہ کررہا ہو کیونکہ اس مقام پر بندہ خود خدا کا فعل اور ارادہ بن جاتا ہے۔ قرآن نے نبی کریم ﷺ کو اس مقام کی طرف متوجہ فرمایا۔ **تُرِيْدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللهُ يُرِيْدُ الآخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ**

☆۔مقالہ نمبر 57۔ جب انسان باطنی لذت سے بے نیاز ہوجاتا ہے تو اسے بسط کی حالت دے دی جاتی ہے۔ یہاں اسے وہی لذتیں حاصل کرنے کا حکم ہوتا ہے جو اس نے چھوڑی تھیں۔

☆۔مقالہ نمبر 58۔ اطراف سے آنکھیں موندلو۔ نظر سیدھی اپنے آقا ومالک پر رکھو۔ قرب کی راہ آسان ہوجائے گی۔

☆۔مقالہ نمبر 59۔ منعم حقیقی پر نظر رکھو نہ کہ تحائف لانے والے غلام پر۔ رفع بلا کے لیے کنجی صبر ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 60۔ سلوک کی ابتداء یہ ہے کہ عادت وطبیعت کو چھوڑ کر شریعت اختیار کی جائے۔ دوسرا درجہ قضاوقدر کی طرف آنا ہے۔ تیسرا درجہ شرعی حدود کی حفاظت ونگہداشت کے ساتھ عادتِ طبعی کی طرف پلٹ آنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز، **قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ** ۔ ہر ولی کی یہی حالت ہے کہ اس

کے فنا ہونے کے بعد اس کی قسمت اور مقتضیاتِ طبع حدودِ شرعی کے ساتھ اسے لوٹا دیے جاتے ہیں۔انتہا سے ابتداء کی طرف واپسی کے یہی معنی ہیں۔

☆۔مقالہ نمبر 61۔ بندے کو شریعت کے حدود توڑنے سے اس طرح بچا لیا جاتا ہے جیسے یہ کام اسے سونپ کر اسے اجازت دے دی گئی ہے اور اس کے لیے یہ چیز جائز کر دی گئی ہے۔اس حالت سے بڑھ کر کوئی حالت نہیں ہے اور یہی اصل غایت ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 62۔ کسی کے تقرب، عطا و فنا پر حسد نہ کرو۔اللہ کی ذات پر نگاہ رکھو۔

☆۔مقالہ نمبر 63۔ میں نے خواب دیکھا کہہ رہا ہوں کہ تو باطن میں اپنے نفس کو، ظاہر میں مخلوق کو اور عمل میں اپنے ارادے کو خدا کا شریک کرتا ہے۔کسی نے مجھ سے پوچھا یہ کیسی بات ہے میں نے جواب دیا۔یہ معرفت کی ایک قسم ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 64۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے میری نفیس ترین خواہش یہ ہے کہ مجھے ایسی موت ملے جس میں حیات نہ ہو اور ایسی حیات ملے جس میں موت نہ ہو۔اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ میں اپنی ہم جنس مخلوق سے یوں مر جاؤں کہ ان میں زندہ بھی رہوں اور ان میں پایا بھی نہ جاؤں۔ثانی الذکر سے مراد یہ ہے کہ میں اپنے پروردگار کے فعل میں زندہ رہوں اس طرح کہ میرا وجود نہ ہو۔

☆۔مقالہ نمبر 65۔ مالک کو رعیت میں تصرف کا حق حاصل ہے۔یہ ظلم نہیں۔جو فعل خداوندی تمہاری طبع اور خواہش نفس کے خلاف ہو اس پر اعتراض کرتے ہو۔

☆۔مقالہ نمبر 66۔ یہ مت کہو کہ میں دعا کروں نہ کروں میرا مقدر مجھے مل جائے گا۔دعا ضرور کرو۔دعا کا تو اللہ نے حکم دیا ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 67۔ جب نفس جہاد میں قتل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تاکہ انسان اس کا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی پائے۔یہی معنی ہے **رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَر** کا۔یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہیں۔

☆۔مقالہ نمبر 68۔ بندے کا سوال ارادۂ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو دعا مقبول گنی جاتی ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 69۔ اللہ سے سابقہ گناہوں کی معافی اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق

مانگو۔حسنِ اطاعت، رضا، صبر، شکر اور خاتمہ بالخیر ہونے کی دعا مانگو۔انبیاء، صدیقین، شہداا ور صالحین کی رفاقت طلب کرو۔

☆۔مقالہ نمبر 70۔ خیر کو خدا کی طرف اور شر کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرو۔

☆۔مقالہ نمبر 71۔ مرید اور مراد دنوں پر امتحان آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے بڑا مراد کوئی نہیں مگر ابتلاء سب سے زیادہ ہوا۔

☆۔مقالہ نمبر 72۔ بازار جانے والے پانچ قسم کے ہیں۔ اول نفس کے بندے، دوم جبر و تکلف سے کام لے کر بچنے والے، سوم جو نعمتوں پر شکرِ خدا کرتے ہیں، چہارم جو بظاہر بازار والوں سے بات کرتے ہیں مگر دیدارِ خداوندی میں مصروف ہوتے ہیں، پنجم جو بازار کے لوگوں پر رحم کھاتے اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔

☆۔مقالہ نمبر 73۔ اولیاء کو لوگوں کے عیوب و کمالات پر آ گاہی مل جاتی ہے۔ وہ کبھی کبھار کسی مصلحت سے انہیں ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔ ان کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہوتا۔ بلکہ ممکن ہے اسے عیب کھول دینے سے ہدایت مل جائے۔ سکوت رکھو۔ ولی پر غیبت کا الزام مت دو۔

☆۔مقالہ نمبر 74۔ عاقل وہ ہے جو پہلے اپنے وجود کی حالت اور ہیئتِ ترکیبی پر غور کرے، پھر ساری مخلوق اور مختلف ایجادات پر غور کرے اس طرح اسے خالق اور مخلوق کی ایجاد پر دلیل دستیاب ہو جائے گی۔ یہ تفسیر ہے اس آیت کی هُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور کیا ہی خوب تفسیر کی ہے۔ دراصل ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی نہ کسی اسم کا ظہور ہے۔ اسکی ذات اسکی صفت میں اور صفت فعل میں پوشیدہ ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 75۔ تصوف کو علم سے نہیں نرمی سے شروع کرو۔ علم وحشت پیدا کرتا ہے اور نرمی انس۔ تصوف کی اساس آٹھ چیزوں پر ہے۔ حضرت ابراہیم کی سخاوت، حضرت اسحاق کی رضا، حضرت ایوب کا صبر، حضرت زکریا کی مناجات، حضرت یحییٰ کی غربت و مسافرت، حضرت موسیٰ کا لباسِ صوف، حضرت عیسیٰ کی سیاحت اور آقائے دو عالم جیسا فقر۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

☆۔مقالہ نمبر 76۔ امیروں سے ملو تو خودداری اور وقار کے ساتھ۔ فقیروں سے ملو تو عاجزی کے ساتھ۔ چھوٹے پر حملہ کرنا نامردی، بڑے پر حملہ کرنا بے حیائی اور برابر والے پر حملہ کرنا بد اخلاقی ہے۔ جو تم پر ظلم کرے اس کو دعا دو اور ظلم سے حفاظت کی امید خدا سے رکھو۔ صبح و شام سات

مرتبہ یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ اور اَعُوذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمِ سورہ حشر کے آخر تک پڑھا کرو۔

☆۔مقالہ نمبر 77۔ زہد ایک ساعت کا کام ہے، تقویٰ دو ساعت کا، اور معرفتِ خداوندی دائمی ہے۔ مخلوق کے وجود کو نظر انداز کر کے خدا کے ساتھ رہو۔ رب تعالیٰ کے سواء باقی سب تمہارے دشمن ہیں۔ ایک بندہ ہوا ور ایک اس کا رب ہو۔ بس۔

☆۔مقالہ نمبر 78۔ اولوا العزم سالکوں کی دس خصلتیں ہیں۔ اول قسم نہ کھائے، سچی ہو یا جھوٹی۔ دوم جھوٹ نہ بولے خواہ مذاق ہو۔ سوم وعدہ وفا کرے ورنہ وعدہ کرے ہی مت۔ چہارم کسی مخلوق پر لعنت نہ کرے۔ پنجم کسی کے لیے بد دعا نہ کرے خواہ اس نے ظلم کیا ہو۔ ششم اہلِ قبلہ میں سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر، شرک یا نفاق کی گواہی نہ دے۔ ہفتم ظاہر باطن اعضاء و جوارح کو معاصی سے بچائے۔ ہشتم کسی مخلوق پر بوجھ نہ ڈالے بلکہ سب کا بوجھ خود اٹھائے۔ نہم کسی سے حرص و طمع نہ رکھے۔ دہم تواضع کرے۔ یہ خصلت سب اطاعتوں کی اصل اور فرع اور کمال ہے۔ بڑے، چھوٹے، ہم عمر، عالم، جاہل حتیٰ کہ کافر کے مقابلے پر بھی تواضع کرے اور دل میں اسے خود سے افضل کہے۔ ایسا شخص نہ کسی کا گلہ کرتا ہے نہ سن سکتا ہے۔

☆۔مقالہ نمبر 79۔ اپنے صاحبزادے حضرت عبدالوہاب قدس سرہ کو وصیت فرمائی کہ کسی سے نہ ڈرنا سوائے خدا کے۔ اسی سے مانگنا، توحید پر رہنا۔

☆۔مقالہ نمبر 80۔ حکم منسوخ ہوسکتا ہے۔ علم منسوخ نہیں ہوتا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالعزیز، حضرت عبدالجبار اور حضرت موسیٰ علیہم الرحمۃ کا تذکرہ اس مقالے میں ہے۔

☆......☆......☆

ہمارے مرشد کریم مشوری والے سائیں

قطب الاقطاب، شیخ المشائخ، سید العارفین، رئیس العاشقین، شمس العلماء الراسخین، فقیہ اعظم حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس اللہ سرہ الاقدس ماضی قریب کی مایہ ناز علمی اور روحانی ہستی جو فیضان و کمال سے بھرپور، سنجیدگی اور متانت میں لاثانی، اور فنافی الرسول ہونے کے ناطے نبی کریم ﷺ کی سنت کا ایک بہترین نمونہ تھے۔

مشوری آپ کی قوم تھی۔ اسی وجہ سے آپ کے گاؤں کا نام مشوری شریف ہے۔

مشوری شریف کا ریلوے اسٹیشن لاڑکانہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر دادو کی جانب ہے۔

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ کے غواص تھے۔ حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ کے ہاں سلسلہ عالیہ قادریہ کی طرف سے وحدت الوجود اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی طرف سے وحدت الشہود کا حسین امتزاج تھا۔ ان دونوں سلسلوں کے فیضان سے آپ نے اور آپکے مریدین نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت کو پالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ طیبہ میں وحدت کے دریا بھی نوش کرا دیئے جاتے ہیں اور شریعت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔

یوں تو ہر شخص اپنے سلسلے اور اپنے مشائخ کی مدح و تعریف بڑھ چڑھ کر بیان کرتا رہتا ہے مگر بخدا اس سلسلۂ عالیہ کی شان کچھ ''وکھری'' ہے۔ مرید تو اپنے مرشد کی شان بیان کرتے ہی رہتے ہیں مگر ہم اپنے مرشد کریم کی شان میں ان کے ہم عصر علماء و مشائخ کے بیانات کے انبار دکھا سکتے ہیں۔ سرِ دست ہم ان کے دور کی ایک جلیل القدر علمی اور روحانی شخصیت غزالی دوراں رازیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ کا ایک بیان پیش کرتے ہیں جس کو پڑھنے کے بعد اگر کوئی آپ کی عظمتوں کا اعتراف نہیں کرے گا تو حیران ضرور ہو جائے گا۔

چنانچہ حضرت قبلہ کاظمی صاحب قدس سرہ اپنے ایک عربی مکتوب میں لکھتے ہیں۔

قدوة العارفين، عمدة الصالحينِ زبـدة العلماء الراسخين، الاورع الاكـرام، الـفقيه الاعظم، سيدى مولانا محمد قاسم المشورى متعنا الله تعالى

بطول حیاتہ ، وافاض علینا من برکاتہ

(درگاہ مشوری شریف کی فائل میں مکتوب محرر شوال المکرّم ۱۴۰۳ھ)

آپ علوم ظاہریہ و باطنیہ سے آراستہ قابل دید ہستی تھے۔علم ظاہری ایسا کہ میراث کا علم بلاشبہ تمام علوم ظاہریہ میں مشکل و دقیق علم ہے، آپ نے اس موضوع پر ''معلم الفرائض'' نام کی ضخیم کتاب سندھی زبان میں لکھی ہے جس میں شریفیہ کو بھی کھولا گیا ہے۔

اپنے صاحبزادگان کو خود تعلیم دیتے رہے۔ایک دن آپ شاہزادہ حضرت سائیں منیر احمد دامت برکاتہم العالیہ کو (جو آپ کے پوتے ہیں) جامع صغیر پڑھا رہے تھے۔فقیر راقم الحروف سماع کے لیے پاس حاضر تھا۔آپ مسجد شریف کے محراب میں مصلائے امامت پر شمال مشرق کی طرف رخِ انور کر کے تشریف فرما تھے۔آپ نے حدیث شریف پڑھائی: اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ أَصَابِعِہِ (بخاری حدیث: ۶۰۲۶)۔آپ نے شَبَّکَ بَیْنَ أَصَابِعِہ انے کے لیے دونوں ہاتھ آہستہ آہستہ لرزتے ہوئے اٹھائے اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر تشبیک سمجھائی۔ راقم الحروف کو منظر آج تک یاد ہے۔

عربی اور فارسی کی چند کتابیں درگاہ شریف میں عرصہ دراز سے پڑھائی جاتی تھیں۔ ضروری علوم شرعیہ طالبان طریقت کو سکھائے جاتے تھے۔تاکہ جاہل اور شریعت مطہرہ کے دشمن صوفی پیدا نہ ہوں بلکہ طریقت و شریعت کا امتزاج رہے کہ یہ اصل سنتِ نبوی ہے۔لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے جامعہ قاسمیہ نام سے ایک عظیم درسگاہ وہیں مشوری شریف میں بنادی گئی ہے۔ وہاں اس وقت (تادم تحریر 2009ء) حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ فرائض تدریس سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ نے تحریکِ پاکستان میں نہایت ہی گرم جوشی سے حصہ لیا اور ۱۹۴۶ میں پاکستان بنانے کی خاطر منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں دور دراز کا سفر کر کے شامل ہوئے۔

آپ ہمیشہ اسلام دشمن عناصر کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ بھٹو نے جب پاکستان میں سوشل ازم کا نعرہ بلند کیا تو آپ سب سے پہلے اس فتنے کے انسداد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حتیٰ کہ موجودہ سیاسی جھمیلوں سے بے زار ہونے کے باوجود بھٹو کے حلقے میں اس کے خلاف الیکشن لڑنے کا بھی اعلان کر دیا۔

۱۱ جولائی ۱۹۷۰ کو جمعیت علمائے پاکستان صوبہ سندھ کے صدر منتخب ہوئے اور بڑی محنت اور جاں فشانی سے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ آج بھی صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان میں آپ کے مریدین جماعت اہل سنت، جمعیت علمائے پاکستان اور تنظیم المدارس کے اہم ترین عہدوں پر فائز ہیں اور ان دونوں صوبوں کی سنی قیادت پر انکا قبضہ ہے۔

کمال طریقت ایسا تھا کہ سلف صالحین کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ طالبِ طریقت خواہ کسی منزل میں اٹکا ہو طلبِ حق میں خلوص کے ساتھ ایک دفعہ حاضری دیتا تو رکاوٹ ختم ہو جاتی اور وہ اس منزل سے آگے نکل جاتا۔ زبانی اپنا مسئلہ عرض کرنا ضروری نہ تھا۔

خدا شاہد ہے کہ اب بعد از وصال وہ تلوار نیام سے باہر آچکی ہے۔ اب تو تشنہ لبوں کی سیرابی کا سماں ہی دوسرا ہے۔

ادب اس قدر تھا کہ اپنے اُن مریدوں کے ہاتھ چوم لیا کرتے تھے جو سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔ سیدزادے کے احترام میں دونوں ہاتھ جوڑ کر تادیر کھڑے رہنے کا منظر راقم الحروف نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت غزالیٔ دوراں رازیٔ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی قدس سرہ کے محض پیغام اور خط کا اس قدر احترام فرماتے تھے جیسے قبلہ کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ خود تشریف لے آئے ہوں۔

کبھی آقائے دو جہاں ﷺ کا اسم عَلَم شریف بلا ضرورت شرعی نہیں پکارا بس آقا، سرکار، حضور، سائیں، حضرت حبیب کریم ﷺ جیسے القاب سے یاد فرماتے حتیٰ کہ چھوٹے شاہزادے کا اسم گرامی تبرکاً ''محمد'' رکھا۔ مگر زندگی بھر ان کو بھی اس نام سے کبھی نہ پکارا۔ بلکہ انہیں ''نالے مٹھا'' کہہ کر بلاتے تھے۔ سندھی میں نالے مٹھا کا معنی ہے ''میٹھا نام'' اب سب لوگ انہیں سائیں

نالے مٹھا کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔

رقاق اس قدر تھا کہ خود بھی روتے تھے اور مریدین وزائرین کو بھی رلاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی مسجد شریف میں کھڑے تھے۔ بہت سے لوگ سالانہ بارہویں شریف میں شمولیت کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ کھڑے ہو کر سب سے مل رہے تھے۔ پہلے سندھی زبان میں فرمایا:

وڈی مہربانی منجھا پٹر تواں اچی ویا آھو غریب جی حوصلہ افزائی جے لئی۔ پھر اردو زبان میں فرمایا: بڑی مہربانی بیٹا، آپ لوگ آئے ہو مجھ غریب کی حوصلہ افزائی کے لیے۔

شریعت کی پابندی اس قدر کرتے کہ آخری چند سالوں میں سو سال کے قریب عمر شریف ہو جانے کے باعث چل نہیں سکتے تھے مگر پھر بھی پہیوں والی کرسی میں بیٹھ کر نماز با جماعت میں شامل ہوتے۔ کرسی میں بیٹھ کر ہی نماز ادا فرماتے تھے۔ آخری تین سالوں میں مشاہدۂ خداوندی میں استغراق کی کیفیت رہی۔ آپ ہر بات کے جواب میں خاموش رہنے لگے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا کہ سائیں پانی پئیں گے؟ تو آپ خاموش رہتے۔ اگر کوئی کہتا کہ سائیں یہ فلاں مہمان آیا ہے تو آپ خاموش رہتے۔ اگر کوئی کہتا کہ سائیں آپ کی طبیعت مبارک کیسی ہے تو آپ خاموش رہتے۔ لیکن اگر کوئی پوچھتا کہ سائیں نماز پڑھیں گے؟ تو آپ پورے جسم مبارک کو جنبش دیتے اور جلدی سے فرماتے "ہاں"

آپ نے پچانوے سال کی عمر مبارک میں رحلت فرمائی ہے۔ آپکے دو صاحبزادے حضرت سائیں علی محمد معروف بہ میاں سائیں قدس اللہ سرہ الاقدس اور حضرت سخی سائیں نالے مٹھا قدس اللہ سرہ الاقدس تھے۔ یہ دونوں ہستیاں اس دنیا سے جا چکی ہیں۔

آپ کے تقریباً اٹھارہ خلفاء اور بے شمار شاگرد ہیں۔ آپکی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں فتاویٰ قاسمیہ (دو جلدوں میں)، معلم الفرائض، مجموعہ رسائل قاسمیہ، اشباع الکلام فی تحقیق مدۃ الرضاع والفطام، الحجۃ البیضاء فی حرمۃ الصدقات الواجبۃ علی الشرفاء، فتح الودود فی تحقیق امرأۃ المفقود، ارشاد العباد الی تصحیح النطق بالضاد، تقصیص اللحیہ وتسوید اللحیہ، فصل الخطاب فی

لزوم الستر والحجاب، البینات الواضحات فی استحباب الذکر بالجہر بعدالمکتوبات، اتحاف الاشراف فی احکام تبدیل الاوقاف، مسائل زکوۃ میں جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کی تحریر اور تحقیقات پر ایک نظر، اوضح البیان فی ان الشیعۃ اعداء القرآن، کتاب الناسخ والمنسوخ، الدلیل المنقول فی تحریم الطبول، نہج الصواب فی تحقیق الغراب، تحفۃ الاخوان فی منع شرب الدخان، ارشادِ طریقت وغیرہ۔

اللہ کریم ہمیں اپنے محبوب بندوں کی پیروی اور غلامی کی توفیق بخشے اور ادب نصیب فرمائے۔آمین بجاہ النبی الکریم الامین ﷺ

☆......☆......☆

سلسلہ طیبہ قادریہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

ھذہٖ سلسلۃ مشائخ الطریقۃ القادریۃ

رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین

۱۔الٰہی بحرمت سیدالکونین رسول الثقلین محبوب رب العلمین خاتم النبیین حضرت سیدنا محمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم تسلیماً

۲۔الٰہی بحرمت لعسیوب الموحدین شمس المشارق والمغارب امیر المومنین سیدنا علی ابنِ طالب رضی اللہ عنہ۔

۳۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ قدوۃ العلماء الربانیین حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ۔

۴۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ حبیب عجمی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۵۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ داؤ د طائی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۶۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ سید الطائفہ حضرت خواجہ معروف کرخی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۷۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سرّ ی سقطی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۸۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۹۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابو بکر شبلی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۱۰۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی الفضل عبد الواحد بن عبد العزیز تمیمی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۱۱۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابو الفرح طرطوسی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۱۲۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی الحسن علی بن محمد یوسف القرشی (ہکاری) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۱۳۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی سعید المبارک المخرّ می قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۱۴۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ محبوب حقانی قطب صمدانی حضرت خواجہ شیخ محی الدین پیر دستگیر سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ عنہٗ۔

۱۵۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبد الوہاب قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس۔

۱۶۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید صُوفی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۱۷۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ احمد قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۱۸۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید مسعود قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۱۹۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید علی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۰۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شاہ میر قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۱۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۲۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید محمد غوث قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۳۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۴۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ عبدالرزاق قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۵۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید حامد محمد شاہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۶۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۷۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۸۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۲۹۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۳۰۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ حامد شاہ گنج بخش قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۳۱۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شمس الدین محمد صالح شاہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۳۲۔الٰہی بحرمت شیخ المشائخ فرد الحقیقۃ حضرت خواجہ سید عبدالقادر حسینی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۳۳۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ سراج الواصلین ،فخر العاشقین ،محبّ النبی علیہ افضل

الصلوات والتسلیمات حضرت سید محمد بقا حسینی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔

۳۴۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شمع اولیاء محی السنّۃ النبّویۃ ماحی آثار البدعۃ بدرقۃ السالکین موصل الطالبین الی مطالبہم حضرت الشیخ السیّد محمد راشد رضی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ عنہٗ۔

۳۵۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت پیر سائیں محمد یسٰین شاہ المعروف پیر سائیں جگہ والے قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس۔

۳۶۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ پیر سائیں رشید الدین شاہ صاحب المعروف بیعت کے مالک قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس۔

۳۷۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ جناب فیض مآب قطب الاقطاب سراج الواصلین، فخر العاشقین، محبّ النبی علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات حضرت پیر سائیں سید امام الدّین شاہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس۔

۳۸۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ وقطب الاقطاب فیض مآب سید العارفین وفخر العاشقین حضرت پیر سائیں محمد قاسم محدث مشوری قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس۔

۳۹۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ وقطب الاقطاب حضرت سخی سائیں محمد عرف سائیں نالے مٹھا قدس سرہٗ الاقدس۔

۴۰۔ اِنسلکَ بمشائخہٖ الکرام، بفضل اللہ الکریم وبکرم رسولہ الکریم، التوسل الی جناب اللہ العظیم، بمشائخ السلسلۃ، الفقیر غلام رسول القاسمی۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆